”إنَّ اِخْتِلَافَ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلٰی هٰذِهِ الْأُمَّةِ“

[امام مالکؒ]

الاعتدال فی مراتب الرجال

یعنی

اسلامی سیاست

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی

تحقیق وتخریجِ احادیث

محمد جاوید قاسمی بالوی ☆☆ اشرف علی قاسمی اعظمی

تفصیلات

نام کتاب	:	الاعتدال فی مراتب الرجال یعنی اسلامی سیاست
مؤلف	:	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی
تحقیق وتخریج	:	محمد جاوید قاسمی بالوی / اشرف علی قاسمی اعظمی
تعداد	:	
قیمت	:	
ناشر	:	اتحاد بک ڈپو دیوبند

فہرست مضامین

تائیدی اوردعائیہ کلمات

از......حضرت مولانا طلحہ صاحب دامت برکاتہم

آج اس وقت (۴/ رجب ۱۴۲۸ھ بروز جمعہ) مولوی محمد جاوید سہارن پوری، اور مولوی اشرف علی اعظمی فضلاء تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند (۱۴۲۷ھ) اپنی مساعی جمیلہ ''اعتدال'' پر تخریج کا کام کرکے اور اپنے اساتذہ کے تائیدی مضامین لکھوا کر لائے، اور بندے سے بھی کچھ لکھنے کو کہا، بندے نے عرض کیا: دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کی تحریر کے بعد میری تحریر کوئی ضروری نہیں، اور دارالعلوم کے اساتذہ میں ایک استاذ مولانا عبداللہ صاحب معروفی سابق استاذ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور حال استاذ دارالعلوم دیوبند ہیں، انہیں دونوں مدرسوں کے مدرس ہونے کا امتیاز حاصل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سلسلہ خلیلی کی نسبت سے بھی ان کو مالا مال کیا ہے، بندے کے خلفاء میں ہے، عزیزان مولوی محمد جاوید سہارنپوری اور مولوی اشرف علی اعظمی نے اس پر محنت کی، اس کی تخریج کی۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا: حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں خانقاہ میں، اس کتاب کا ذکر بارہا ہوا اور لوگوں نے آکر مجھے بتایا اور حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے سفری بیگ میں اس کا ایک نسخہ ہمیشہ رہتا تھا، اور بعض لوگوں نے بتایا کہ حضرت فرصت کے وقت اس کا مطالعہ فرماتے تھے، اس کے نافع ہونے کے لئے دو نظیر تو یہ ہیں اور دو نظیر آگے لکھواتا ہوں: شاہ عبداللہ القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ علیہ کے علم میں جب اس کتاب کا مسودہ آیا تو دونوں حضرات نے چھاپنے کا تقاضا کیا، شیخ کے اس جواب پر کہ چھاپنے کے لائق نہیں جب تک نظر ثانی نہ ہو، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے دو مخلص اور معتمد حضرات: شاہ مسعود صاحب (بہٹ) اور حاجی آلِ علی صاحب نہٹوری کو اس کے چھاپنے کے لئے تیار فرما کر بھیجا کہ حضرت شیخ سے مسودہ مانگ کر چھاپ دیں، پھر شاہ الیاس صاحبؒ نے بھی مزید تقاضہ کیا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے نظر ثانی فرما کر خود طبع فرمایا۔

بندہ دل سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مزید نافع فرمائے، اور سبھی حضرات کو اس کے مطالعے کی توفیق عطا فرمائے، شوق بھی عطا فرمائے، طباعت کرنے والوں کو روحانی مالی نفع سے مالا مال فرمائے۔ (آمین)

محمد طلحہ عفی عنہ

۴/ رجب ۱۴۲۸ھ

مقدمہ

از محدث کبیر حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب
وحضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی
(اساتذہ ''شعبۂ تخصص فی الحدیث'' دارالعلوم دیوبند)

حامداً ومصلیاً، وبعد:

اہل حق کے درمیان نظریاتی اختلاف کا ہونا ناگزیر ہے، اختلاف بری چیز نہیں ہے، اختلاف کے نتیجے میں بہت کچھ خیر وجود میں آتا ہے، اس سے خلق خدا کو سہولت اور نفع کی مزید راہیں کھلتی ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "**اختلاف أصحابی رحمة**" سے اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے۔

امام مالکؒ کی ''موطا'' کو جب خلیفہ ہارون رشید نے نقل کر کے بلاد مسلمین میں بھجوانے اور تمام مسلمانوں کو اس کے مطابق عمل کا پابند کرنا چاہا تو حضرت امام نے فرمایا: **یا امیرالمومنین! ان اختلاف العلماء رحمة من اللّٰہ تعالیٰ علی ھذہ الامة، کل یتبع ما صح عندہ، وکل علی ھدی، وکل یرید اللّٰہ تعالیٰ**" اھ (**کشف الخفاء ۱/۶۷-۶۸**)

امیرالمؤمنین! علماء کا اختلاف اس امت پر اللہ کی رحمت ہے، ہر شخص (علماء حق کے اقوال میں سے) جس کو صحیح سمجھے گا اس کی اتباع کرے گا سبھی لوگ ہدایت پر ہیں اور ہر ایک کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

امت اور اس کے علماء کے درمیان جب اختلاف ہوتا ہے تو اللہ اگر رحم فرماتا ہے تو لوگ آپس میں اس اختلاف کو گوارا کرتے ہیں اور کوئی کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے، جیسا کہ حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں صحابہ کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف ہوا اور ہر ایک نے اس کو گوارا کیا، کسی نے کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کی اور "**الا من رحم ربک**" کے مصداق ہوئے؛ اور اگر اللہ کا رحم ان پر نہیں ہوتا تو اس اختلاف میں وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر قولاً وعملاً ظلم وزیادتی کرتے ہیں، لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق وتکفیر کرتے

ہیں، جس سے وہ اختلاف مذموم ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے متعلق فرمایا:

''وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ''

(آل عمران ۹)

قابل مذمت یہ بات ہے کہ اس اختلاف کو باہمی تحزب، چپقلش اور ایک دوسرے کی کردار کشی کا ذریعہ بنالیا جائے، یہ ایسی پرخار وادی ہے جس میں بسا اوقات علماء وصلحاء تک کے دامن الجھ جاتے ہیں، ایسے ہی کچھ حالات آزادی وتقسیم ہند کے موقع پر ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان رونما ہوئے جو پیش نظر کتاب کی تالیف کا محرک بنے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات کو اللہ کی نشانی ہی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے یہاں مختلف افکار ونظریات کی حامل شخصیات میں فرق مراتب کے ساتھ ہر ایک کی حق شناسی وشایان شان اکرام ولحاظ پایا جاتا تھا، اور متعلقین کو بھی اسی خوبی کا خوگر بنانے کی کوشش ہوتی تھی، اس کا ایک مظہر پیش نظر کتاب ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' یا ''اسلامی سیاست'' ہے، ہر مکتب فکر کے اہل علم اور سرکردہ حضرات نے اس کتاب کو پسند کیا ہے، مثلاً حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب گرامی (بمورخہ ۱۶ر نومبر ۱۹۴۰ء) میں لکھتے ہیں:

''رسالہ مراتب الرجال جب تک ختم نہ کرلیا کوئی کام نہ کرسکا، اس درجہ طبیعت مسرور ہوئی کہ بیان نہیں کرسکتا، بے اختیار دل سے دعا نکلی کہ حق تعالیٰ آں عزیز کی عمر میں، علم میں، عمل میں، احوال ومراتب میں بے پایاں ترقیات وبرکات نصیب فرمائے، ماشاء اللہ خوب ہی حق ادا کیا ہے، بار بار خلجان ہوتا اور دل چاہتا تھا کہ اس مبحث میں کچھ لکھوں، مگر حق یہ ہے کہ میں اس کا عشر بھی نہ لکھ سکتا تھا ''فَجَزَاکَ اللّٰهُ عَنِّیْ وَعَنْ سَائِرِ الْاُمَّةِ الْمَرْحُوْمَةِ'' (فہرست تالیفات شیخ ۱/ ۱۱۸)

مولانا شمس تبریز خان استاذ ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' نے کتاب کا تعارف بجا طور پر یوں کرایا ہے:

''دیکھنے میں تو یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے، مگر درحقیقت اسلامی سیاست، اختلافات میں اسلامی روش، افراد وجماعتوں کے باہمی تعلقات کی توضیح، اسلام کے معاشرتی نظام کے خط وخال، ملت اسلام کے عروج وزوال کے اسباب جیسے بہت سے اہم مباحث اس میں

بڑے مؤثر پیرایہ میں جمع کردیئے گئے ہیں، جوعوام وخواص سب کے لئے یکساں افادیت رکھتے ہیں اور بحیثیت مجموعی یہ کتاب اصابت رائے، ذہنی وفکری توازن واعتدال اور دینی رہنمائی کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے ایک رہ نما کتاب کی حیثیت رکھتی ہے"۔ (فہرست ۱/۱۲۵)

حضرت شیخ نے اس کتاب میں آیات، احادیث اور آثار صحابہ سے بکثرت استدلال فرمایا ہے، ضرورت تھی کہ ان احادیث وآثار کی کتب حدیث سے تخریج کر کے ان کی اسنادی حیثیت کی بھی وضاحت کردی جائے اور جدید طرز طباعت سے مزین کر کے کتاب منظر عام پر لائی جائے تاکہ اس کی افادیت مزید بڑھ جائے، چناں چہ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند کے فضلاء (سال ۱۴۲۷ھ) میں مولانا محمد جاوید سہارنپوری اور مولانا اشرف علی اعظمی نے اپنی ذاتی دلچسپی ومحنت سے یہ کام انجام دیا، اور ماشاءاللہ بخوبی انجام دیا، جس کی وجہ سے کتاب کی استنادی حیثیت خوب اجاگر ہوگئی، اللہ تعالیٰ ان عزیزان کی محنت کو قبول فرمائے اور اسی طرح مستقبل میں مزید تحقیقی کام کرتے رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

نعمت اللہ غفرلہ
عبداللہ معروفی

خادم
شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند ۱۵/محرم ۲۸ھ

کچھ تحقیق وتخریج کے بارے میں

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی تصانیف کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں موقع بموقع مختلف مناسبتوں سے احادیث وآثار بکثرت ملتے ہیں، چناں چہ ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' یا ''اسلامی سیاست'' (جو درحقیقت حضرت کا اپنے ایک قریبی شاگرد کے، کچھ خاص قسم کے مسائل میں حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کے باہمی اختلافات اور امت مسلمہ کی بڑھتی ہوئی دینی ودنیوی بدحالی سے متعلق کچھ شبہات کے جواب میں ایک خط ہے، اور جسکی ضخامت بھی کوئی زیادہ نہیں ہے) تقریباً ۳۶۲ر مرفوع احادیث اور ۱۰۰ر آثار صحابہ وتابعین پر مشتمل ہے، اگرچہ حضرت شیخ جیسے مستند، محقق اور وسیع النظر عالم کے کسی حدیث یا اثر کو نقل کرنے کے بعد اس کی اصل معلوم کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہ جاتی، تاہم موجودہ دور کے تقاضوں کے پیش نظر جب کہ کوئی معمولی سی بات بھی اس وقت تک قابل قبول نہیں سمجھی جاتی جب تک کہ اس کا تفصیلی حوالہ نہ دے گیا ہو، ضرورت تھی کہ ان احادیث وآثار کی تخریج کرنے کے ساتھ، ان کی استنادی حیثیت کو واضح کر دیا جائے اور کتاب سے استفادے کو عام اور سہل بنانے کے لئے عناوین، پیرگرافوں اور ضروری حد تک رموزِ اوقاف کے اہتمام کے ساتھ، کتاب کو جدید طرزِ طباعت کی تمام خوبیوں سے مزین کر کے پیش کیا جائے۔

الحمد للہ تخریج وتحقیق کا یہ کام شروع کیا گیا اور ''شعبۂ تخصص فی الحدیث'' کی ہمہ جہت مصروفیات کے باوجود چھ مہینے کی قلیل مدت میں خدا کے فضل وکرم سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، کتاب پر جو کام کیا گیا ہے ذیل میں اجمالی طور پر اس کو پیش کیا جاتا ہے:

۱- احادیث مرفوعہ میں کوشش یہ رہی ہے کہ حدیث کے اہم اور مشہور مصادر سے استیعاب کے ساتھ حدیث کی تخریج کی جائے، البتہ حدیث کے ''صحیحین'' (بخاری ومسلم) دونوں یا ان میں سے کسی ایک میں مل جانے کی صورت میں دیگر کتب حدیث سے تخریج کا التزام نہیں کیا گیا، ایسے مواقع میں صرف صحیحین یا دونوں میں سے جس میں مطلوبہ حدیث ملی اسی سے تخریج پر اکتفا کیا گیا ہے، (اس لئے کہ حضرات محدثین کی تصریح کے مطابق صحیحین کی تمام احادیث ''صحیح'' ہیں)

۲- ''صحیحین'' کے بعد ''سنن اربعہ'' (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) کی طرف رجوع کیا گیا ہے، سنن اربعہ میں حدیث کے مل جانے کی صورت میں عموماً ''مسند احمد'' کے علاوہ کسی دوسری کتاب کی طرف رجوع نہیں کیا گیا، صرف سنن اربعہ اور ''مسند احمد'' سے تخریج پر اکتفا کیا گیا ہے، البتہ اگر کوئی ضرورت متقاضی ہوئی، یا بلا قصد دوسری کتاب میں حدیث مل گئی تو ایسی صورت میں دوسری کتاب سے بھی حدیث کی تخریج کردی گئی ہے۔

۳- اگر ''صحیحین'' اور سنن اربعہ میں حدیث نہ مل سکی تو پھر عام کتب حدیث سے حدیث کی تخریج کا التزام کیا گیا ہے۔

۴- ائمہ فن کی تصریحات کی روشنی میں، زیر تخریج حدیث کا درجہ متعین کرنے کی امکانی حد تک کوشش کی گئی ہے، اور ناقدین حدیث: امام ترمذی، حافظ منذری، حافظ بوصیری، حافظ ہیثمی، علامہ سیوطی اور علامہ مناوی وغیرہم کے اقوال سے استفادے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، اور جن احادیث کے متعلق اکابر محدثین کی کوئی تصریح نہ مل سکی، ان میں کہیں تو صرف تخریج پر اکتفا کیا گیا ہے اور کہیں کتب جرح وتعدیل بالخصوص ''تقریب التہذیب'' کی مدد سے حدیث کی اسنادی حیثیت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

۵- آثار صحابہ وتابعین کی تخریج میں زیادہ تتبع واستیعاب کا اہتمام نہیں کیا گیا، اگر ایک دو کتابوں میں مطلوبہ اثر مل گیا تو بس انہی سے تخریج پر اکتفا کیا گیا ہے، نیز آثار کا درجہ متعین کرنے کا بھی التزام نہیں کیا گیا، اس لئے کہ حجیت میں آثار کا وہ مقام نہیں ہے جو احادیث مرفوعہ کا ہے۔

۶- اصل کتاب میں عناوین نہیں تھے، البتہ کتاب کے آخر میں عناوین کی ایک فہرست لگی ہوئی ہے جو بظاہر حضرت شیخؒ ہی کی مرتب کردہ ہے، انہی عناوین کو تھوڑی ترمیم کے ساتھ اصل کتاب میں ان کے مقام پر لگا دیا گیا ہے، چند مقامات کے علاوہ کہیں کوئی عنوان اپنی طرف سے نہیں لگایا گیا۔

۷- حضرت شیخؒ نے احادیث وآثار کے علاوہ مختلف کتابوں سے مختلف علماء کے اقوال اور واقعات حوالے کی قید کے ساتھ نقل کئے ہیں، ان کتابوں سے ان اقوال وواقعات کو نکال کر ان کا جلد صفحہ نہیں دیا گیا، اس لئے کہ مطابع کے اختلاف کی وجہ سے ایک ہی کتاب کے صفحات نمبر مختلف ہوتے ہیں، جس کے پیش نظر کسی کتاب کا جلد صفحہ دینا یقیناً ایک ایسا کام ہے جس کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں۔

۸- اصل مضمون میں کہیں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، البتہ کتاب میں ''کے'' کی جگہ ''کی'' کا استعمال کثرت سے تھا اس کو قدیم طرز کتابت پر محمول کر کے صحیح کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۹- ضروری حد تک رموزِ اوقاف لگانے کے ساتھ، جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں پیراگراف رکھ کر کتاب کو جدید طباعت سے آراستہ کر کے زیادہ بہتر، مفید اور عمدہ شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اللہ رب العزت ہماری اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے مشرف فرما کر ہمارے لئے اس کو دارین کی سعادت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

محمد جاوید (بالوی) سہارنپوری
اشرف علی اعظمی
۱۴۲۸/۵/۲۹ھ

گذارش

''الاعتدال فی مراتب الرجال'' یہ ایک طویل وعریض خط ہے، جس کو حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ نے اپنے ایک شاگرد کو مسائل حاضرہ کے متعلق سات سوالوں کا جواب دینے کے لئے شعبان ۱۳۵۷ھ میں تحریر فرمایا تھا، حضرت موصوف نے اس خط میں ہزار ہا احادیث اور بہت سی آیات کا عطر نکال کر رکھ دیا ہے، مجھے یقین ہے کہ جو صاحب اس کو جس قدر پڑھتے جائیں گے اسی قدر اپنی روح میں نشاط محسوس کریں گے، اس مفید خط کا مسودہ اب تک حضرت موصوف کے پاس ہی رہا، اور وقتاً فوقتاً اس میں مناسب ومفید اضافے بھی ہوتے رہے، میں چوں کہ اس خط سے آگاہ تھا اس لئے میں نے بارہا چاہا کہ اس کو طبع کرا کر عامۃ المسلمین کے ہاتھوں تک پہنچا دوں، مگر حضرت موصوف میری اس دلی خواہش کے مخالف اور سخت مخالف تھے، میں جس قدر اصرار کرتا تھا اسی قدر انکار فرمایا جاتا تھا اور ارشاد ہوتا تھا کہ عام اشاعت بے سود ہے، صرف مخصوص متعلقین کو دکھایا جاسکتا ہے، مگر حسن اتفاق کہ گذشتہ سال حضرت اقدس مولانا الشاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کو اس کا علم ہوگیا اور آپ نے اس کو نہایت اہتمام سے حرفاً حرفاً سن کر اس کی طباعت پر زور دیا، ادھر کچھ زمانہ کے بعد رئیس المبلغین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مقیم ''نظام الدین دہلی'' نے بھی اس کو سنا اور طباعت کا تقاضا فرمایا، لہٰذا موصوف کو ان ارشادات گرامی کے بعد انکار کی گنجایش نہیں رہی اور میری دیرینہ تمنا کے پورا ہونے کا وقت آ گیا، کہ میں یہ دل کش اور نفیس ہدیہ مخلصین کی خدمت میں ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' کے نام سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، اصل خط میں عربی عبارت وغیرہ کا ترجمہ نہ تھا، اب طباعت کے وقت حضرت موصوف نے ترجمہ کا اضافہ بھی فرما دیا ہے ان پر کافی جدوجہد سے بھی درخواست کروں گا کہ وہ اطمینان سے غور وتدبر کے ساتھ اس خط کا مطالعہ کریں، مجھے امید ہے کہ اس کو افراط وتفریط سے پاک اور عدل وانصاف کے سانچہ میں ڈھلا ہوا پائیں گے واللہ الموفق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز گرامی قدر!...... **سلمکم اللّٰہ تعالیٰ:**

بعد سلام مسنون! محبت نامہ پہنچا، جس خلوص اور جوش سے تم نے لکھا ہے اس سے اور بھی لطف آیا، اس قسم کے سوالات تو تحریراً تقریراً کثرت سے ہوتے رہتے ہیں؛ مگر اپنی نا اہلی کہوں یا کاہلی، کثرت مشاغل سے تعبیر کروں یا تساہل سے، اکثر سائل کے مناسب مختصر جواب لکھ دیتا ہوں یا کہہ دیتا ہوں، مفصل لکھوں تو کسے کسے لکھوں، لیکن تمہارے خلوص اور دوسری خصوصیات نے مجبور کیا کہ کسی قدر تفصیل سے لکھوں، تم بھی جوش سے علیحدہ ہوکر ذرا غور سے پڑھنا، اور صرف ایک ہی دفعہ نہیں بلکہ بار بار دیکھنا، مکرر کہتا ہوں کہ خالی الذہن ہوکر غور سے پڑھنا سمجھ میں آئے قبول کرنا ورنہ کوئی جبر نہیں، تمہارے سارے طویل مضمون کا خلاصہ جو میں نے سمجھا ہے چند امور ہیں۔

- نمبر۱: حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنی میں باوجود دونوں کے مخلص اور اہل اللہ ہونے کے اتنا شدید اختلاف کیوں ہے؟ کیا مخلصوں اور دینداروں میں بھی ایسا اختلاف ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے؟
- نمبر۲: تیرے نزدیک کون حق پر ہے اور ان مسائل میں تیری کیا رائے ہے؟
- نمبر۳: ہمیں کیا کرنا چاہئے کیا مر رہنا چاہئے، تو کہیں شریک کیوں نہیں ہوتا؟
- نمبر۴: مسلمان تباہ ہوتے جارہے ہیں آخر ان کو کیا کرنا چاہئے؟
- نمبر۵: اغراض آج کل زیادہ کام کررہی ہیں، ہر شخص اپنی اغراض کے پیچھے چل رہا ہے۔
- نمبر۶: علماء کا وقار عمداً گرایا جارہا ہے، بے تکلف سب وشتم کیا جاتا ہے۔
- نمبر۷: علماء کے اختلاف سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔

تمہارے خط کے معظم امور یہ ہیں اور یہ سوالات اکثر وبیشتر تحریراً وتقریراً ہوتے رہتے ہیں؛ اس لئے میں اپنے پریشان خیالات ان امور کے متعلق کسی قدر تفصیل سے لکھتا ہوں، میں یہ نہیں کہتا کہ جو میں لکھ رہا ہوں یہی حق ہے، ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ میرے ناقص خیالات اور امور بالا کے متعلق حسب ذیل ہیں، والعلم عند اللہ۔

جوابِ سوالِ اول

مخلصین کی جماعت میں اختلاف کا ہونا کوئی مستبعد اور دشوار چیز نہیں ہے، ہمیشہ سے

اختلافات ہوتا چلا آیا ہے، اور ہمیشہ رہے گا، کوئی عامی ایسی چیز سے پریشان ہو تو بعید نہیں، مگر تم جیسے سمجھ دار علمی مناسبت رکھنے والے کو اس سے متعجب ہونے اور اس طرح متاثر ہونے کی کوئی وجہ نہیں، میں تو اس چیز میں اتنا ٹھنڈا ہوں کہ لکھ نہیں سکتا۔

شوال میں حدیث کے اسباق کی بسم اللہ ہوتی ہے، اور رجب میں تمت ہوتی ہے، ان دس ماہ میں اسباق کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گذرتا جس میں کم از کم بیس مرتبہ یہ کہنا نہ پڑتا ہو کہ اس مسئلہ میں فلاں امام کا یہ مذہب ہے اور فلاں کا یہ ہے، صحابہ کے یہ مذاہب ہیں تابعین میں یہ اختلاف ہے۔

علماء کا باہمی اختلاف ان کے اخلاص کے منافی نہیں

اگر آپس کا اختلاف ہی اخلاص کے منافی ہوگا تو ہمیں تو بڑی مشکل پیش آجائے گی کہ ان سب حضرات رضی اللہ عنہم ورحمہم اللہ تعالیٰ کو مخلصین کی جماعت سے خدانخواستہ نکالنا پڑ جائے گا، رہا شدید اختلاف ہونا تو میں تو کچھ شدید بھی نہیں سمجھتا، اتنا ہی تو ہے کہ ایک وقتی مسئلہ میں ایک حضرت کی رائے یہ ہے کہ لیگ میں شرکت مسلمانوں کے لئے مفید ہے، کانگریس میں مضر ہے، دوسرے حضرت کی رائے اس کے برعکس ہے۔

اختلاف علماء کی صورت میں کس کا اتباع کیا جائے؟

اب جو شخص خود اہل الرائے ہے حالات کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے قواعد شرعیہ سے واقف ہے اس کو چاہئے کہ جس کو دیانۃً حق پر سمجھتا ہے اس کو اختیار کرے، جو خود اتنی سمجھ نہیں رکھتا اس کو چاہئے کہ ان دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہو دو چار دن قیام کرے یا اگر حالات سے پہلے سے واقف ہو تو پھر اس کی بھی ضرورت نہیں، جونسے حضرت سے عقیدت زیادہ ہو ان کا اتباع کرے، **بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ** اس میں لڑائی کیا بات ہے اور جھگڑا کیا ہے؟ اور میں پوچھتا ہوں کہ آخر ان اکابر کا اختلاف آپ کی نظر میں شدید اختلاف کیوں ہے، کیا یہ اختلاف جنگ جمل* سے بھی بڑھ گیا ہے، جس میں دونوں تلواریں چل رہی تھیں؟ تم ہی تو بتاؤ کہ ان میں سے

* یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک مشہور لڑائی ہے جس میں ایک جانب حضرت علیؓ تھے اور دوسری جانب حضرت عائشہؓ تھیں۔۱۲

کون سے فریق کو مخلصوں کی جماعت سے نکال دو گے اگر حضرت علی کرم اللہ وجہ کا اسم گرامی آئے تو رضی اللہ عنہ کہنا ہے، خلیفہ برحق کہنا ہے، مرجع الأ ولیا کہنا ہے، اور حضرت عائشہؓ کا نام آئے تو رضی اللہ عنہا کہنا ہے، ام المومنین کہنا ہے، اور حضور سید الکونینؐ کی سب سے زیادہ لاڈلی بیوی کہنا ہے اور اختلاف کا حال معلوم ہی ہے کہ جنگ جمل کا نام قیامت تک اس اختلاف کی یاد کو باقی رکھنے والا ہے، سنو! چوں کہ میں تم پر اپنا کافی حق سمجھتا ہوں اس لئے زوردار الفاظ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی دل میں کدورت نہ لانا، اگر خدانخواستہ ایسا کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے ان حضرات کا کچھ نقصان نہیں ہوگا، مجھے تو بعض لوگوں پر جب وہ ان دونوں اکابر میں سے کسی کی شان میں گستاخانہ غیبت اور بے ادبی کرتے ہیں بہت ہی تعجب ہوتا ہے اوران اکابر پر رشک آتا ہے کہ یہ حضرات تو اپنے اپنے دینی علمی عملی کارناموں کیساتھ جن کے ثمرات وہ شب وروز لوٹتے ہیں دوسروں کی نیکیاں بھی سمیٹ رہے ہیں اور یہ بے چارہ غصہ میں یوں کہہ رہا ہے کہ چوں کہ مجھے تم پر غصہ بہت ہی آرہا ہے اس لئے میری عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں بھی تمہیں لیتے جاؤ، کس قدر اپنے اوپر یہ شخص ظلم کرتا ہے کہ غصہ میں اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں ایسے لوگوں کو دے رہا ہے جن سے وہ خفا ہے اور خود فقیر بن رہا ہے اور مجرم بن رہا ہے۔

مفلس حقیقی کون ہے؟

حدیث شریف میں وارد ہے:

”مَا تَعُدُّوْنَ الْمُفلِسَ فِيْكُمْ؟ قُلْنَا مَنْ لاَ مَالَ لَهُ قَالَ لَيْسَ بِذَالِكَ وَلٰكِنَّهُ الَّذِیْ يَأْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ وَيَأْتِیْ قَدْ ظَلَمَ هٰذَا وَشَتَمَ هٰذَا وَاَخَذَ هٰذَا وَلَيْسَ هُنَاكَ دِيْنَارٌ وَلاَ دِرْهَمٌ فَيُعْطَوْنَ مِنْ حَسَنَاتِهِ وَلاَ تَفِیْ فَيُؤْخَذُ مِنْ سَيِّاٰتِهِمْ فَيُطْرَحُ عَلَيْهِ“.[*]

[*] أخرجه مسلم (البر والصلة / باب تحريم الظلم، رقم ۲۵۸۱) والترمذی (القيامة /باب ما جاء فی شأن الحساب والقصاص رقم ۲۴۱۸) عن أبی هريرة رضی الله عنه بلفظ: "أتدرون ما المفلس الخ" وهكذا فی جمع الفوائد (كتاب القيامة /رقم ۹۹۹۱)، وهكذا ياتی من المؤلف رحمه الله (ص:۱۳۷) مترجماً الی الأردية، وأما لفظ "ماتدرون المفلس فيكم" فلم نجده فيما تتبعنا وقال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ مفلس تم لوگ کس کو سمجھتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا جس کے پاس مال نہ ہو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ مفلس نہیں ہے؛ بلکہ حقیقتاً مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نیکیاں لے کر حاضرِ دربار ہو مگر دنیا میں کسی پر ظلم کیا تھا، کسی کو گالیاں دی تھیں، کسی کا مال چھین لیا تھا، قیامت میں روپیہ پیسہ تو ہے ہی نہیں؛ وہاں تو سارے حساب نیکیوں اور گناہوں سے پورے کئے جاتے ہیں، اس لئے ان مظالم کے بدلے میں اس شخص کی نیکیاں ان لوگوں کو دلائی جائیں گی جن پر ظلم کیا تھا، اور ان کو برا بھلا کہا تھا، اور جب اس شخص کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو بہر حال ان کے تو حقوق کو پورا کرنا ہی ہے، اس لئے بقدر ان حقوق کے جس قدر گناہ ان لوگوں کے وزن میں آئیں گے وہ اس پر ڈال دیئے جائیں تو اصل مفلس یہ ہے کہ بہت کچھ کمائی (نماز، روزہ اور دینی کاموں کی) لے کر گیا تھا اور ملا یہ کہ دوسروں کے گناہ بھی سر پڑ گئے۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی تو غیبت کی جاتی ہے، ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور فساق اور کفار کی تعریفیں کی جاتی ہیں، حالاں کہ حدیث میں وارد ہے: **اذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ واهْتَزَّلَهُ الْعَرْشُ**"[*].

جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ ناراض ہوتے ہیں اور عرش تھرانے لگتا ہے، میرا مطلب یہ نہیں کہ کسی کی تعریف نہ کی جائے، یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہے کہ کس شخص کی تعریف کس حد تک اور کن قواعد کے تحت میں جائز ہے اور کس حد تک ناجائز ہے، میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ کسی ایک جانب غلطی ہے تو کیا اس کا مقتضا یہ ہے کہ ان کے سارے دینی کمالات سے آنکھیں پھوڑ لی جائیں؟ شریعت مطہرہ نے ہم لوگوں کو ایک ایک جزاور ایک ایک چیز کی تعلیم دی ہے، ہم لوگ باوجود ادعائے مذہبیت کے اس کی پروا نہیں کرتے، اور دوسری قومیں

[*] أخرجه البيهقي في "الشعب" (باب ۳۴/رقم ۴۸۸۶) من طريق أبي خلف، عن أنس رضي الله عنه، قال المناوي في "فيض القدير"، (۱/۱۴۴) : "وأبو خلف هذا: قال الذهبي: قال يحي: كذاب وَقَالَ أبو حاتم: منكر الحديث وقال الحافظ في الفتح: سنده ضعيف" اهـ

وأخرجه ابن عدي في "الكامل" (ترجمته عقبة بن عبدالله الأصم ۵/۲۷۹) عن بريدة رضي الله عنه، قال العراقي: سنده ضعيف، وفي الميزان: خبر منكر" اهـ فيض القدير (۱/۱۴۴)

وقال الحافظ في "الفتح" (الأدب/باب ما يكره من التمادح ۱۳/۵۸۶): "أخرجه أبويعلى، وابن أبي الدنيا في "الصمت" وفي سنده ضعف" اهـ

ان زریں اصولوں پر عمل کر رہی ہیں اور بڑھ رہی ہیں اور ہم لوگ اپنی مایہ لٹا رہے ہیں، اور نقصان اٹھا رہے ہیں، سنو! میں تسلیم کرتا ہوں کہ کسی ایک جانب غلطی ہے اور ایسی کھلی غلطی ہے کہ تم اس کو قبول کر ہی نہیں سکتے، نہ کرو، کون مجبور کرتا ہے۔

قائل سے قول کو پرکھنے کا ضابطہ

لیکن اس بارہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وصیت سامنے رکھو انہوں نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے اور اللہ ان پر رحمت کرے کس قدر نفیس بات کہی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

''وَاُحَذِّرُکُمْ زَیْغَةَ الْحَکِیْمِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ قَد یَقُوْلُ کَلِمَةَ الضَّلَالَةِ عَلٰی لِسَانِ الْحَکِیْمِ قَدْ یَقُوْلُ الْمُنَافِقُ کَلِمَةَ الْحَقِّ قُلْتُ لِمُعَاذٍ مَا یُدْرِیْنِیْ رَحِمَکَ اللّٰہُ اَنَّ الْحَکِیْمَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَةَ الضَّلَالَةِ وَاَنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَةَ الْحَقِّ قَالَ: بَلٰی! اِجْتَنِبْ مِنْ کَلَامِ الْحَکِیْمِ الْمُشْتَهَرَاتِ الَّتِیْ یُقَالُ مَا هٰذِهٖ وَلَا یَثْنِیَنَّکَ ذٰلِکَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ لَعَلَّهٗ اَنْ یُرَاجِعَ وَتَلَقِّ الْحَقَّ اِذَا سَمِعْتَهٗ فَاِنَّ عَلَی الْحَقِّ نُوْرًا''۔ [*]

(میں تمہیں حکیم کی کجی سے ڈراتا ہوں کہ شیطان کبھی ناحق بات حکیم کی زبان سے کہہ دیتا ہے اور کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے، شاگرد نے عرض کیا: اللہ آپ پر رحم کرے جب ایسا ہے تو مجھے کس طرح معلوم ہوگا کہ حق کیا ہے اور گمراہی کیا ہے، ارشاد فرمایا کہ ہاں حکیم کی ایسی باتوں سے پرہیز کرو جن کے متعلق یہ کہا جائے یہ کیا ہوگیا؟ یہ کیسے کہہ دیا؟ اور اس کا خیال رکھنا کہ حکیم کی یہ باتیں تجھے اس سے روگرداں نہ کر دیں، بہت ممکن ہے کہ وہ رجوع کر لے) اب غور کرو کہ حضرت معاذؓ نے اس ضابطہ اور نصیحت میں کتنے اہم امور ارشاد فرما دیئے ہیں۔

(۱) ہر حق بات کہنے والا حکیم نہیں، کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے اس لئے محض ایک بات کسی کی سن کر اس کا معتقد نہ ہونا چاہئے، ہماری عادت یہ ہے کہ ایک تقریر کسی کی سنی یا ایک مضمون کسی کا پڑھا فوراً اس کے معتقد ہو گئے، ساتویں آسمان پر اس کو پہنچا دیا، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک شخص کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بد دین ہے، فاسق ہے، مگر بات ہماری مرضی

[*] أخرجه ابو داؤد (السنة/ باب من دعا الى السنة، رقم (۴۶۱۱) وأبو نعيم في الحلية (ترجمه معاذ بن جبل ۱/رقم ۷۸۲) من طريق يزيد بن عميرة عن معاذ بن جبل -رضى الله عنه- فى حديث طويل، قال المنذري في مختصره ۴/۲۶۱) هٰذا موقوف. اهـ

کے موافق کہہ رہا ہے تو اس کو اتنا پکا دین دار ثابت کریں گے کہ معاذ اللہ نبوت کے قریب پہنچا دیں گے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق ہم صبح کو زندہ باد کہتے ہیں شام کو مردہ باد کہنے لگتے ہیں۔ **یُصْبِحُ مُؤْمِنًا وَیُمْسِیْ کَافِرًا** سے اگر اس کو تشبیہ دوں تو کیا بے جا ہے۔

(۲) حضرت معاذؓ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ حکیم سے بھی کجی کی بات ہو جاتی ہے اس لئے محض ایک آدھ بات کی وجہ سے غیر معتقد نہیں ہو جانا چاہئے، بلکہ دونوں کے مجموعہ سے یہ اصول معلوم ہوا کہ اول تو آدمی کی حالت کا پورا غور و تعمق سے مطالعہ کرنا چاہئے، اگر وہ اکثر و بیشتر امور میں شریعت مطہرہ کا متبع ہے اور سنت نبویہ کا دل دادہ ہے، تو بیشک وہ قابل اتباع ہے قابل اقتداء ہے، پھر اگر کسی کو اپنی پوری ذمہ دارانہ تحقیق سے کوئی بات اس کی خلاف معلوم ہو تو اس بات کو نہ لینا چاہئے، لیکن اس کی وجہ سے اس حکیم سے علیحدگی اختیار نہ کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ تو رجوع کرے اور تم ہمیشہ کے لئے اس سے چھوٹ ہی جاؤ گے، یہ اجمال ہے حضرت معاذؓ کے ارشاد کا، تفصیل میں غور کے بعد بہت سی گنجائش ہے، اب موجودہ صورت کو جانچو، ہمارا طرز عمل کیا ہے، ایک بات اپنے ذہن میں صحیح سمجھ لی کیسی ہی معمولی سی بات ہو، کتنی ہی جزوی چیز ہو، پھر کسی کا مضمون کسی کی تقریر اس کے موافق دیکھ لی یا سن لی تو اس کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے جاتے ہیں، اس کو سراہا جاتا ہے، اس کی جا و بے جا حمایت کی جاتی ہے، اس میں جو خلاف شرع واقعی باتیں ہوں ان کو معمولی سمجھا جاتا ہے، جو سب سے زیادہ سخت چیز ہے؛ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ جو بات حق ہے اس کو حق کہا جائے، جو غلط ہے اس کو غلط کہا جائے؛ یا کم از کم سکوت کیا جائے، لیکن ہمارا عمل یہ ہے کہ اس شخص کی حمایت میں ان شرعی امور ہی کو سرے سے لغو بتا دیا جاتا ہے جن کی وہ خلاف ورزی کرتا ہے حتی کہ اسلام کے اہم ترین رکن جس کو سیکڑوں احادیث میں کفر و اسلام کا امتیاز بتایا گیا ہے یعنی نماز اس کے متعلق بھی ایسے الفاظ ہماری زبان و قلم سے نکلتے ہیں جن کی نقل سے بھی کوفت ہے، محض اس وجہ سے کہ ہمارا ممدوح نماز نہیں پڑھتا، نماز کے ساتھ استخفاف کا برتاؤ کیا جاتا ہے، اس کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے، اس کے بالمقابل اگر کسی کی کوئی معمولی سی بات اپنی رائے کے خلاف سن لی یا دیکھ لی تو اس کا ہر فعل عیب ہے، جو واقعی خوبیاں اس میں ہیں وہ بھی سراسر مذمت کے قابل سمجھی جاتی ہیں، حالاں کہ شرع اور عقل و فہم کے نزدیک ہر چیز کا ایک مرتبہ ہے جس سے نہ گھٹانا چاہئے نہ بڑھانا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: **"اَنْزِلُوْ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ" کَذَا فِی الْجَامِعِ بِرِوَایَۃ مُسْلِم وَاَبِی دَاؤد عَنْ**

عَائِشَةَ وَرَقَمَ لَهٗ بِالصِّحَّةِ.

ترجمہ: لوگوں کو ان کے مرتبہ میں رکھا کرو (یعنی نہ مرتبہ سے بڑھاؤ نہ گھٹاؤ)
لیکن ہم لوگوں کا عام برتاؤ آج کل یہ ہے کہ ہر چیز میں افراط وتفریط ہے اعتدال کا ذکر نہیں۔

شدتِ اختلاف کے درجات

علاوہ ازیں اگر میں مان بھی لوں کہ ان حضرات میں شدید اختلاف ہے تو یہ بھی سمجھ لینے کی بات ہے کہ اہل حق میں شدید اختلاف کا ہو جانا نہ منقصت ہے نہ شریعت کے خلاف، بلکہ جب کسی امر میں اہل حق کے نزدیک اختلاف ہوگا تو جس درجہ کو وہ امر اور وہ اختلاف ہوگا اسی درجہ کی اس میں شدت بھی ہوگی، مثال کے طور پر سمجھو کہ ایک امر کو کوئی شخص فرض سمجھتا ہے دوسرا حرام کہتا ہے یا ایک شخص واجب سمجھتا ہے دوسرا مکروہ تحریمی تو اس میں آپس میں مخالفت، منازعت، تردید ضروری ہے، یہی چیز ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپس میں قتال تک پر مجبور کیا، ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہے ☠ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ جن کی تحقیق اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کَذَبَ (جھوٹ بولا)۔

گو علماء اس ارشاد کی صحابی کی شان میں ہونے کی وجہ سے توجیہ فرماتے ہیں؛ لیکن ظاہر الفاظ یہی ہیں اس لئے اگر کسی امر حق کی تحقیق میں کوئی لفظ سخت نکل جائے تو اس کی توجیہ ہم کو بھی تو کرنا چاہئے، حدیث کی کتابوں میں سیکڑوں نظیریں اس کی ملیں گی اور یہ حضرات اپنے اس زور وشور میں اس لئے معذور ہیں کہ ان کے پیش نظر: "اَلَا لَا یَمْنَعَنَّ رَجُلاً هَیْبَةُ النَّاسِ أَنْ

💣 أخرجه أبوداؤد (الأدب / باب فی تنزیل الناس منازلهم، رقم ۴۸۴۲) من طریق میمون بن أبی شبیب، عن عائشة رضی الله عنها، وذکره مسلم فی مقدمة صحیحه (ص..) تعلیقًا.

وقال أبوداود: "میمون لم یدرک عائشة" اهـ. وقال المناوی فی "فیض القدیر" (۵۸/۳) : "هو منقطع" اهـ

☠ أخرجه أحمد (۲۱۵/۵) أبوداود (الوتر/ باب فیمن لم یوتر، رقم ۱۴۲۰.) والنسائی(الصلاة / باب المحافظة علی الصلوات الخمس رقم ۴۶۲) من طریق ابن محیریز أن المخدجی رجلاً من بنی کنانة، أخبره أن رجلاً من الأنصار کان بالشام یکنی أبا محمد أخبره: أن الوتر واجب الخ. قال المنذری فی "مختصره" (۴۲۷/۱): قال ابو عمر النمری (ابن عبدالبر): هو حدیث صحیح ثابت اهـ وقوله: کذب أی أخطأ وسماه کذبا لأنه یشبهه فی کونه ضد الصواب، کما أن الکذب ضدا الصدق اهـ

يَّقُوْل بَحَقّ اذا علِمه" (كذا فى جمع الفوائد برواية الترمذي عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ مَرْفُوْعاً)[1].

جیسے ارشادات نبوی بکثرت موجود ہیں، ترجمہ: خبردار کسی کو امرحق کہنے سے لوگوں کی ہیبت نہ روکے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نقل فرما کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا کہ بہت سے امور ہم نے دیکھے اور ہیبت ہمارے لئے مانع ہوگئی۔

نیز مشہور حدیث ہے "مَنْ رَأىٰ مِنكُم مُنكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ"[2].

جو شخص کوئی ناجائز چیز دیکھے اس کو ہاتھ سے بند کردے، ہاتھ سے نہ کرسکے تو زبان سے بند کردے، زبان سے بھی نہ کر سکے تو (کم از کم) دل سے تو اس پر نکیر کرے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے؛ اس قسم کی اور بہت سی نصوص ہیں جن میں سے بعض، میں اپنے رسالہ تبلیغ میں ذکر کر چکا ہوں، یہ ارشادات ان حضرات کو مجبور کرتے ہیں کہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اور جس درجہ کا حق سمجھتے ہیں اس کو اصرار سے بیان فرمائیں اور شائع کریں اور اس کے خلاف پر نکیر کریں اور شدت سے کریں، البتہ یہ ضروری ہے کہ نکیر کرنے والا اس کا اہل ہو کہ نکیر کر سکے، ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا، اس میں نہ تشویش کی کوئی وجہ ہے نہ کوفت کی۔

احقر مؤلف کی تمنا

البتہ میرا بھی دل چاہتا ہے اور تمنا و دعا ہے کہ مسلمان خصوصاً اپنے اکابر ایک نظریہ پر متفق ہو جائیں، اگر چہ اس میں تنگی ضرور ہو جائے گی کہ اختلاف کی وسعت جاتی رہے گی؛ لیکن اور بہت سی مضرتوں سے خلاصی بھی ہو جائے گی، مگر اس کی صورت نہ یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے

[1] أخرجه أحمد (۳/۵، و۴۴ و۴۶، و۵۳، و۸۷، و۹۲) و الترمذي (الفتن /ما أخبر النبى صلى الله عليه وسلم أصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة، (رقم ۲۱۹۱) وابن ماجه الفتنٌ /باب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر، رقم ۴۰۰۷) عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه، وقال الترمذي: "هذا حديث حسن صحيح" اهـ

[2] أخرجه مسلم (الايمان / باب كون النهى عن المنكر من الايمان، رقم ۴۹) وأبوداؤد (الصلاة/ باب الخطبة يوم العيد، رقم ۱۱۴۰) والترمذى (الفتن / باب فى تغيير المنكر باليد الخ رقم ۲۱۷۲) عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه، وقال الترمذي: "هذا حديث حسن صحيح" اهـ

اکابر کو سب وشتم کرے نہ یہ ہے کہ ان کے غیر واقعی عیوب پھیلائے، کہ اس میں نیکی برباد گناہ لازم، بجائے نفع کے صرف نقصان ہے، جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر بھی غور کریں۔ "لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَلاَ لَعَّانٍ وَلاَ فَحَّاشٍ وَلاَ بَذِيٍّ".

دوسری حدیث میں ہے: "سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ".

ایک حدیث میں ہے: "يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ! لاَتُؤَذُوْا الْمُسْلِمِيْنَ وَلاَ تُعَيِّرُوْهُمْ وَلاَتَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَوْرَاتِه وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهِ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ."

اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام کے مدعی ہو اور تمہارے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا ہے تم

أخرجه أحمد (۱/۴۰۵) والترمذی (البر والصلة /باب ما جاء فی اللعنة، رقم ۱۹۷۷) عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه، وقال الترمذي: "هذا حديث حسن غريب" اهـ وفيه: "ولا الفاحش، ولا البذی".

أخرجه البخاری (الأدب /باب ما ينهى من السباب واللعن، رقم ۶۰۴۴) ومسلم (الايمان / باب قول النبی صلی الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق الخ، رقم ۶۴) عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه.

وأخرجه ابن ماجة (الفتن باب /باب سباب المسلم فسوق رقم ۳۹۴۰) عن أبی هريرة رضي الله عنه،

وأخرجه ابن ماجه فی نفس الباب (رقم ۳۹۴۱) والطبرانی فی الكبير (رقم ۳۲۵) عن سعد رضی الله عنه.

وفی الباب: عن جابر والنعمان بن مقرن، وعبدالله بن مغفل رضي الله عنهم، انظر الجامع الصغير للسيوطی (رقم ۴۶۳۳) والمعجم الكبير للطبرانی (۱۷/ رقم ۸۰)

اخرجه الترمذي (الطب/ باب ماجاء فی تعظيم المؤمن، رقم ۲۰۳۲) وابن حبان فی صحيحه (رقم ۵۷۶۳) عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه، وقال الترمذي: "هذا حديث حسن غريب" اهـ

وأخرجه أحمد (۴/ ۴۲۱، و۴۲۴) وأبوداؤد (الأدب/ باب فی الغيبة، رقم ۴۸۸۰) عن أبی برزة الأسلمی رضي الله عنه، قال المنذری فی مختصره (۴/۲۹۲):

فيه سعيد بن عبدالله بن جريج، قال أبوحاتم: مجهول " اهـ ملخصاً.

وفی الباب: عن ثوبان عند أحمد (۵/۲۷۹) وعن البراء بن عازب عند أبی يعلی (رقم ۱۶۷۵) وعن بريدة ابن الحصيب عند الطبرانی فی الكبير (رقم ۱۱۵۵) وعن ابن عباس عند الطبرانی (۱۱۴۴۴) أيضا.

لوگ مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچایا کرو اور ان کو عار نہ دلایا کرو ان کے عیوب کے درپے نہ ہوا کرو جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے درپے ہو جاتا ہے اللہ جل شانہ اس کے عیب کے درپے ہو جاتے ہیں، اور اللہ جل جلالہ جس کے عیب کے درپے ہو جائیں اس کو پردہ کے اندر بھی رسوا فرما دیتے ہیں۔

بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ سمجھ دار اور پکے لوگ جو حالات سے بھی واقف ہوں اور اہل علم بھی ہوں کہ ہر بات کا شرعی درجہ سمجھ سکیں، متحمل مزاج بھی ہوں، جائیں طویل طویل گفتگو کریں، مفصل اور پکے صحیح حالات سنائیں اور ان کی سنیں، انشاء اللہ کسی وقت میں اختلاف رفع ہو جائیگا، اور جو یہ نہ کر سکتے ہوں وہ ان کو معذور سمجھیں اور اپنی تقصیر پر میری طرح سے افسوس کریں، لیکن گالیاں دینا یہ عام مومنوں کو بھی جائز نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو ابھی نقل کیا گیا ہے کہ سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ (مومن کو گالیاں دینا فسق ہے) اس حدیث کو[✱] حضرت عبد اللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، سعد، عبد اللہ بن مغفل، عمرو بن النعمان اور جابر (جامع الصغیر)

اتنے جلیل القدر اور اکابر صحابہ نے نقل کیا ہے، پھر چہ جائے کہ اولیاء اللہ کو گالیاں دینا برا بھلا کہنا کہ اس میں اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے کسی کا کیا نقصان ہے۔

اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنے پر وعید

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں[☠]:

"مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ" (مشکوۃ بخاری وغیرہ)

جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔

تم خود سمجھ لو کہ اللہ جل جلالہ سے لڑائی کر کے دنیا میں کون شخص فلاح پا سکتا ہے اور آخرت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، اور یہ مضمون کئی حدیثوں میں مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف الفاظ سے اس پر متنبہ فرمایا ہے، چناں چہ الفاظ بالا حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بخاری شریف میں نقل کئے گئے ہیں، اس کے علاوہ یہ روایت حضرت عائشہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت معاذؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابوامامہؓ، وہب

[✱] تقدم انظر ص ۲۱، رقم الحاشية: ۲.

[☠] أخرجه البخاري (الرقاق /باب التواضع، رقم ۶۵۰۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

بن منبہ سے بھی نقل کی گئی ہے۔[*]

بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص نے میرے کسی ولی کو ستایا وہ میرے ساتھ لڑائی پر اتر آیا۔[☠]

ایک حدیث میں آیا ہے جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ مقابلہ کے لئے سامنے آتا ہے۔[⚐] (فتح الباری)

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا معاذ کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا کہ میں نے اس (پاک) قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک بات سنی تھی اس کی وجہ سے رو رہا ہوں (مبادا میں کہیں مبتلا ہو جاؤں) میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ تھوڑا سا دکھلاوا بھی شرک ہے اور جو شخص اللہ کے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کے لئے مقابلہ کرتا ہے۔[⚑] (حاکم مستدرک)

ایک حدیث میں آیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل

---

[*] یأتی تخریج أحادیثهم فیما یلی.

[☠] أخرجه أبویعلی فی مسنده (رقم ۷۰۸۷) عن میمونة رضي الله عنها.
قال الهیثمی فی المجمع (۱۰/۲۷۰) "فیه یوسف بن خالد السمتی، وهو کذاب" اهـ

[⚐] اخرجه أحمد (۶/۲۵۶) والطبرانی فی "الأوسط" (رقم ۹۳۵۲) عن عائشة رضي الله عنه، نحوه.

قال الهیثمی فی المجع (۲/۲۴۷) رواه أحمد، وفیه عبدالواحد بن قس، وثقه أبوزرعه والعجلی وابن معین فی احدی الروایات، وضعفه غیره، وبقیة رجاله رجال الصحیح، ورواه الطبرانی فی الأوسط، ورجاله رجال الصحیح خلاشیخه هارون بن کامل" اهـ

وأخرجه الطبرانی فی الأوسط (رقم ۹۰۹) عن أنس رضي الله عنه، مثله، قال الهیثمی فی المجمع (۱۰/۲۷۰): "فیه عمر بن سعید أبوحفص الدمشقی، وهو ضعیف" اهـ

وأخرجه الطبرانی فی الکبیر (رقم ۷۸۸۰) عن أبی أمامة رضی الله عنه، قال الهیثمی فی المجمع (۲/۲۴۸) (۲/۲۴۸): وفیه علی بن زید، وهو ضعیف.

[⚑] أخرجه الحاکم فی المستدرک (۴/۳۲۸): عن زید بن أسلم، عن أبیه، وقال: صحیح الاسناد، ووافقه الذهبی.

وأخرجه ابن ماجه أیضا (الفتن /باب من یرجی له السلامة من الفتن، رقم ۳۹۸۹) وفی إسناده ابن لهیعة، وهوضعیف کما فی زوائد ابن ماجه للبوصیری (ص ۵۱۴).

علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے لڑنے کے لئے مقابلہ میں آتا ہے، میں اپنے اولیاء کی حمایت میں ایسا ناراض ہوتا ہوں جیسے غضبناک شیر۔ (درمنثور)

حضرت وہبؒ سے روایت ہے کہ حضرت داؤد کی کتاب (زبور) میں اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ میری عزت وجلال کی قسم ہے جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے مقابلہ پر اتر آیا ہے۔ (درمنثور ج:۴ص ۱۸۹)

کتنا سخت اندیشہ ناک معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ سے جس کی لڑائی ہو اس کا بھلا ٹھکانا کہاں اور پھر اگر اس کے معاوضہ میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں، ناک کان آنکھ جاتے رہیں تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہرحال ختم ہونے والی ہے اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے؛ لیکن خدانخواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے کسی بددینی میں مبتلا ہوجائے تو کیا ہو، ائمہ نے کہا ہے کہ گناہوں میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو، بجز اس گناہ کے اور سود کھانے کے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور ان لوگوں کے سوءِ خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ)

صاحب مظاہر حق نے بھی لکھا ہے کہ اللہ سے بندہ کی لڑائی دلالت کرتی ہے خاتمہ بد ہونے پر، ایک مسلمان کے لئے خاتمہ بالخیر ہونا انتہائی مرغوب اور لازوال نعمت ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تم ہی سوچو کہ کتنی خطرناک چیز ہوگی۔

شیخ احمد نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ ان حضرات صوفیہ پر انکار کرنا جو سنت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے والے ہوں بالخصوص وہ حضرات جو علم نافع اور عمل صالح رکھتے ہوں اور معارف اور اسرار کے حامل ہوں زہر قاتل ہے اور بڑی ہلاکت ہے، بڑی سخت وعید اس بارہ میں وارد ہوئی ہے اور یہ بڑی خطرناک چیز ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل

* ذکره السيوطي في الدر المنثور (الشورى، الاية ۲۷، ۵/۷۰۴) وجمع الجوامع (رقم ۲۸۷۵۰) عن أنس رضي الله عنه، وعزاه إلى ابن أبي الدنيا في كتاب الأولياء، والحكيم الترمذي في نوادر الأصول (ص ۱۶۲) وابن مردويه، وأبي نعيم في الحلية والبيهقي في الأسماء والصفات، وابن عساكر في تاريخه.

* ذکره السيوطي في الدر المنثور (الاسراء/الآية ۵۵، ۴/۳۴۱) معزواً إلى أحمد.

جلالہ سے اعراض ہے اور وہ امراض سے بھرا ہوا ہے، ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا (معاذ اللہ) اندیشہ ہے، اس کے بعد موصوف نے بہت طویل بحث اس میں کی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے، بہرحال میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو خاص طور سے متوجہ کرتا ہوں اور کرتا رہتا ہوں کہ وہ اللہ والوں سے ذرا بھی دل میں کدورت نہ رکھیں ورنہ مجھ سے تعلق نہ رکھیں، میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ بھی ہمیشہ اس کی خصوصیت سے تاکید فرمایا کرتے تھے۔

آداب اور سنن وفرائض کے ساتھ استخفاف کی سزا

حضرت اقدس بقیۃ السلف حجۃ الخلف شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں **ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ** کے ذیل میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے، کہ ان یہود کو کفر اور انبیاء کے قتل پر جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے انبیاء کی نافرمانی کی اور یہ خصلت نافرمانی کی ان میں آہستہ آہستہ محکم ہوتی گئی اور یہ لوگ گناہوں میں حد سے تجاوز کرتے گئے، یہاں تک کہ ان گناہوں کو بہتر جاننے لگے اور جوان کو گناہوں سے منع کرتا تھا اس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے، رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ انبیاء کو جو گناہوں کے منع کرنے میں مبالغہ کرتے تھے، قتل کرڈالا اور قرآن کی آیات کا صریح انکار کیا، اور یہ گناہ کی نحوست ہوتی ہے کہ آہستہ آہستہ اعتقاد میں بھی فتور پھر تغیر پیدا کر دیتا ہے، اسی وجہ سے علماء ربانی گناہوں کی مداومت سے نہایت ہی تاکید سے منع کرتے ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں اور جو چیز ان سے مانع ہو اس کی برائی دل میں جم جاتی ہے حتی کہ اخر نوبت کفر کے حدود تک پہنچ جاتی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے:

”مَنْ تَهَاوَنَ بِالْاٰدَابِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ السُّنَّةِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالسُّنَّةِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ وَمَنْ تَهَاوَن بِالْفَرَائِضِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْمَعْرِفَةِ“ جو شخص شریعت کے آداب کو خفیف اور ہلکا سمجھتا ہے اس کو سنت سے محرومی کا عذاب دیا جاتا ہے اور جو شخص سنت کو ہلکا اور خفیف سمجھتا ہے اس کو فرائض کی محرومی سے سزا دی جاتی ہے اور جو فرائض کو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ بہت ہی سخت اندیشہ ناک بات ہے، شریعت کے معمولی آداب کو بھی استخفاف اور فضول سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے کہ اس سلسلہ کی ہر کڑی اپنے سے اوپر کی دولت سے محرومی کا سبب بنتی ہے، چہ جائیکہ اہل اللہ کے احترام کو جو اہم آداب میں ہے، اور جب آداب کے ساتھ استخفاف کا سلسلہ فرائض کے استخفاف اور منتہا میں کفر تک پہنچانے والا ہو تو تم

ہی سوچو کہ کتنا خطرناک معاملہ ہے، لوگ معمولی آداب اور معمولی گناہوں کو ہلکا سمجھ کر لاپروائی کرتے ہیں، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ دین کا ہر ہر جز کچھ ایسا آپس میں مرتبط ہے کہ ہر کڑی دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جو قوم کسی بدعت کو اختیار کرتی ہے اللہ جل شانہ ایک سنت ان سے اٹھا لیتے ہیں جو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹتی۔ (مشکوۃ شریف)

حضور کا ارشاد ہے کہ جب اللہ جل شانہ کسی شخص کے ہلاک فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس سے حیا اور شرم کو زائل کر دیتے ہیں، اور جب وہ بے شرم بن جاتا ہے تو اس کو دیکھئے گا کہ وہ غصیارہ اور لوگوں کی نگاہ میں مبغوض بن جائیگا اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس سے امانت زائل ہو جائیگی اور وہ خائن بن جائیگا اور علی الاعلان خیانت کرنے لگے گا اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اسکے دل سے رحمت نکال لی جائے گی اور وہ مخلوق پر شفقت نہ کرے گا اور جب اس درجہ پر پہنچ جائے گا تو لوگوں کے یہاں مردود اور ملعون بن جائے گا اور جب اس درجہ پر پہنچ جائے گا تو تو دیکھے گا کہ اسلام کی رسی اس کے گلے سے نکل جائے گی۔ (جامع الصغیر)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے؛ جو شخص کسی مسلمان کو اذیت پہنچاتا ہے وہ مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے، اور جو مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچاتا ہے۔ (جامع الصغیر)

کتنی سخت بات ہے کہ جب عام مسلمانوں کو یہ حکم ہے تو اللہ والوں کو اذیت پہنچانا جو حقیقی معنوں میں مسلمان ہیں، کتنا سخت ہوگا۔

(أ) اخرجه أحمد (۴/۱۰۵) عن غضيف بن الحارث رضى الله عنه مرفوعاً، مختصراً، قال الهيثمي في المجمع (۱/۱۸۸):

فيه أبوبكر بن عبدالله بن أبي مريم، وهو منكر الحديث" اهـ

وأخرجه الدارمي في سننه (المقدمة/اتباع السنة، رقم ۹۸) عن حسان بن عطية مطولاً موقوفاً عليه.

اخرجه ابن ماجه (الفتن/ذهاب الأمانة، رقم ۴۰۵۴) عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال البوصيرى في "الزوائد" (ص ۵۲۳): "هذا اسناد ضعيف لضعف سعيد بن سنان، والاختلاف في اسمه" اهـ

أخرجه الطبراني في "الأوسط" (رقم ۳۶۰۷) عن أنس رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (۲/۱۷۹): فيه القاسم بن مطيب، قال ابن حبان، كان يخطئ كثيرا فاستحق الترك" اهـ

قلنا: قال الحافظ في التقريب: "فيه لين"

وفيه موسى بن خلف العمى أيضا، قال الحافظ في التقريب: صدوق عابد، له اوهام" فالحديث حسن، ولذا رقم له السيوطي في الجامع الصغير (رقم ۸۲۶۹) بالحسن.

اہل اللہ پر اعتراض

علامہ شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ امام ابوتراب بخشی جو مشائخ صوفیہ میں ہیں یہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہ سے اعراض کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نامانوس ہو جاتا ہے تو وہ اہل اللہ پر اعتراض کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ نیکاں برد

شیخ ابوالحسن شاذلی جو اکابر صوفیہ اور مشہور ائمہ تصوف میں ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کو جھگڑالو لوگوں کے ساتھ ہمیشہ سے ابتلاء رہا ہے؛ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اولیاء کا اعتقاد تو ظاہر کرتے ہیں، لیکن خاص خاص اللہ والوں کی نسبت یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ یہ ولی کیسے ہو سکتے ہیں حالاں کہ جو شخص خود ولایت سے ناواقف ہے وہ کیسے کسی کی ولایت کا انکار کر سکتا ہے، شیخ نے آگے چل کر ان اسباب کو مفصل ذکر فرمایا ہے جو مشائخ پر انکار کا ذریعہ بنتے ہیں، منجملہ ان کے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ بعض مشائخ لوگوں کی نگاہ سے اس وجہ سے مستور ہوتے ہیں کہ وہ امراء اور اغنیاء سے ملتے جلتے ہیں اور ان لوگوں کو اس اعتراض کا موقع ملتا ہے کہ اگر یہ اللہ کے ولی ہوتے تو یکسوئی کے ساتھ کونے میں بیٹھ کر علم وعبادت میں مشغول ہوتے، لیکن وہ معترض اگر اپنے دین کی حفاظت کرتا تو یہ بھی غور کرتا کہ یہ امراء سے ملنے والا شخص اپنی ذات کے لئے مل رہا ہے یا کسی دینی غرض اور دینی منفعت کے لئے یا مسلمانوں کی کسی بہبود کے لئے اور ان سے کسی مضرت کے رفع کرنے کے لئے مل رہا ہے حالاں کہ بسا اوقات ایسی مصالح کی بنا پر ان لوگوں سے ملنا واجب ہو جاتا ہے اور ان سے علاحدگی اختیار کرنا حرام بن جاتا ہے۔ (طبقات)

اہل اللہ کبھی انتقام بھی لیتے ہیں اور اس کی مصلحت

یہاں ایک بات اور بھی سمجھ لو کہ اہل اللہ بعض مرتبہ اپنے برا بھلا کہنے والے سے انتقام لے لیتے ہیں اور یہ چیز ظاہر بینوں کے لئے حجاب کا سبب بن جاتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی عوام کی طرح جذبات سے مشتعل ہو جاتے ہیں حالاں کہ بعض اوقات یہ بڑی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ (حضرت مجدد صاحب

کے والد) شیخ عبدالاحدؒ کی شان میں کسی عورت نے گستاخی کی انہوں نے صبر وسکوت فرمایا، اتنے میں دیکھا کہ غیرت الٰہی جوش انتقام میں ہے شیخ نے فوراً ایک شخص سے جو اس وقت موجود تھا کہا کہ اس عورت کے ایک تھپڑ مارے اس کو تردد ہوا، ادھر وہ عورت گر کر مر گئی، اس قسم کے واقعات مشائخ کے حالات میں کثرت سے ملتے ہیں اور میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ میرے نزدیک تو اس نوع کی سزا کسی دینی مصیبت میں ابتلاء سے بہت سہل ہے۔

حضرت شیخ علی خواصؒ جو مشہور اولیاء میں ہیں فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس چیز سے نہایت محفوظ رکھنا کہ کسی ایسے شخص کی بات پر کان دھرو جو علماء یا مشائخ صوفیہ پر (بلا کسی شرعی وجہ کے) اعتراض کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے تم اللہ جل شانہ کی نگاہ حفاظت سے گر جاؤ گے، اور اللہ کی ناراضی اور غصہ کے سزاوار ہو گے۔ (طبقات کبریٰ)

اہل اللہ سے محبت اور حدیث المرأ مع من أحب

شیخ ابوالفوارس شاہ بن شجاع کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت سے زیادہ افضل کوئی عبادت نہیں ہے کہ ان کی محبت اللہ جل شانہ کی محبت کی علامت ہے (نزہۃ البساتین) اس لئے تمہیں خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ والوں سے جتنی محبت اور تعلق پیدا کر سکو اس میں ذرا کمی نہ کرنا، امید ہے کہ میری یہ نصیحت قبول کرو گے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کا شمار اور حشر ان لوگوں کی ساتھ ہوتا ہے جن سے وہ محبت رکھتا ہے، ایک صحابی نے حضرت اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے؛ لیکن (اعمال کے اعتبار سے یا ملاقات کے اعتبار سے) ان تک نہیں پہنچ سکتا حضور نے ارشاد فرمایا کہ آدمی انہیں لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن سے محبت رکھتا ہے۔[*]

[*] أخرجه البخاری (الأدب /علامة الحب فی اللّٰه، رقم ۶۱۶۸، و۶۱۶۹) ومسلم (الأدب/ المرء مع من أحب رقم ۲۶۴۰) عن عبداللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه، وزاد البخاری: أبا موسیٰ الأشعری رضي اللّٰه عنه، أیضا.

دوسری حدیث میں ہے ایک صحابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تونے قیامت کے واسطے کیا تیار کر رکھا ہے۔ (کہ انتظار واشتیاق میں ہے) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کے سوا کچھ تیار نہیں کر رکھا ہے کہ اللہ سے اور اسکے رسول سے مجھے محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو اس حدیث کے سننے سے جتنی مسرت اور خوشی ہوئی کسی چیز سے نہیں ہوئی۔ (مشکوۃ شریف)

اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام حضورؐ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اس لئے جتنی بھی خوشی ان حضرات کو ہوئی ہو قرین قیاس ہے، میں ان حضرات کی محبت کے چند قصے اپنے رسالہ حکایات صحابہ میں نمونے کے طور پر لکھ چکا ہوں اس کو بھی ایک نظر ضرور دیکھو اس سے اندازہ ہوگا کہ دین پر مرمٹنا کیا ہوتا ہے اور ان حضرات کو حضورؐ سے کتنی محبت تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی اپنے دوست کے مذہب اور دین پر ہوتا ہے لہٰذا خود ہی دیکھ لے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔

(مشکوۃ شریف)

یہ مضمون احادیث میں مختلف عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے جس میں اللہ والوں کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنا اور بے دین لوگوں سے علیحدگی اور اجتناب کرنا اہتمام سے ارشاد فرمایا گیا ہے، اہل اللہ سے جتنا تعلق اور محبت پیدا ہو سکے وہ اکسیر ہے دونوں جہان میں کام آنے والی چیز ہے۔

دست در دامن مرداں زن واندیشہ مکن
ہر کہ بانوح نشیند چہ غم از طوفانش

اہل اللہ سے جتنی بھی محبت پیدا کرسکو دریغ نہ کرنا اور بے دین لوگوں سے جتنا بھی ممکن ہو احتراز کرنا اور یکسو رہنا۔

أخرجه البخاری (المناقب /فضائل عمر، رقم ۳۶۸۸) ومسلم (الأدب/المر مع من أحب رقم ۲۶۳۹) عن أنس رضي الله عنه.

أخرجه أبوداؤد (الأدب /من يؤمر ان يجالس، رقم ۴۸۳۳) والترمذی (الزهد/ الرجل علی دين خليله، رقم ۲۳۷۸) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وقال الترمذي: "هذا حديث غريب" اهـ وقال النووی: "إسناده صحيح" اهـ انظر المشكاة (ص ۴۲۷) ط: الهند.

حضرت لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے کہ بیٹا جاہل کی دوستی میں کبھی رغبت نہ کرنا کہ تیرے تعلق سے وہ اپنی حرکتوں کو تیری نگاہ میں اچھا سمجھنے لگے اور حکیم کی ناراضی کو ہلکا نہ سمجھنا کہ وہ اس وجہ سے تجھ سے اعراض کرنے لگے۔ (درمنثور ۵/ ۳۶۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صالح اور بہتر ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک والا ہو کہ اگر اس سے مشک نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو تو پہنچے ہی گی، اور برے ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھٹی کا دھونکنے والا ہو کہ (اگر کوئی چنگاری وغیرہ گر گئی) تو بدن جلا دے گی یا کپڑے جلا دیگی اور (اگر چنگاری نہ بھی اڑے) تو اس کا دھواں اور بو تو پہنچے ہی گی۔

بخاری مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔

حضرت لقمان حکیم کی نصیحت ہے کہ بیٹا صلحاء کی مجلس میں بیٹھا کر؛ اس سے تو بھلائی کو پہنچے گا اور ان پر رحمت نازل ہوگی تو تو اس میں شریک ہوگا، اور بروں کی صحبت میں کبھی نہ بیٹھنا کہ اس سے بھلائی کی توقع نہیں، اور کسی وقت ان پر کوئی آفت نازل ہوئی تو تو بھی شریک ہو جائے گا۔

(درمنثور ۵/ ۲۶۴)

اس لئے بری صحبت کے اثرات سے بہت احتراز کرنا چاہئے، اور اللہ والوں کی صحبت اور ان کے پاس بیٹھنے کو اکسیر سمجھنا چاہئے، ان کی صحبت نیک اعمال کی ترقی کا سبب ہوتی ہے۔

قابل صحبت مؤمن کا معیار

البتہ جیسے ہر چیز میں اصلی و نقلی کا امتیاز کیا جاتا ہے، سچ اور جھوٹ کو پرکھا جاتا ہے یہاں بھی فریب اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

ذکره السيوطي في الدر المنثور (لقمان/ الآية: ۱۲ و۱۳، ۵/ ۳۱۵) معزواً الى أحمد في "الزهد" عن أبي عثمان الجعدی رجل من أهل البصرة.

أخرجه البخاری (البيوع/ العطار وبيع السمک، رقم ۲۱۰۱) ومسلم (الأدب/ استحباب مجالسة الصالحين، رقم ۲۶۲۸) وأحمد (۴/ ۴۰۴-۴۰۵) عن أبي موسى الأشعری رضي الله عنه.

ذكره السيوطي في الدرالمنثور (لقمان /الاية: ۱۲، ۱۳، ۵/ ۳۱۶-۳۱۷) معزوا إلى أحمد عن معاوية بن قرة.

مغالطے سے برے کو بھلا سمجھ کر پھنس جانا زیادہ نقصان دہ ہے، اور اس کا معیار شریعت مقدسہ کا عمل ہے کہ جس شخص کے عقائد درست ہوں، شرک و بدعت میں مبتلا نہ ہو، نماز، روزہ اور شریعت کے سب احکام کا پابند ہو، وہ نیک ہے، شریعت کے خلاف چل کر کوئی شخص نیک نہیں ہوسکتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ بن جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں''۔ (مشکوۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کی صورت دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو، جن کی بات سے علم میں ترقی ہوتی ہو، جن کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہو''۔ (جامع الصغیر ورقم لہ بالصحۃ)

اس لئے محبت اور تعلق رکھنے کے لئے یہ شرط تو ضروری ہے کہ اسکے دینی حالات معلوم ہوں اور شریعت کے موافق اس کا ہونا محقق ہو جائے، لیکن جس شخص کا حال معلوم نہیں، نہ یہ معلوم کہ وہ شریعت کے موافق ہے یا مخالف اس سے تعلق نہ رکھنا چاہئے، البتہ محض سنی سنائی باتوں سے اس پر کوئی حکم لگا دینا یا برا بھلا کہنا بے جا ہے، حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیٹا اگر تو اس پر قادر ہو کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ ہو تو اس کو اختیار کر، یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو پسند کرتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرا رفیق اور ساتھی ہے۔ (مشکوۃ)

أخرجه الخطيب في تاريخه (ترجمة أحمد بن محمد الاسفرائيني، ۵/۱۳۳) والبغوى في شرح السنة (الايمان/ رد البدع والاهواء، ۱/۱۰۴) عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه.

وذكره على المتقى الهندى فى كنز العمال (رقم ۱۰۸۰) معزوا إلى الحكيم الترمذي، وأبى نصر السجزى فى الابانة، وقال السجزى: "حسن غريب" اهـ وقال النووى فى "أربعينه": "هذا حديث صحيح، رويناه فى كتاب الحجة باسناد صحيح" اهـ انظر المشكاة (ص ۳۰) وقال الحافظ ابن حجر فى الفتح (الاعتصام بالكتاب والسنة/باب ۷، ۱۳/۳۵۸) بعد ذكره من حديث أبى هريرة:

أخرجه الحسن بن سفيان وغيره، ورجاله ثقات، وقد صححه النووى فى آخر "الأربعين" اهـ

ذكره السيوطى فى "الجامع الصغير" (رقم ۳۹۹۵) معزواً إلى الحكيم الترمذي، عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه، ورقم له بالصحة، وأقره المناوى فى فيض القدير (۳/۴۶۸) وقال: "ورواه العسكرى من حديث ابن عباس" اهـ

اخرجه الترمذي (العلم/ الأخذ بالسنة، واجتناب البدعة، رقم ۲۶۷۸) عن أنس رضي الله عنه، وقال: "هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه" اهـ

سوال (۱)

تیرے نزدیک کون حق پر ہے؟
اوران مسائل میں تیری کیا رائے ہے؟

جواب (۲)

میرے خیال میں تمہارا یہ سوال اس قدر مہمل ہے کہ جواب کے قابل بھی نہ تھا اللہ کے بندے اتنا تو سوچا ہوتا کہ ان حضرات کا علم وفضل، زہد وتقویٰ، دیانت وتبحر، اللہ کا خوف اللہ سے تعلق، دینی اشتغال، دینی تصلب؛ کونسی چیز ایسی ہے جس کے پاسنگ میں بھی میں اپنے کو رکھ دوں، ایسی صورت میں میرا منہ یا میرے قلم میں یہ طاقت ہے کہ ان اکابر میں محاکمہ کروں؟۔

دوشخصوں کے درمیان محاکمہ کی صورت

دوآدمیوں کے درمیان محاکمہ جب ہی ہوسکتا ہے جب محاکمہ کرنے والا ان میں محاکمہ کرنے کی پوری اہلیت رکھتا ہو اور پھر دونوں کی پوری پوری سنے اور سننے کے بعد ان کے کلام کا وزن دیکھے، ہرایک کے اشکال کا دوسرے سے جواب مانگے اور پھر جواب الجواب اوراس ساری تحقیقات کے بعد پھر دیکھے کہ کس کی بات وزنی ہے، پھر کوئی رائے قائم کرسکتا ہے، اب تم خود اندازہ کرلو کہ اول تو میری حیثیت ہرگز ایسی نہیں کہ ان حضرات سے مساویانہ گفتگو کرسکوں اور اگر بفرض محال ان کے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر ایسا ہو بھی جائے تو پھر کیا میری یہ بھی حیثیت ہے کہ میں اس میں توازن قائم کروں، میری حیثیت یہ ہے کہ میری پختہ رائے کے بعد بھی اگر یہ حضرات کسی بات کو فرمادیں کہ یہ غلط ہے تو مجھے اس کو قبول کرنا چاہئے، چہ جائیکہ اس پر نقد وتبصرہ۔

کسی چیز پرلب کشائی کے لئے
اس کے مالہ وماعلیہ پر عبور ضروری ہے

مجھے حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل، دواخبار پڑھ لئے یا ایک مہمل مضمون کسی اخبار میں لکھ دیا اوران لوگوں پر تنقید شروع کردیتے ہیں جو علم کے سمندر پیے

ہوئے ہیں، ہمیشہ یادرکھو، کسی پرتنقید کرنے اور رد کرنے کے واسطے اس کی بات کی حقیقت اس کے دلائل کی قوت معلوم ہونا ضروری ہے، یہ انتہائی حماقت ہے کہ بغیر بات سمجھے اناپ شناپ ہانکنا شروع کردے، ہم لوگوں کی مثال اس بندر کی سی ہے کہ ایک ادرک کی گرہ کہیں سے اٹھالی اور اپنے آپ کو پنساری سمجھنے لگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں اِعْجَابُ کُلِّ ذِیْ رَایٍٔ بِرَأْیِہٖ بھی ارشاد فرمایا ہے۔

(ہر ذی رائے کا اپنی رائے کو سب سے اچھا سمجھنا) جس کا آج کل ظہور عَلَی الْوَجْهِ الْاِتَمّ ہورہا ہے، ہر شخص یہی سمجھتا ہے ہمچو من دیگرے نیست کہ جو میری سمجھ میں آگیا ہے وہی حق ہے، چاہے کوئی بڑا کچھ کہے یا چھوٹا، عالم کہے یا مدبر۔

غور تو کرو کہ حضرت اقدس حکیم الامۃ ادام اللہ ظلال برکاتہ ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل عالم فاضل ہوئے اسکے بعد سے آج ۱۳۵۷ھ تک درس تدریس، قال اللہ قال الرسول، استفادہ وافادہ باطنی میں انہماک، یہ نصف صدی سے زیادہ زمانہ فقہ اور اصول قرآن اور حدیث کے غور وخوض اور افہام وتفہیم میں گذر گیا، جس مبارک ہستی کا اتنا وسیع وقت علوم کے تدبر میں گذرا ہو، نکات قرآنیہ اور دقائق فقہیہ میں اتنی مدت گذری ہو اس کی نظر ایسی چیز ہے جس کو بے دھڑک ہر آدمی لغو اور غلط کہ دے۔

اسی طرح امیر الہند حضرت مدنیؒ ۱۳۱۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے اور آج تک کا سارا زمانہ درس وتدریس استفادہ اور افادۂ باطنی میں گذرا، سالہا سال حضرت شیخ الہندؒ جیسے محقق تبحر کے زیرِ سایہ علوم ظاہریہ وباطنیہ میں مہارت حاصل کی اور پھر عمر کا اکثر حصہ سیاسی مناظر اور قید وبند وبیرون ہند کے تجربات میں گذرا، کیا یہ ہستیاں ایسی ہیں کہ ہر کہ ومہ ان کی دقیق نظروں کا مقابلہ کرنے لگے اور بے دھڑک ان پر رائے زنی شروع کردے، اور پھر بالخصوص مجھ جیسا کوتاہ نظر جو ابھی طفل مکتب ہو اور ''کے آمدی کے پیر شدی'' کا مصداق ہو، میں تو جب ان حضرات اکابر کے نام اشتہارات اور اخبارات میں کھلے خط دیکھتا ہوں، محو حیرت ہوجاتا ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوگئی

أخرجه أبوداود (الملاحم/ الأمر والنهی، رقم ۴۳۴۱) والترمذی (التفسیر/ المائدة، رقم ۳۰۸۵) وابن ماجه (الفتن/ قوله تعالیٰ: "یا أیها الذین آمنوا علیکم انفسکم"، رقم ۴۰۱۴) عن أبي ثعلبة الخشني رضي الله عنه، وقال الترمذي: "هذا حديث حسن غريب" اهـ

ہے، عالم میں کیسا انقلاب رونما ہوگیا ہے، اکابر کا احترام بالکل جاتا رہا ہے، پھر اگر اہل علم اپنے علم کی روشنی میں ان کے خلاف کوئی بات کہیں تب بھی ایک درجہ میں گنجائش ہوسکتی ہے، مگر وہ اہل قلم جن کا منتہائے علم ایک اخبار کا مضمون لکھ دینا ہے یا ایک شستہ تقریر کردینا ہے ایسے بے جا الفاظ سے رد کرتے ہیں جو اپنے سے چھوٹوں کے لئے بھی استعمال کرنا ناموزوں ہے، ان باتوں کو دیکھ کر میرے استعجاب کی انتہا نہیں رہتی۔

میری ایک نصیحت بہت غور سے سنو، ہمیشہ ایسی چیزوں پر لب کشائی کرو جس کے پورے مالہ وما علیہ پر عبور ہو، البتہ کسی شرعی منصوص کے خلاف کوئی چیز ہو تو اس میں کسی کی بھی رعایت نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کوئی قول معتبر نہیں، بلکہ فقہاء سلف کے منصوص اقوال کے خلاف بھی مقلد کے لئے کوئی گنجائش نہیں، لیکن جہاں مسئلہ استنباط سے تعلق رکھتا ہو نصوص شرعیہ ہر ایک کے ساتھ ہوں وہاں جلدی سے دخل در معقولات کرکے فوراً محاکمہ کردینا حماقت ہے میں تم کو بڑے زور سے روکتا ہوں کہ اہل حق پر انکار کرنے میں کبھی بھی جلدی نہ کرنا بہت غور وفکر اور تدبر کے بعد لب کشائی کرنا، جہاں تک ممکن ہو اس سے گریز کرنا۔

ہدایت اور گمراہی کے اعتبار سے امور کی تین قسمیں ہیں

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جن کو عمر ثانی کہا جاتا ہے انہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی لڑائی میں کس قدر بہترین فیصلہ کیا "تِلْکَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ اَيْدِيْنَا مِنْهَا فَلَا نُلَوِّثُ اَلْسِنَتَنَا بِهَا۔

ترجمہ: ان خونوں سے اللہ جل شانہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو پھر ہم اپنی زبان کو کیوں ان سے آلودہ کریں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اعلیٰ وارفع ہے دوسروں کو ان پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے تو میں کہوں گا کہ وہاں لب کشائی سے بچنے والے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں، جو جلیل القدر تابعی ہیں؛ خضر اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہما السلام کا قصہ مشہور ومعروف ہے، قرآن پاک میں مفصل مذکور ہے، متعدد احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ جل شانہ حضرت موسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) پر رحم فرمائیں اگر وہ

مرقاۃ المفاتیح شرح المشکاۃ (الفتن/ الفصل الثانی، ۱۰/ ۱۳۱) ط: اشرفی دیوبند

سکوت کرتے تو اور بھی عجائبات حضرت خضر کے کارناموں کے معلوم ہوتے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ امور تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن کا رشد (ہدایت) ہونا کھلا ہوا ہو ان کا اتباع کرو، دوسرے وہ امور ہیں جن کا گمراہی ہونا کھلا ہوا ہو ان سے اجتناب کرو، تیسرے وہ ہیں جن میں اختلاف ہو ان کو ان کے عالم کے حوالہ کرو۔

رواه الطبراني ورجاله موثوقون كذا في مجمع الزوائد.

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص فتویٰ دینے پر زیادہ جری ہے وہ جہنم پر زیادہ جری ہے۔ (دارمی) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر استفتا کا جواب دے وہ مجنون ہے۔ (دارمی)

مقصود یہ ہے کہ بہت سے استفتے فضول مد میں کئے جاتے ہیں، جیسا کہ آج کل عام دستور ہے کہ استفتا سے مقصود عمل کم ہوتا ہے، کسی کو رسوا کرنا کسی کے خلاف سازش کرنا ہوتا ہے، اس لئے اس چیز میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے، نیز بسا اوقات مسئلہ میں اشتباہ بھی ہوتا ہے، ایسی صورت میں خواہ مخواہ فتویٰ دینا بھی جرأت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حلال کھلا ہوا ہے حرام کھلا ہوا ہے، ان دونوں کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں جن میں احتیاط کے پہلو کو اختیار کرنا چاہئے۔

أخرجه البخاری (العلم/مایستحب للعالم اذا سئل الخ، رقم ۱۲۲) ومسلم (الفضائل/من فضائل الخضر، رقم ۲۳۸۰) عن أبي بن كعب رضي الله عنه.

أخرجه الطبرانی فی الکبیر (رقم ۱۰۷۷۴) عن ابن عباس رضي الله عنهما.

مجمع الزوائد (۱/۱۵۷)

أخرجه الدارمی فی السنن (المقدمة/ الفتیا ومافیه من الشدة، رقم ۱۵۷) عن عبیدالله بن جعفر مرسلاً وانظر فیض القدیر (۱/۱۵۸، ۱۵۹)

أخرجه الدارمی (المقدمة /الذی یفتی الناس فی کل ما یستفی، رقم ۱۷۱) عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه موقوفاً علیه.

أخرجه أحمد (۴/۲۶۷، و ۲۷۱) والبخاری (الایمان/فضل من استبرأ لدینه، رقم ۵۲) ومسلم (البیوع/أخذ الحلال وترک الشبهات، رقم ۱۵۹۹) عن النعمان بن بشیر رضي الله عنه.

وفی الباب: عن ابن عباس رضي الله عنهما عند الطبرانی في الكبير (رقم ۱۰۸۲۴) وعن عمار بن یاسر رضي الله عند أبي یعلی (رقم ۱۶۵۳) وعن ابن عمر رضي الله عنهما عند الطبرانی في الأوسط (رقم ۲۸۶۸).

نا اہلوں کو ذمہ دار بنانا علاماتِ قیامت میں سے ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
اِذَا وُسِدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرُوْا السَّاعَةَ جب امور نا اہلوں کے سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ (اشاعۃ بروایۃ البخاری)

اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ محقق علماء کے درمیان میں جاہل لوگ محاکمہ شروع کر دیں نیز دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے لوگوں سے علم کا تلاش کرنا بھی علامات قیامت میں شمار فرمایا ہے۔

میرا مقصود ان سب آثار وروایات سے یہ ہے کہ جو چیزیں استنباط سے تعلق رکھتی ہیں کوئی نص شرعی تصریح سے ان کو متناول نہیں ان میں اہل حق کی تردید میں جلدی کرنا ہرگز مناسب نہیں، بالخصوص چھوٹوں کو لب کشائی کرنا بہت ہی زیادہ بے محل ہے، ہاں جو شخص علمی حیثیت سے برابر کا ہو اس کو یقیناً حق ہے کہ بے تامل رد کرے، البتہ کوئی چیز صراحۃً نصوص کے خلاف ہو تو اس میں یقیناً "لاَ طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ".

(اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں) صاف اور واضح اعلان ہے۔

مقاصد کے اختلاف سے حکم بدل جاتا ہے

اب غور سے سنو کہ مسائل حاضرہ میں اصل مدار اسلام اور مسلمانوں کی منفعت پر ہے اور اس کلیہ کے تحت میں تقریباً تمام جزئیات حاضرہ داخل ہیں۔ اس میں حسب قواعد شرعیہ "اَلْاُمُوْرُ

أخرجه البخاری (العلم/ من سئل علما، وهو مشتغل في حديثه الخ ، رقم ۵۹) عن ابی هريرة رضي الله عنه.

أخرجه الطبرانی في الكبير (۲۲/رقم ۹۰۸) وفي الأوسط (رقم ۵۹) عن أبي هريرة رضي الله عنه.
قال الهيثمی في المجمع (۱/۱۳۵): "فيه ابن لهيعة، وهو ضعيف" اهـ

هذا حديث مرفوع، أخرجه ابن أبي شيبة (السير /امام السرية يأمر بالمعصية، رقم ۳۳۷۰۶) عن الحسن مرسلاً مثله، وأخرجه أحمد (۱/۱۳۱) والبخاری (أخبار الآحاد/ اجازة خبر الواحد، رقم ۷۲۵۷) ومسلم (الامارة/ايجاب طاعة الأمراء في غير المعصية، رقم ۱۸۴۰) في حديث طويل نحوه.

بِمَقَاصِدِهَا وَالشَّیُٔ الْوَاحِدُ یَتَّصِفُ بِالْحِلِّ وَالْحُرْمَةِ بِاِعْتِبَارِ مَا قُصِدَ لَهٗ" (مقصد کے اعتبار سے امور کا اعتبار ہوتا ہے، ایک ہی شیٔ مقصد کے اختلاف کے اعتبار سے حلال وحرام کے ساتھ متصف ہوسکتی ہے) "یُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخاصُّ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَامٍ" (خصوصی نقصان عمومی نقصان کے مقابلہ میں قابل برداشت ہے) "مَنِ ابْتُلِیَ بِبَلِیَّتَیْنِ فَلْیَخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا" (جو دو مصیبتوں میں گرفتار ہو وہ کم درجہ مصیبت کو اختیار کرے) "اِذَا اجْتَمَعَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ غُلِّبَ الْحَرَامُ" (جس چیز میں حلال وحرام دونوں شامل ہوجائیں تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے) وغیرہ وغیرہ ایسے قواعد کلیہ ہیں کہ ان کے تحت میں جزئیات کا داخل کرنا اوران سے جزئیات کا استنباط کرنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں ہے، وہی ان قواعد سے جزئیات کا جواز وعدم جواز نکال سکتا ہے جو قواعد شرعیہ سے پورا واقف ہو اور جو شخص نصوص شرعیہ وقواعد فقہیہ سے واقف نہ ہو وہ محض کسی آیت کا ترجمہ دیکھ کر یا حدیث کا ترجمہ دیکھ کر فتاویٰ جاری کرنے لگے تو اس سے زیادہ بد دینی کیا ہوگی، انہیں قواعد کے تحت میں موجودہ اختلاف بھی ہے کہ ایک مشترک مقصد یعنی اسلام کی اور مسلمانوں کی منفعت اوران کو مضرت دینی سے بچانا دنوں حضرات کا مشترک مقصد ہے اور ہونا بھی ضروری ہے کہ ادنیٰ سا مسلمان بھی اس کو گوارا نہیں کرسکتا کہ اسلام کو یا مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچے چہ جائیکہ اولیاء اللہ اور محقق علماء کے متعلق اس قسم کی بدگمانی کی جائے یہ کتنی سخت خطرناک غلطی ہوگی، اس کے بعد اس مقصد کے حصول کے اس وقت دو راستے ہیں اور دونوں خطرات سے خالی نہیں ہیں اوراس میں کسی کو بھی انکار نہیں ہے، اب زیر بحث مسئلہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ کس طریقہ میں مضرت زیادہ ہے کس میں کم ہے، کونسی مضرت قابل تحمل ہے کونسی مضرت ناقابل برداشت ہے، کونسا نقصان عام ہے اور کونسا خاص ہے؟ اس کی مثال بعینہٖ ان دو ڈرائیوروں کی سی ہے جن کو مثلاً مکہ مکرمہ جانا ہے اور موٹروں کوان کچے راستوں سے لے جانا ہے جن میں دلدلیں ضرور ہیں، لٹیروں کا ملنا بھی یقینی ہے، خطرات بھی لازمی ہیں، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کونسا راستہ ایسا ہے جس میں خطرات کم ہیں اور کونسا ایسا ہے جس میں خطرات زیادہ ہیں، کونسے راستے پر چل کر پہنچ جانے کا غلبہ ظن ہے، اور کس راستے سے جانے سے دلدل میں پھنس کر راستہ میں ایسے پھنس جانے کا خطرہ ہے کہ "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کا مصداق بن جائے، کس راستہ میں یہ خطرہ ہے کہ کوئی مقامی حکومت قافلہ کوایسا گرفتار کرلے کہ نہ واپس آنے دے نہ آگے جانے دے، ایسی صورت میں اگر دو ڈرائیوروں میں راستہ کے بارہ میں اختلاف ہو اور ہر

ایک کے نزدیک ایک راستہ پر سے جانے میں منزل مقصود تک پہنچ جانے کا غلبہ ظن ہو اور دوسرے میں خطرہ یقینی اور قطعی ہو تو اس میں کیا تو الزام ہے ڈرائیوروں پر اور کیا ذمہ داری ہے اس کی کہ جس راستہ پر وہ لے جانا چاہتے ہیں اس میں کوئی خطرہ نہیں یا منزل مقصود تک پہنچنا یقینی ہے، ایسی حالت میں تم ہی سوچو کہ ڈرائیور راستوں کے خطرات کی اصلاح کی فکر میں ہوں، دن رات اسی سوچ میں گھلے جاتے ہوں کہ قافلہ کو کس طرح منزل مقصود تک پہنچا دیں وہ قابل شکر گذاری ہیں یا قابل ملامت ودشنام ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ان کی جو اعانت ممکن سے ممکن ہو کی جائے، یا اس کے قابل ہیں جو مشکلات ان کے راستہ میں حائل کی جاسکتی ہوں ان سے دریغ نہ کیا جائے اور ایسے مسافر جو اپنے رہبروں کے انتظامات میں مشکلات حائل کرتے ہیں وہ اپنے اور اپنے بھائیوں کے اور اپنی قوم کے دینیات کو خطرہ میں ڈالتے ہیں یا انکو کوئی نفع پہنچاتے ہیں؟ میں پھر وہی کہوں گا کہ جس شخص کو اپنی بصیرت سے اپنے تجربہ سے کسی ایک جانب خطرہ کم معلوم ہوتا ہے وہ اس راستہ پر ضرور چلے، لیکن یہ کدھر کا انصاف ہے کہ دوسرے ماہر تجربہ کاروں کو سب وشتم کرے یا ان کو ستائے۔

تقسیم اور عدم تقسیم ہند کے بارے میں اکابر کے دو الگ الگ نظریئے

تمہیں معلوم ہے کہ ہندوستان میں سیاسی دو نظریے تقریباً پچاس برس سے چل رہے ہیں، ایک یہ کہ مسلمان اقلیت میں ہیں، ان کو ہندوستان میں سیاسی جدوجہد دوسری اقوام کے ساتھ مل کر کرنا ضروری ہے، ورنہ اکثریت کے خلاف رہ کر کسی سعی کا مثمر ہونا مشکل ہے، گو اس اتحاد میں کچھ تسامح بھی کرنا پڑے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ہنود کی تنگ نظری سے ان کے ساتھ ملنے میں مقصد تک پہنچنے سے قبل ہی بہت سے دینی اور دنیاوی نقصانات برداشت کرنا پڑیں گے، اور مقصد تک پہنچنا یقینی نہیں ایسی صورت میں مسلمانوں کو اپنی علیحدہ مستقل جدوجہد کرنا ضروری ہے، میرے اکابران نظریوں میں ہمیشہ مختلف رہے ہیں اور اب تک ہیں، دونوں نظریئے اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں کسی ایک کو بھی قطعی طور پر غلط نہیں کہا جاسکتا، ایسی صورت میں کیا ضروری نہیں کہ جس کے نزدیک جو چیز اہم ہو، جس صورت میں نقصان کم ہو اس کو اختیار کرے اور اپنے دوستوں کو بھی

ضرور مشورہ دے کہ اس راستہ پر چلنا مفید و مناسب ہے اور دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ بین بین نکل سکتا ہو تو اسکو اختیار کر لے، بشرطیکہ کوئی رہبر کوئی ڈرائیور ساتھ ہو، کوئی راستہ پر چلانے والا ہمراہ ہو، مجھے حیرت ہے کہ ہم لوگ ذرا سے اختلاف سے کتنا مشتعل ہو جاتے ہیں، اور پھر ایسے لوگوں کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبیاں شروع کر دیتے ہیں جن کو ہم اپنا مقتدا اپنا رہبر مانتے ہیں اور جس قوم کے مقتداؤں کا یہ حال ہو جو ہم لوگ اپنی تحریروں اور تقریروں میں لکھتے اور کہتے ہیں تو مقتدیوں کا حال خود ظاہر ہے، ایسی صورت میں ہم صرف ان اکابر ہی کی شان میں گستاخی نہیں کرتے بلکہ اپنی نا اہلیت اور نالائقی کا بھی ڈنکا بجاتے ہیں۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جو اوصاف جمیلہ کبھی مسلمانوں کی شایان شان تھے وہ آج دوسرے لوگ اختیار کر رہے ہیں، اور مسلمان ان کو چھوڑتے جاتے ہیں، آج دوسری قوموں میں باوجود شدید اختلافات کے آپس میں اتحاد ہے اتفاق ہے، ایک کو دوسرے کی رائے کی باوجود مخالفت کے وقعت ہے، وہ اندر خانہ اور درپردہ بلکہ علی الاعلان مخفی مشورے بھی آپس میں کر لیتے ہیں اور ہم لوگ کسی بڑے کا اتباع اور اس کی حمایت یا اس کی جماعت میں ہونا اس کو سمجھتے ہیں کہ اس کی مخالف جماعت سے برسر پیکار رہیں، اس کی توہین و تذلیل کے درپے رہیں، گو اس میں خود ہمارا نقصان ہو جائے، ہماری بدنامی ہو جائے مگر دل ٹھنڈا جب ہی ہوگا جب دوسری جماعت کی کوئی رسوائی ہوگی، اس کا کوئی عیب طشت از بام ہوگا۔

خیر القرون اور اسلاف کا ذکر نہیں میں نے قریب ہی زمانہ کے اپنے خاندانی بزرگوں کے قصے کثرت سے سنے ہیں کہ آپس میں جائیدادی قصوں میں مقدمہ بازی ہے مگر کیرانہ تحصیل میں جو کاندھلہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے اکثر دونوں فریق ایک ہی بہل میں چلے جاتے تھے، جس فریق نے اپنی بہل جڑوالی دوسرا بھی اسی میں چلا گیا، انہی واقعات کے سلسلے میں ایک عجیب بات سنی ہے کہ دو عزیزوں میں طویل مقدمہ بازی تھی، ایک عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا اسی دوران میں مدعا علیہ کا انتقال ہو گیا، مدعی نے مرحوم کی اہلیہ کے پاس کہلا کر بھیجا کہ میری لڑائی بھائی سے تھی تم جیسے ان کی چھوٹی تھیں میری بھی چھوٹی ہو تم سے کوئی جھگڑا نہیں کاغذات ارسال ہیں جو تم طے کر دو گی اور تجویز کر لو گی وہی مجھے منظور ہے، اسی صدی کا قصہ ہے اور دنیا داروں کا واقعہ ہے، کیا آج کل دین دار کہلانے والے بھی ایسا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں، کیا اچھا ہوتا کہ ہم لوگوں کی مساعی بجائے تخریب کے تعمیر میں خرچ ہوتیں۔

جواب۳

(س) ہمیں کیا کرنا چاہئے، کیا مر رہنا چاہئے، تو کہیں شریک کیوں نہیں ہوتا؟

(ج) مر رہنا تو قبضہ کی بات نہیں ہے موت کا ایک وقت معین ہے وہ نہ اس سے پہلے آسکتی ہے نہ موخر ہوسکتی ہے اور خودکشی حرام ہے کہ اس سے دنیا کے ساتھ آخرت بھی تباہ ہے، ایسے بیہودہ الفاظ زبان سے نکالنا بھی نہ چاہئیں، دنیا کی زندگی بہت تھوڑی ہے آدمی کو اس میں کوئی دین کا کام ضرور ہی کرنا چاہئے اور اصل یہ ہے کہ صرف دین ہی کے لئے آدمی پیدا کیا گیا ہے اگر آدمی دین کے کسی کام میں نہ لگے تو اس میں اور چوپایوں میں کیا فرق ہے محض کھانے پینے میں تو حیوانات ہم سے بڑھے ہوئے ہیں، بہرحال اس سوال کے دو جز ہیں، ایک میری ذات کے متعلق دوسرا تمہارے متعلق، اور یہ دوسرا جز دو نوع کو شامل ہے، ایک طلبہ کے متعلق دوسرا عوام کے، اس لحاظ سے تین جز سوال کے ہوگئے۔

(الف) میری ذات کے متعلق یہ صحیح ہے کہ میں حتی الوسع اس کی کوشش کرتا ہوں کہ کہیں بھی شریک نہ ہوں، مگر میں اس کو خوبی نہیں سمجھتا بلکہ اپنا ضعف اور اپنی نااہلیت سمجھتا ہوں اس لئے یہ چیز قابل التفات نہیں اور اسی وجہ سے جو مجھے برا کہے میں سمجھتا ہوں کہ صحیح کہہ رہا ہے، اس میں زیادہ دخل میری طبعی وحشت کو بھی ہے، ہر شخص کا ابتدائی نشو ونما جس طریقہ پر ہوتا ہے وہ اس کی تقریباً فطرت بن جاتا ہے اسی وجہ سے اکابر کی خواہش ہمیشہ یہی رہا کرتی ہے کہ بچوں کو ابتدا ہی سے دین اور دینیات کے ساتھ وابستہ کیا جائے تاکہ دین کا اہتمام ان کی طبیعت بن جائے، اسی وجہ سے شریعت مطہرہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم کرو اور دس برس کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارو۔[*]

میری ابتدائی تربیت جن اصول کے ماتحت ہوئی ہے وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ برس کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی نہ بلا معیت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا چچا جان کے کہیں جانے

[*] أخرجه أبوداؤد (الصلاة/متى يؤمر الغلام بالصلاة، رقم ۴۹۴) والترمذی (الصلوٰۃ /متي يؤمر الصبی بالصلاۃ رقم ۴۰۷) عن عبدالملك بن الربيع بن سبرة، عن أبيه، عن جده رضي الله عنه، وقال الترمذي: "حسن صحيح" اهـ

وأخرجه أبوداود في الموضع المذكور (رقم ۴۹۵) عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده رضي الله عنه.

کی اجازت تھی، حتیٰ کہ مدرسہ کی جماعت میں سبق بھی ان دو حضرات کے علاوہ کسی مدرس سے پڑھنے کی اجازت نہ تھی، اور اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں اپنے اور اپنے اکابر کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں بھی بلا والد صاحب یا چچا جان کے ساتھ ہوئے بیٹھ سکوں کہ مبادا میں سبق کی جماعت میں یا حضرت کی مجلس میں کسی پاس بیٹھنے والے سے کوئی بات کرلوں، مجھے دو تین آدمیوں کے سوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی، تنہا مکان جانے کی اجازت نہ تھی یہاں تک کہ جماعت کی نماز میں بھی مخصوص حضرات کی زیر نگرانی شرکت کرتا تھا، اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں، تو الف لیلہ ولیلۃ بن جائے کہ کسقدر تشدد مجھ پر رہا اور کس قدرت سخت سخت مجرم قیدیوں کی سی زندگی گذری مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اسکے فضل نے مجھ کو نباہنے کی توفیق عطا فرمائی جس کی برکات میں اب دنیا ہی میں پا رہا ہوں، مثال کے طور پر ایک قصہ لکھتا ہوں کہ ایک مرتبہ میرا نیا جوتہ مدرسہ میں سے کسی نے اٹھا لیا تو تقریباً چھ ماہ تک مجھے دوسرا جوتہ خریدنے کی ضرورت نہیں ہوئی، کیوں کہ اس مدت میں مجھے مدرسہ سے باہر قدم نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی، مدرسہ ہی کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا اور مدرسہ کے بیت الخلاء میں ایک دو جوتے جو کسی کے پرانے ہوجاتے ہیں، وہ ڈال دیتا ہے جو اب تک بھی دستور ہے اس وجہ سے مجھے کسی ضرورت کے واسطے بھی مدرسہ کے دروازہ سے نہ تو باہر قدم رکھنا پڑا نہ جوتے کی ضرورت ہوئی، اس قسم کے سیکڑوں واقعات گذرے ہیں، اس کا اثر یہ ہے کہ اب مجھے مجمع سے وحشت ہے، کسی مجمع میں مجھے جانا میرے لئے انتہائی مجاہدہ ہے حتیٰ کہ اپنے کمرہ میں اگر تنہا ہوں اور کمرہ کی زنجیر کھلی ہوئی ہو تو اس کی بہ نسبت مجھے اس میں زیادہ لطف اور سکون ہوتا ہے کہ اندر کی زنجیر لگی ہو، بھلا ایسا وحشی شخص کیا کہیں شریک ہو، جلسہ جلوس کی خصوصیت نہیں ہے مجھے تقریبات میں بھی شرکت سے وحشت ہوتی ہے ہر نوع کے مجمعوں کی شرکت میرے لئے دقت کا سبب ہے۔

قفس دانیم و بس راہ چمن از ما چہ می پرسی کہ پیش از بال و پر برداشتند از آشیاں مارا

اس کے علاوہ ایک عارضہ یہ بھی پیش آگیا کہ جلسوں میں مقررین حضرات تقاریر کے زور میں ایسے اونچے اونچے لفظ فرما دیتے ہیں کہ ان پر سکوت شرعاً مشکل معلوم ہوتا ہے اور بولنے سے اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی ہے اور جلسہ میں گڑبڑ پیدا ہوتی ہے، حضرات مقررین کی تقریر ہی جب موثر ہوتی ہے جب وہ جوش میں ان کہنی بھی کہہ جائیں، اور مجھے جیسے وہمی کو ہر چیز پر یہ سوچ کہ یہ کہنا جائز تھا یا نہیں۔

اَنَا تَئِقٌ وَاَنْتَ مَئِقٌ فَكَيْفَ نَتَّفِقُ چند سال ہوئے ایک جلسہ میں یہاں سہارنپور میں ہی شرکت کی نوبت آئی، مقرر صاحب نے ایک بات ایسی ہی فرمادی جو صریح غلط تھی، ہمارے ناظم صاحب سے نہ رہا گیا فوراً ٹوک دیا، انہوں نے گرانی سے قبول کرلیا اور کہہ دیا کہ یہ مولانا صاحب یوں فرماتے ہیں اسکے بعد پھر کچھ اور کہہ دیا، حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کے صاحبزادہ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم بھی شریک جلسہ تھے دوبارہ انہوں نے ٹوک دیا، وہ صاحب اچھا اچھا فرماکر آگے چلدیئے، تھوڑی دیر میں ایک اور صاحب نے جن کا میں نام نہیں لکھتا ٹوک دیا، مقرر صاحب کو اس قدر غصہ آیا کہ تقریر ہی بند کردی کہنے لگے کہ آپ لوگ یہ چاہتے ہی نہیں کہ میں تقریر کروں اس کے ساتھ ہی جلسہ میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، آدھے آدمی اِدھر آدھے آدمی اُدھر، ہر شخص مستقل اہل الرائے اور اہل فتویٰ، کوئی مقرر کا حامی کوئی ناقدین کا طرف دار، آخر جلسہ تکدر سے ختم ہوگیا، اسی کے قریب قریب اور بھی چند واقعات تو خود مجھے پیش آچکے ہیں کہ جلسوں میں شرکت سے ڈر لگتا ہے۔

متفق علیہ کارِ خیر کی ترجیح

تیسری بات یہ ہے کہ میں جس کام میں لگ رہا ہوں اس کا سراسر دین اور متفق علیہ کارِ خیر ہونا یقینی ہے، خدا کرے کہ یہ "ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" اور "رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الْجُوْعِ وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهْرُ".

یہ سورہ کہف کے اخیر رکوع کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے، پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گذری ہوئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں۔

یہ ایک حدیث ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں جن کو روزہ سے بجز بھوکا رہنے کے کوئی نفع نہیں اور بہت سے رات کو عبادت کرنے والے ایسے ہیں جن کو رات بھر عبادت میں کھڑے رہنے سے جاگنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔

أخرجه أحمد (۲/۳۷۳، و ۴۴۱) وابن ماجه (الصوم/ الغيبة والرفث للصائم، رقم ۱۶۹۰) والحاكم في المستدرك (۱/۴۳۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وقال الحاكم: "صحيح على شرط الشيخين" ووافقه الذهبي.

کے ذیل میں نہ ہو، مجھے اپنی بداعمالیوں سے یہ اندیشہ ضرور ہے کہ "کَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ لِيُقَالَ: اِنَّكَ عَالِمٌ فَقَدْ قِيْلَ"
نہ بن جائے؛ لیکن "لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" کے بھروسہ لگ رہا ہوں مگر کام یقیناً سراسر خیر ہے اور اہل حق میں سے کسی کو بھی اس کے خیر ہونے میں تردد نہیں ہے ایسی صورت میں کسی دوسرے مشغلہ میں لگنا اس کے حرج کا یقینی سبب ہے۔

دنیا کے ہر کام میں اہل فن ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے

لوگ کہتے ہیں کہ آخر حضرت مدنیؒ بھی دونوں کام کرتے ہیں، میں کہتا ہوں بیشک کرتے ہیں مگر مجھے اس میں حضرت مدنی کی حرص کرنا سراسر حماقت ہے، بھلا جس شخص کے یہاں سفر حضر برابر ہو، دن رات یکساں ہو، نہ اس کو راحت کی ضرورت ہو، نہ تکان پاس پھٹکتا ہو اس کی کوئی کیا حرص کرسکتا ہے؛ ان کا تو یہ حال ہے کہ حجاز سے سفر شروع کریں اور کراچی سے اتر کر سیدھے دو شب وروز ریل میں گذار کر پانچ بجے صبح دیوبند پہنچیں اور چھ بجے بخاری شریف کا سبق پڑھا دیں

یہ بھی ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہوگا ان میں ایک تو شہید ہوگا جس کو بلا کر اللہ کی نعمتیں جو دنیا میں اس پر ہوئی تھیں یاد دلا کر پوچھا جائے گا کہ ہماری ان نعمتوں کے ماحول میں تونے کیا کارگذاری کی وہ کہے گا کہ میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا حتی کہ شہید ہوگیا، حکم ہوگا کہ یہ ہمارے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ لوگ کہیں بڑا بہادر تھا کہ جان کی بازی لگادی چناں چہ لوگوں نے کہہ دیا اور جس نیت سے کیا تھا وہ مل گیا اس کو حکم ہوگا کہ جہنم میں پھینک دیا جاوے، پھر ایک عالم بلایا جاوے گا اس کو بھی اسی طرح اللہ کی نعمتیں جتائی جائیں گی اور سوال ہوگا کہ ان نعمتوں میں کیا کارگذاری کی تھی وہ کہے گا کہ میں نے علم پڑھا اور پڑھایا سب آپ کے لئے کیا ارشاد ہوگا جھوٹ ہے یہ سب اس لئے کیا تھا کہ لوگ کہیں بڑا عالم ہے پس لوگوں نے کہہ دیا اور مقصود پورا ہوگیا اس کو بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا، پھر ایک مالدار بلایا جائے گا جس کو ہر قسم کی دولت اللہ نے دی تھی اس سے بھی اسی طرح سوال ہوگا وہ کہے گا کہ میں نے کوئی خیر کا موقع ایسا نہیں چھوڑا جس میں صدقہ نہ کیا ہو، ارشاد ہوگا کہ یہ سب اس لئے تھا کہ لوگ کہیں بڑا سخی ہے سو کہہ دیا گیا اس کو بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مشکوۃ)

هذا حديث طويل يأتي في ص۵۸ أخرجه مسلم (الامارة/ من قاتل للرياء، والسمعة استحق النار، رقم ۱۹۰۵) والنسائي (الجهاد/ من قاتل ليقال: فلان جرى، رقم ۳۱۳۹) عن أبي هريرة رضي الله عنه

یہ قرآن پاک کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے جو سورۂ زمر کے چھٹے رکوع کے شروع میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (گناہ کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو بالیقین حق تعالیٰ شانہ گناہوں کو (توبہ سے اور اپنے فضل سے) بخش دیں گے وہ تو بڑے ہی بخشنے والے اور رحم والے ہیں۔

جیسا کہ اس آخری سفر حج میں پیش آیا وہ مسلسل پندرہ دن تک روزانہ کئی سو میل کا سفر کریں اور کئی کئی تقریریں کر دیں جیسا کہ گذشتہ سال ہوا، ابھی دو ایک برس کا قصہ ہے کہ سہارنپور میں سیرت پر ایک ہفتہ شب کی گاڑی سے آنا، عشاء کے بعد سے ایک بجے تک تقریر کرنا اور تین بجے بلا کسی کے جگائے اٹھ کر ریل پر چل دینا اور صبح کو سبق پڑھانا جس میں مسلسل تین چار گھنٹہ تقریر فرمانا، اس کے بالمقابل میری حالت یہ کہ میرا منتہائے سفر اکثر دہلی ہوتا ہے، جانے سے ایک دن پہلے سے سہم جاتا ہوں کہ سفر درپیش ہو گیا ہے، اور واپسی کے دو تین دن بعد تک سفر کا خمار اور تعب و تکان رہتا ہے کہ سبق میں دل جمعی نہیں ہوتی تالیف میں دل بستگی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ حضرت مدنی کی ابتدائی مدرسی مدینہ منورہ میں برسوں ایسی جانفشانی سے گذر چکی ہے کہ بعض زمانوں میں مسلسل بارہ تیرہ سبق روزانہ پڑھانا اور شب و روز میں صرف دو تین گھنٹہ سونا، باقی اوقات یا سبق یا اس کا مطالعہ جو شخص ایک عرصہ تک اس طرح استعداد کو پختہ کر چکا ہو اس کی حرص کرنا اپنی استعداد کا ناقص کرنا نہیں تو اور کیا ہے، یہ تو علوم کا حال تھا، اب سلوک کی سنو، سب سے پہلا غوطہ تو بحر عشق و معرفت شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے یہاں لگایا اور مدینہ پاک میں مسجد اجابت جیسی بابرکت اور یکسو جگہ میں عرصے تک ضربیں لگائیں، پھر اسکی تکمیل و تخصیص قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کے یہاں ہوئی اور پھر برسوں حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے ظل عاطفت میں مالٹا کی یکسوئی میں اس رنگ کو پکایا ایسے شخص پر کیا تو اغیار کا اثر ہو اور کیا تشتت اس کو مضر ہو اور میری حالت یہ کہ بالکل تنہائی میں بھی یکسوئی نہیں ہوتی۔ ع

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ایسی حالت● میں ان کی حرص کر کے میں غریب کہاں رہوں گا مجھے تو گوشہ یکسوئی میں پڑے رہنے پر بھی تبتل☠ اور دل جمعی نصیب ہو جائے تو غنیمت ہے، کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھول گیا۔ "وَكَيْفَ يُدْرِكُ الظَّالِعُ شَاءَ وَالضَّلِيعِ" یہ میری اپنی حالت ہے، جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ نے ہمت و قوت عطا فرمائی ہے اور وہ ذی استعداد مالک الاوقات ہیں وہ ضرور کریں اور ان کو کرنا چاہئے، ایک ناکارہ و نااہل پر اپنے کو قیاس نہیں کرنا چاہئے۔

● یہ قرآن پاک کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے، جو سورہ مزمل کے پہلے رکوع میں وارد ہوئی وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ) اپنے رب کا نام لیتے ہیں اور سب سے تعلقات منقطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

☠ یہ عربی کی ایک ضرب المثل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لنگڑا (بیل) قوی اور طاقتور (گھوڑے) کی رفتار کیسے چل سکتا ہے۔

طلبہ کیلئے سیاست وغیرہ میں حصہ لینا سمّ قاتل ہے

دوسرا جز طلبہ کے متعلق ہے، میں تو طلبہ کی ہر قسم کی عملی شرکت کو ان کے لئے سم قاتل سمجھتا ہوں، ممکن ہے کہ میرے بعض اکابر میرے اس خیال کی زور شور سے تردید فرمائیں اور بہت ممکن ہے کہ حق بھی وہی ہو جو وہ ارشاد فرمائیں کیوں کہ بہرحال وہ میرے بڑے ہیں اور میری رائے ان کے مقابلہ میں کوئی بھی چیز نہیں، مگر میری ناقص سمجھ میں تو اب تک جتنا غور کرتا ہوں یہی آتا ہے اور بہت سی وجوہ سے میرے خیال خام میں اب تک یہی چیز جمی ہوئی ہے؛ ان میں سے بعض کی جانب تمہیں متوجہ کرتا ہوں۔

(الف) "سَلِ الْمُجَرِّبَ وَلاَ تَسْئَلِ الْحَکِیْم". میں پوچھتا ہوں ایک گہری نظر عالم پر یا کم از کم ہندوستان پر ڈال کر دیکھو کہ آج جتنے حضرات علمی دنیا کے مالک ہیں ان کی طالب علمی کا زمانہ کیسا گذرا ہے، آج وہ خواہ کسی میدان میں گامزن ہوں؛ لیکن علمی مشغلہ والے بالعموم وہی ملیں گے جو طالب علمی کے زمانہ میں انہماک سے اس میں لگے رہے اور جو حضرات اس زمانہ میں کسی دوسری طرف مشغول رہے ہیں آج وہ شہرت میں خواہ کتنے ہی ممتاز ہوں اور علماء کی فہرست میں خواہ کتنے ہی اوپر شمار ہوتے ہوں مگر علمی مشغلہ، علمی تدقیق، فقہ، حدیث پر ان کی نظر بہت ہی پیچھے ملے گی، کسی غیر معمولی فقہی مسئلہ کی ضرورت پیش ہو یا کسی علمی تحقیق وتدقیق کی ضرورت ہو تو ان کا قدم آگے نہیں ملے گا، یہ کچھ دلائل کی بات نہیں ہند کے علماء نظر کے سامنے ہیں، ایک نگاہ غور سے ڈالو پتہ چل جائے گا۔

(ب) ہمارے اکابر اور اکابر کے اکابر ہمیشہ سلوک ان کی جان رہا ہے اور گویا علمی مشغلہ کیساتھ ان حضرات کے یہاں یہ سلسلہ بھی جز ولاینفک کے قبیل سے رہا اور ہے مگر خَلْفًا عَنْ سَلف سب کے سب قاطبۃً طلباء کو بیعت سے انکار ہی فرماتے رہے، حالانکہ ان حضرات کے یہاں یہ جز کتنا ضروری سمجھا جاتا ہے، مگر طلب علم کے اس کو بھی منافی سمجھتے رہے۔

(ج) تجربہ اور سرسری غور سے اصولاً بھی میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ طلباء کا جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونا ایسا نہیں ہے کہ وہ محض وقتی چیز ہو، ہفتوں نہیں تو کئی کئی دن تک ان کا ذکر، تذکرہ، ان پر تبصرہ ان کا حسن وقبح طلباء کی مجالس کا اہم مشغلہ رہتا ہے۔

(د) پھر ان کی اجتماعی زندگی، ایک دار الطلبہ میں ان کا مجموعی قیام، چوبیس گھنٹہ کا ساتھ،

اس مناظرانہ گفتگو کو ختم بھی نہیں ہونے دیتا، ہر مجلس میں یہی تذکرہ، ہر وقت یہی بحث، کہاں کا مطالعہ اور کہاں کا تکرار اور کہاں کا سبق یہ روزمرہ کے واقعات ہیں جو انکار کر دینے سے زائل نہیں ہو سکتے۔

(ہ) پھر ان مناظروں اور اختلافات کا ثمرہ منازعت اور جھگڑوں پر پہنچتا ہے جس خیال کے مجمع کی کثرت ہوتی ہے وہ اقلیت کو دبانے کی کوشش کرتا ہے، اول اپنے زور سے یہ ناکافی ہو تو ناظم و مہتمم مدرسہ کے یہاں جھوٹی سچی شکایات کا طومار باندھتا ہے، پھر عموماً غالب فریق کے گواہ بھی کثرت سے ہو جاتے ہیں اور مغلوب کے لئے سچی گواہی دینے والے بھی مشکل سے ملتے ہیں، ناظمین مدارس عالم الغیب بھی نہیں ہوتے، جس کا ثمرہ اکثر یہ بھی ہو جاتا ہے کہ اصل مجرم بری ہو جاتے ہیں غیر مجرم ماخوذ، یہ محض تخیلات نہیں واقعات ہیں جو آئے دن گذرتے ہیں اور ہم لوگ ان کو بھگتتے ہیں، اختلاف رائے عام طبقے میں بھی ہوتا ہے ان میں اختلافات اور نزاعات بھی ہوتے ہیں، مگر وہ اکثر وقتی ہوتے ہیں، ان کے اجتماعات عموماً مخصوص وقت کے ساتھ ہوتے ہیں، جلسہ ختم ہوا سب اپنے اپنے گھر چلے گئے، مگر ان کا لوگوں یہی گھر ہے یہی مجلس خانہ چوبیس گھنٹہ یک جائی قیام، ایسی صورت میں معمولی سا اختلاف بھی شروع ہوتا ہے تو وہ مہینوں نشو ونما پاتا ہے، یہ تو طلباء کا اپنا ماحول ہوا ایک قدم آگے اور بڑھاؤ۔

(ح) کیا مدرسین کسی مدرسہ کے بھی ایک خیال کے ہیں، دو چار ادھر ہیں تو دو چار ادھر، اسباق میں معمولی سی مناسبت سے نہیں بلکہ بلاکسی مناسبت کے یہی بحثیں چھڑ جاتی ہیں ان پر تبصرے ہوتے ہیں، رائے زنیاں ہوتی ہیں، اپنے ہم خیال لوگوں کی تعریفیں ہوتی ہیں، ان کی تقریروں کی مدح وثنا ہوتی ہے، دوسروں پر تنقید ہوتی ہے، تضحیک ہوتی ہے ان کی نقلیں اتاری جاتی ہیں۔

(ط) ایک قدم اور آگے چلو، جماعت کے سب طلباء مدرس کے ہم خیال نہیں ہوتے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جن کی وہ تعریف کر رہا ہے وہ اکثر طلباء کی نگاہ میں تنقید کے قابل ہے، اور جن کی مدرس تغلیط کر رہا ہے طلبہ اکثر نہیں تو معتد بہ اس کے حامی ہیں، اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے وہ مدرس ان طلبہ کی نگاہ میں بے وقعت ہوتا ہے، کج فہم اور متعصب بنتا ہے اور جب طلبہ کے تخیلات مدرس کی طرف سے یہ ہوں گے تو علمی انتفاع معدوم۔

☆☆☆

طالب علم کی کیلئے انقیاد اور استاذ کا احترام ضروری ہے

یہ طے شدہ امر ہے اور عادۃ اللہ ہمیشہ سے یہی جاری ہے کہ اساتذہ کا احترام نہ کرنے والا کبھی بھی علم سے منتفع نہیں ہوسکتا، جہاں کہیں ائمہ فن طالب علمی کے اصول لکھتے ہیں اس چیز کو نہایت اہتمام سے ذکر فرماتے ہیں اور محدثین نے تو مستقل طور پر آداب طالب کا باب ذکر کیا ہے جو ''اوجز المسالک'' کے مقدمہ میں مفصل مذکور ہے، اس میں اس چیز کو خاص طور سے ذکر کیا ہے، امام غزالی نے بھی ''احیاء العلوم'' میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ استاد کے ہاتھ میں کلیۃً اپنی باگ دے دے، اور بالکل اسی طرح انقیاد کرے جیسا کہ بیمار مشفق طبیب کے سامنے ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں چاہے وہ مجھے فروخت کردے یا غلام بنادے۔ [*]

علامہ زرنوجی نے ''تعلیم المتعلّم'' میں لکھا ہے کہ میں بہت سے طلبہ کو دیکھتا ہوں کہ وہ علم کے منافع سے بہرہ یاب نہیں ہوتے؛ جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے شرائط اور آداب کا لحاظ نہیں رکھتے اسی وجہ سے محروم رہتے ہیں، اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک مستقل فصل اساتذہ کی تعظیم کے ضروری ہونے میں لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ طالب علم علم سے منتفع ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ علم اور علماء اور اساتذہ کا احترام نہ کرے، جس شخص نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ احترام سے کیا ہے اور جو گرا ہے، بے حرمتی کرنے سے گرا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ آدمی گناہ سے کافر نہیں ہوتا دین کے کسی جز کی بے حرمتی کرنے سے کافر ہوجاتا ہے، ونعم ما قیل ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب ❁ بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہم اللہ جل شانہ سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کہ بے ادب اللہ کے فضل سے محروم ہوتا ہے ؎

ادب تاجیست از فضل الٰہی ❁ بنہ برسر برو ہرجا کہ خواہی

یعنی ادب فضل خداوندی کا ایک زبردست تاج ہے اس کو سر پر رکھ کر جہاں چاہے چلے جاؤ، اور یہ مثل تو مشہور ہے ہی۔ ''باادب بانصیب بے ادب بے نصیب''۔

---

[*] ذکره العلامة برهان الدين الزرنوجي في كتابه "تعليم المتعلم" (ص ۴۶) ط: اتحاد بکڈپو دیوبند.

امام سدید الدین شیرازی فرماتے ہیں کہ میں نے مشائخ سے سنا ہے جو شخص یہ چاہے کہ اس کا لڑکا عالم ہو جائے اس کو چاہیئے کہ علماء کا اعزاز و اکرام بہت کرتا رہے اور ان کی خدمت کثرت سے کرے، اگر بیٹا عالم نہ ہوا تو پوتا ضرور ہو جائے گا؛ امام شمس الائمہ حلوانی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ کسی ضرورت سے کسی گاؤں میں تشریف لے گئے وہاں جتنے شاگرد تھے وہ استاذ کی خبر سن کر زیارت کے لئے حاضر ہوئے، مگر قاضی ابوبکر حاضر نہ ہو سکے، بعد میں جب ملاقات ہوئی تو استاذ نے دریافت کیا، انہوں نے والدہ کی کسی ضروری خدمت بجالانے کا عذر کیا شیخ نے فرمایا کہ رزق میں وسعت ہوگی، مگر علم سے نفع نہیں ہوگا، چناں چہ ایسا ہی ہوا ویسے بھی عام طور سے مشہور ہے کہ والدین کی خدمت رزق میں زیادتی کا سبب ہوتی ہے اور اساتذہ کی خدمت علم میں ترقی کا، الغرض یہ بالکل طے شدہ امر ہے؛ لیکن ہمارا جو طرز عمل ہے وہ سب ہی کو معلوم ہے، کہ جب شاگردوں اور استاد کا سیاسی خلاف ہوتا ہے تو اس پر فقرہ بازی، تنقیص، عیب جوئی وغیرہ میں ابتلا ہوتا ہے جو ان کے لئے حرمان کا سبب بن جاتا ہے، میرا تجربہ یہاں تک ہے کہ انگریزی طلباء بھی جو لوگ طالب علمی میں اساتذہ کی مار کھاتے ہیں وہ کافی ترقیاں حاصل کرتے ہیں، اونچے اونچے عہدوں پر پہنچتے ہیں، جس غرض سے وہ علم حاصل کیا تھا وہ نفع پورے طور پر حاصل ہوتا ہے، اور جو اس زمانہ میں استاذوں کے ساتھ نخوت و تکبر سے رہتے ہیں وہ بعد میں اپنی ڈگریاں لئے ہوئے سفارشیں ہی کراتے ہیں، کہیں اگر ملازمت مل بھی جاتی ہے تو آئے دن اس پر آفات ہی رہتی ہیں، بہرحال جو علم بھی ہو اس کا کمال اس وقت تک ہوتا ہی نہیں اور اس کا نفع حاصل ہی نہیں ہوتا جب تک کہ اس فن کے اساتذہ کا ادب نہ کرے، چہ جائیکہ ان سے مخالفت کرے۔

”حدیث“ طلب علم میں مؤمن کی خوشامد کے بیان میں

”کتاب ادب الدنیا والدین“ میں لکھا ہے کہ طالب علم کے لئے استاذ کی خوشامد اور اس کے سامنے تذلل (ذلیل بننا) ضروری ہے، اگر ان دونوں چیزوں کو اختیار کرے گا نفع کمائے گا اور دونوں کو چھوڑ دے گا تو محروم رہے گا، حضور سے نقل کیا ہے کہ طلب علم کے سوا کسی چیز میں خوشامد

کرنا مومن کی شان نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں طالب علم ہونے کے وقت ذلیل بنا تھا اس لئے مطلوب ہونے کے وقت عزیز بنا۔

بعض حکیموں کا قول نقل کیا ہے کہ جو طلب علم کی تھوڑی ذلت کو برداشت نہیں کرتا ہمیشہ جہل کی ذلت میں رہتا ہے۔

(ی) اس کے بعد کا حشر اور بھی خراب اور تکلیف دہ ہوتا ہے کہ اب مدرس کی ذات بحث مناظرہ بن جاتی ہے، موافقین کے نزدیک وہ فرشتہ ہے، اس کی ہر غلطی ثواب ہے، اس کا ہر فعل حجت ہے، مخالفین کے نزدیک وہ مدرسہ میں رکھنے کے قابل نہیں وہ پڑھانے کے قابل نہیں، نہ اس کی استعداد کام کی ہے نہ اس کی تقریر سمجھ میں آتی ہے، اس کی ہر خوبی قابل نفرت ہے، اس کا ہر فعل قابل ملامت ہے، اس کے مثالب ومعائب تلاش کئے جاتے ہیں اور سچے نہیں ملتے تو جھوٹے افتراء کئے جاتے ہیں، ان کا منظّم سے طریقہ پروپگنڈہ کیا جاتا ہے، کیا یہ واقعات ایسے ہیں جو کسی واقف سے او جھل ہوں یا مدارس سے تعلق رکھنے والے ان سے انکار کردیں۔

(ک) میں حال ہی کا ایک واقعہ ایک مدرسہ کا لکھتا ہوں کہ ایک حجرہ کے چند طلبہ میں کھانا کھاتے ہوئے بحث چل پڑی کہ اکثریت کا فیصلہ ہر حال میں قابل حجت ہے یا نہیں، اول گفتگو ہوئی پھر مناظرہ ہوا پھر مجادلہ ہوا، اسی مجلس میں منتہا یہ ہوا کہ ایک جانب سے لکڑی چلی اور دوسری جانب سے جوتہ چلا، مدارس میں کون نگراں ایسا ہے جو ان کے ساتھ ہمزاد کی طرح ہر وقت ساتھ رہے، کون ہر وقت چوبیس گھنٹہ ان کے پاس بیٹھا رہے کہ ان کی ہر گفتگو کو سنتا رہے اور حدود سے تجاوز نہ کرنے دے۔

(ل) اسی طرح ابھی چند روز کا ایک مدرسہ کا واقعہ ہے کہ ایک جلسہ میں چند طلبہ کی شرکت ہوئی بعد میں جلسہ کی کارگزاری پر رائے زنی ہوئی پھر مباحثہ ہوا، دو فریق بن گئے، اول

أخرجه ابن عدى في "الكامل" (ترجمة الحسن بن دينار، ۲۹۸/۲) عن معاذ بن جبل رضي الله عنه، قال السيوطي في "اللالي المصنوعة" (۱۷۹/۱): مداره على الخصيب، وقد كذبه شعبة، والقطان وابن معين، وقال ابن حبان: يروى الموضوعات عن الثقات" اهـ

وأخرجه ابن عدى أيضا (ترجمة عمر بن موسىٰ بن وجيه (۱۰/۵) من طريق عمر، عن القاسم، عن أبي امامة رضي الله عنه، قال السيوطي في "اللالي" (۱۷۹/۱): "عمر متروك" اهـ

الأدب الدنيا والدين لأبي الحسن الماوردی (ص ۵۴) ط: قسطنطنية

اول دھمکیاں رہیں آخر ایک دن ایک فریق نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو حجرہ میں بند کر کے اس قدر مارا کہ قریب الموت کر دیا، یہ آئے دن کے واقعات ہیں فرضی افسانے اور احتمالات عقلیہ نہیں ہیں۔

(م) اس کے بعد یہ بھی غور طلب ہے کہ طلبا کو جن اولیا نے اہل مدارس کے سپرد کیا ہے ان کی غرض تعلیم ہے اور صرف تعلیم، ان میں سے اکثر وبیش تر ایسے ہیں جو باوجودیکہ خود تحریکات حاضرہ کے حامی اور ساعی ہیں، لیکن ان سے اگر کہا جائے کہ صاحبزادہ آج اس میں مشغول ہیں تو وہ اس کی شکایت کرتے ہیں اور اس قسم کے خطوط کثرت سے منتظمین کے پاس موصول ہوتے رہتے ہیں، اور زبانی بھی وہ کہتے رہتے ہیں کہ سیاست ہمارے گھر کی چیز ہے، چند روز ہمارے ساتھ رہ کر اس سے کافی مناسبت پیدا ہو سکتی ہے، اس وقت ہم صرف استعداد علوم چاہتے ہیں۔

(ن) اس کے بعد اس روپیہ کے مصرف کا سوال ہے جو علم کے نام سے لیا جاتا ہے اور دینے والے صرف علم کے مشغلہ کی وجہ سے دیتے ہیں اگر چہ بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو سیاسی مشاغل میں صرف کرنے کے خلاف نہیں؛ لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ روپیہ فلاں کام میں خرچ ہوگا اور اس وظیفہ کے پانے والے طلبہ کا مشغلہ یہ ہوگا تو ایسی صورت میں وہ ہرگز گوارا نہ کریں، بلکہ بعض حضرات تو یہ شرط بھی لگا دیتے ہیں کہ ایسے طلبہ کو اس میں سے دینے کی اجازت نہیں ہے تو کیا پھر ایسی صورت میں یہ احتیاط کا مقتضی نہیں ہے کہ روپے کو اس کے مصرف میں نہایت حزم واحتیاط سے خرچ کیا جائے، مدرسین اس میں احتیاط کر سکتے ہیں کہ وہ اگر اپنا وقت ایسے کاموں میں خرچ کریں، تو شرعی قواعد کے ماتحت دوسرے وقت اس کی تلافی کر دیں۔

لیکن کیا طلبہ بھی اس میں احتیاط کر سکتے ہیں یا اگر کر سکتے ہیں تو کرتے بھی ہیں۔

یہ چند امور میں نے مثال کے طور پر لکھے ہیں غور کرو گے تو اور زیادہ کلام کی گنجائش پاؤ گے۔

طلب علم کیلئے دس امور بہت اہم ہیں

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں لکھا ہے کہ طلب علم کے لئے بہت سے آداب اور شرائط ہیں ان میں سے اہم اور اصل اصول دس ہیں ان کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو کسی

دوسری چیز میں مشغول نہ کرے، اہل وعیال اور وطن سے دور جا کر علم حاصل کرے تاکہ خانگی ضروریات مشغول نہ بنائیں کہ تعلقات ہمیشہ علم سے پھیرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے "مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ" حق تعالیٰ شانہ نے کسی آدمی کے دو دل نہیں پیدا فرمائے ہیں، اسی وجہ سے مشہور ہے کہ علم اس وقت تک تجھ کو اپنا تھوڑا سا حصہ بھی نہ دے گا جب تک کہ تو اپنے آپ کو ہمہ تن اس کے حوالہ نہ کر دے، وہ فرماتے ہیں کہ جو دل مختلف چیزوں میں مشغول رہے وہ کھیت کی اس نالی کی طرح ہے جس کی ڈول بنی ہوئی نہ ہو کہ کچھ حصہ اس میں سے ادھر ادھر چلا جائے گا اور کچھ حصہ پانی کا ہوا بن کر اڑ جائے گا صرف تھوڑا سا پانی رہے گا جو کھیت کے لئے کارآمد ہو سکے گا۔ اس سب کے بعد مجھے اس چیز کے اعتراف سے بھی انکار نہیں ہے کہ طلباء کی بے فکر جماعت مقاصد کی کامیابی کیلئے بہترین جماعت ہے لیکن موجودہ ماحول میں مضار غالب ہیں اور جلب منفعت سے دفع مضرت ہمیشہ مقدم ہوتا ہے، اس لئے ماحول کی تبدیلی تک یہ چیز میرے نزدیک خطرناک ہے البتہ اگر ان کے حدود میں رہنے کی کوئی صورت پیدا ہو سکے تو امر آخر ہے۔

تیسرا جز وغیر طلبہ کے متعلق ہے، جو لوگ دین کے کسی خاص کام میں منہمک نہیں ہیں ان کو یقیناً انہاک کے ساتھ شریک ہونا چاہئے؛ لیکن دیانت کے ساتھ اس دیانت کے ساتھ؛ جس کو وہ کل اللہ کے سامنے پیش کر سکیں، وہ ان کے اعمالنامے میں جلی قلم سے لکھی جا سکے، جہاد دین کا اہم ترین شعبہ ہے، اس لئے ہر وہ چیز جو اعلاء کلمۃ اللہ کی معین ومددگار ہو یقیناً مفید ہے اور ضروری ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک دن کسی اسلامی سرحد کی حفاظت میں لگے رہنا ساری دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے افضل ہے اور اللہ کے راستے میں صبح کو چلنا یا شام کو چلنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے افضل ہے۔ ❁

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ ایک دن رات کا رباط (یعنی اسلامی سرحد کی حفاظت میں مشغولی) ایک ماہ کے (نفلی) روزوں سے افضل ہے اور تمام مہینہ کی شب بیداری سے افضل ہے،

❁ أخرجه البخاري (الجهاد/ فضل رباط يوم في سبيل الله، رقم ۲۸۹۲) ومسلم (الامارة/ فضل الغدوة والروحة في سبيل الله رقم ۱۸۸۱ والترمذی (الجهاد) فضل المرابط فی سبيل الله رقم ۱۶۶۴) عن سهل بن سعد وأخرجه مسلم (۱۸۸۰، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳) عن انس، وأبي هريرة، وأبي أيوب الانصاری رضي الله عنهم، مختصراً.

اوراس حالت میں کسی کی موت آجائے، تو صدقہ جاریہ کے طور پر ہمیشہ کے لئے اس کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص اسی حالت میں مرجائے قیامت تک اس کے نیک عمل کا ثواب ملتا رہے گا، اور اس کو رزق عطا ہوتا رہے گا، اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا، اور قیامت کے دن (جو نہایت ہی گھبراہٹ کا دن ہوگا) یہ شخص نہایت مطمئن ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کسی ایسی ہی جگہ کھڑے تھے کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں کھڑے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ کے راستے میں تھوڑی دیر کھڑے رہنا حجر اسود کے پاس شب قدر میں جاگتے رہنے (اور عبادت کرنے) سے افضل ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس شخص کی ایک نماز دوسروں کی پانسو نمازوں سے افضل ہے اور اس شخص کا ایک روپیہ دوسروں کے سات سو روپیہ سے افضل ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہترین شخص دو آدمی ہیں ایک وہ جس کے پاس کچھ جانور ہوں (کہ وہ ذریعہ معاش ہوں) ان کا حق ادا کرتا ہو اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو، دوسرا وہ شخص جو گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے اللہ کے دشمنوں کو ڈراتا ہوں اور وہ اس کو ڈراتے رہتے ہوں۔

أخرجه أحمد (۵/ ۴۴۱) ومسلم (الامارة/فضل الرباط في سبيل الله، رقم ۱۹۱۳) عن سلمان الفارسي رضي الله عنه.

أخرجه أحمد (۲/ ۳۰۳) وابن ماجه (الجهاد/ فضل الرباط في سبيل الله، رقم ۲۷۶۷) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

قال البوصيرى في "الزوائد" (ص ۳۷۳): "هذا اسناد صحيح" اهـ

وأخرجه الترمذي (الجهاد/فضل المرابط، رقم ۱۶۷۰) عن سلمان الفارسي رضي الله عنه، مختصراً، وقال الترمذي: "هذا حديث حسن" اهـ

أخرجه ابن حبان في "صحيحه" (رقم ۴۵۸۴) والبيهقي في "شعب الايمان" (باب ۲۶، رقم ۴۲۸۶) عن مجاهد، عن أبي هريرة رضي الله عنه.

أخرجه البيهقي في "شعب الايمان" (باب ۲۶، رقم ۴۲۹۵) عن أبي امامة رضي الله عنه.

أخرجه الترمذي (الفتن/الرجل يكون في الفتنة، رقم: ۲۱۷۷) عن ام مالك البهزية رضي الله عنها، وقال: "هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه" اهـ وأخرجه الحاكم في المستدرك (۴/ ۴۴۶، ۴۶۴) عن ابن عباس رضي الله عنهما، وقال: "صحيح على شرط الشيخين" ووافقه الذهبي.

(ف) پہلے شخص کے بارے میں جانوروں کا ہونا قید نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ معمولی گذر اوقات کا کچھ سبب ہو اور عبادت میں ہر وقت مشغول رہے، اسی طرح دوسری جانب گھوڑا قید نہیں ہے، چوں کہ اس زمانہ میں جہاد گھوڑے ہی پر عموماً ہوتا تھا اس لئے اس کو ارشاد فرمایا مقصود یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کرتا ہو، خواہ کسی طریقہ سے ہو، بہت سی حدیثوں میں یہ مضمون وارد ہے کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں جاگی ہو، دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے کسی وقت روئی ہو۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ لیلۃ القدر سے افضل کونسی رات ہے، وہ رات ہے جس میں (دین کی حفاظت کے لئے) کسی خطرہ کی جگہ کوئی شخص جاگے، اس کو یہ بھی امید نہ ہو کہ اپنے اہل وعیال کی طرف صحیح سالم لوٹ سکتا ہے یا نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر آنکھ رونے والی ہوگی، مگر وہ آنکھ جس سے ایک مکھی کے سر کی برابر بھی آنسو کا قطرہ اللہ کے خوف سے نکلا ہو۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں کچھ خرچ کرتا ہے وہ سات سو درجہ ثواب پاتا ہے۔

أخرجه الترمذي (فضائل الجهاد/فضل الحرس في سبيل الله، رقم ١٦٣٩) عن ابن عباس رضي الله عنه، وقال: "حسن غريب لانعرفه الا من حديث شعيب بن رزيق" وأخرجه أبويعلى (٤٣٤٦) عن انس رضي الله عنه، قال المنذرى في "الترغيب" (١٥٩/٢): "رواته ثقات" اهـ

أخرجه الحاكم (٨١/٢) والبيهقي في "السنن الكبرى" (١٤٩/٩) عن ابن عمر رضي الله عنهما، وقال الحاكم: "صحيح على شرط البخارى، ووافقه الذهبي.

أخرجه أبونعيم في "الحلية" (ترجمة صفوان بن سليم، ٣/رقم ٣٦٦٣) عن أبي هريرة رضي الله عنه، ورقم له السيوطى في "الجامع الصغير" (رقم ٦٣٣٤) بعد عزوه الى أبي نعيم، بالحسن، وأقره المناوي في "فيض القدير" بينما ذكره المنذرى في "الترغيب" (١٦٠/٢) مصدراً بلفظ: "رُوِىَ" وهذا يدل على ضعفه، حسب ماصرح به هو في المقدمة.

وذكره السيوطى في الدر المنثور"البقرة/ الآية ٢١٦، ٤٤٣/١) وعزاه الى الحاكم، والبيهقى.

أخرجه الترمذي (فضائل الجهاد/ فضل النفقة في سبيل الله، رقم ١٦٢٥) والنسائى (الجهاد/فضل النفقة في سبيل الله، رقم ٣١٨٨) والحاكم في المستدرک (٨٧/٢) عن خريم بن فاتک الأسدى رضي الله عنه، وقال الترمذي: "هذا حديث حسن، انما نعرفه من حديث الركين بن الربيع" اهـ وقال الحاكم: "صحيح الاسناد" ووافقه الذهبي.

ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی مجاہد کی اعانت کرے وہ بھی مجاہد ہے، اور جو اس کے اہل وعیال کی خبر گیری کرے وہ بھی مجاہد ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو کسی مجاہد کی اعانت کرے یا کسی قرض دار کی مدد کرے اللہ جل شانہ اس کو ایسے دن اپنی رحمت کے سایہ میں رکھیں گے جس دن ان کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کیا ہی مبارک ہے وہ شخص جو جہاد میں بھی اللہ کے ذکر کی کثرت رکھے کہ اس کو ہر کلمہ پر ستر ہزار نیکیاں ملتی ہیں اور ہر نیکی دس گنا ثواب رکھتی ہے، اور اللہ جل شانہ کے یہاں جو خاص انعام ہوگا وہ مزید برآں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے رویا ہو وہ اس وقت تک جہنم میں نہیں جاسکتا جب تک کہ دودھ تھنوں میں نہ واپس ہو (مراد یہ ہے کہ اس کا جہنم میں جانا محال ہے) اور جس ناک کے سوراخ میں اللہ کے راستے کا غبار گیا ہو اس میں جہنم کی آگ کا دھواں کبھی نہیں جاسکتا۔

أخرجه البخاری (الجهاد/فضل من جهز غازياً، رقم ۲۸۴۳) ومسلم (الامارة/فضل اعانة الغازی في سبيل الله، رقم ۱۸۹۵) والترمذی (الجهاد/من جهز غازياً، رقم ۱۶۲۸، ۱۶۳۱) عن زيد بن خالد الجهنی رضي الله عنه، وقال الترمذي: "هذا حديث حسن صحيح" اهـ

أخرجه أحمد (۴۸۷/۳) والطبرانی في "الكبير" (رقم ۵۵۹۰، ۵۵۹۱) والحاكم (۸۹/۲،۹۰، ۲۱۷) عن سهل بن حنيف رضي الله عنه.

قال الهيثمی في المجمع (۲۸۳/۵): "فيه عبدالله بن سهل بن حنيف، ولم أعرفه، وعبدالله بن محمد بن عقيل، حديثه حسن" اهـ

وقال الحاكم: "صحيح الاسناد" وتعقبه الذهبي بقوله "بل عمرو رافضی متروك" اهـ

وقال المناوي في فيض القدير (۷۲/۶): "أخرجه الحاكم من حديث عمر بن ثابت..... وحديثه حسن" اهـ

أخرجه الطبرانی في "الكبير" (۲۰/رقم ۱۴۳) عن معاذ بن جبل رضي الله عنه، قال المنذری في الترغيب (۱۶۲/۲) "في اسناده راوٍ لم يسم" اهـ، وكذا قال الهيثمی في "المجمع" (۲۸۲/۵).

أخرجه الترمذي /فضائل الجهاد/باب ما جاء في فضل الغبار في سبيل الله رقم ۱۶۳۳، والنسائی (الجهاد/ باب فضل من عمل في سبيل الله على قدمه رقم ۳۱۰۹)، وأحمد (۵۰۵/۲)، عن أبي هريرة رضي الله عنه وقال الترمذي: حسن صحيح.

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جن قدموں پر اللہ کے راستے کا غبار پڑا ہے ان کو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس چہرہ پر اللہ کے راستہ کا غبار پڑا ہے اس تک جہنم کی آگ کا دھواں نہیں پہنچ سکتا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کے کوئی زخم اللہ کے راستہ میں آیا ہے اس پر قیامت کے دن شہیدوں کی مہر لگی ہوئی ہوگی، اور وہ زخم زعفران کے رنگ کی طرح چمکتا ہوا ہوگا اور اس میں سے خوشبو اور مہک مشک کی سی آئے گی جس سے ہر شخص پہچان لے گا کہ یہ زخم اللہ کے راستے میں لگا ہے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قافلہ کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے اس قافلہ میں ایک نوجوان تھا، جو راستہ سے بچ کر علیحدہ چل رہا تھا، حضور نے اس سے دریافت کیا کہ تم علیحدہ کیوں جارہے ہو، اس نے عرض کیا کہ غبار کی وجہ سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس غبار سے بچنے کی ضرورت نہیں یہ قیامت کے دن مشک کے ریزے بنے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں ایک تیر چلائے خواہ وہ نشانہ پر لگے یا نہ لگے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔

أخرجه البخارى /الجمعة/ المشي الي الجمعة (رقم ۹۰۷) والترمذى (فضائل الجهاد/ ماجاء في فضل من اغبرت قدماه في سبيل الله (رقم ۱۶۳۲) والنسائى (الجهاد/ثواب من اغيرت قدماه في سبيل الله عزوجل رقم ۳۱۱۸)، وأحمد (۳/۴۷۹) عن أبي عبس عبدالرحمٰن بن جبر رضی الله عنہ.

أخرجه الطبراني في الكبير (۸/۷۴۸۲) والبيهقى في الشعب (رقم ۴۲۹۶) عن ابى أمامة الباهلى رضي الله عنه، وقال الهيثمى في المجمع (۵/۲۸۷): فيه جميع بن ثوب وهو متروك.

أخرجه أحمد (۶/۴۴۴) من طريق خالد بن دريک عن أبي الدرداء. وقال الهيثمى في المجمع (۵/۲۸۵) رجاله ثقات الا أن خالد بن دريک لم يسمع من أبي الدرداء وكذا قال المنذري في الترغيب (۲/۱۷۶) وأخرجه الطبرانى فى اولأسط (۳۵۹۸) متصلا عن أم الدرداء عن أبى الدرداء .

أخرجه أبوداود في مراسيله رقم (۳۰۵) والطبرانى في الكبير (۵/رقم ۴۶۰۸) عن ربيع بن زيد وقال الهيثمى في المجمع (۵/۲۸۷) رجاله ثقات.

أخرجه النسائى (الجهاد/ ثواب من رمى بسهم في سبيل الله، رقم ۳۱۴۴) وابن ماجة (الجهاد/ ثواب من رمى بسهم في سبيل الله (۲۸۱۲) عن عمرو بن عبسة رضى الله عنه وقال المنذري في الترغيب والترهيب (۲/۱۸۰) اسناد النسائى صحيح.

ان کے علاوہ سیکڑوں احادیث اس کے ثواب وترغیب اور چھوڑ دینے کی وعید میں وارد ہوئی ہیں۔

جہاد کی تعریف اور اس کے فضائل

اور جہاد ہر وہ کوشش ہے جو اسلام کے غلبہ اور کفار کی مدافعت کے لئے کی جائے، اس لئے جو بھی کوشش اس نیت اور ارادے سے ہوگی وہ اس میں داخل ہے، چناں چہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

حالاں کہ ظالم بادشاہ کے لئے کافر ہونا ضروری نہیں بلکہ مسلمان بادشاہ اگر ظالم ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے، البتہ بڑی شرط یہی ہے کہ ساری جدوجہد کا مقصد اسلام کی قوت اس کی رفعت، اس کی بلندی ہو۔

ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص غنیمت (یعنی دنیوی منفعت) کے ارادے سے جہاد کرتا ہے ایک اس نیت سے کہ اس کی قوت وطاقت کا مظاہرہ ہو ایک اس نیت سے کرتا ہے کہ اس کی شہرت اور چرچا ہو ان میں سے کونسا جہاد معتبر ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جہاد وہی ہے جو صرف اس لئے کیا جائے کہ اللہ کا بول بالا ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے کسی شخص نے حضور سے دریافت کیا، ایک شخص جہاد کرتا ہے اور وہ دنیا کے کسی نفع کے ارادہ سے کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا کوئی اجر نہیں، صحابہ کو اس پر تعجب ہوا، ان پوچھنے والے صحابی سے کہا کہ شاید سوال اچھی طرح واضح نہیں ہوسکا، اس لئے دوبارہ دریافت کرو، انہوں نے دوبارہ پوچھا، حضور نے دوبارہ بھی یہی ارشاد فرمایا، پھر تیسری دفعہ دریافت کیا گیا تو حضور نے تیسری دفعہ بھی یہی جواب دیا۔

أخرجه أبو داود (الملاحم/ الأمر والنهى) رقم (۴۳۴۴) والترمذى الفتن/ماجاء افضل الجهاد كلمة عدل .... رقم (۲۱۷۴) وابن ماجه الفتن، الامر بالمعروف والنهى عن المنكر (۴۰۱۱) عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه وقال الترمذي: حسن غريب.

أخرجه البخارى (الجهاد / باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العلياء (۲۸۱۰) ومسلم (الامارة / من قاتل لتكون كلمة الله هي العلياء رقم ۱۹۰۴). عن أبي موسىٰ الأشعرى رضي الله عنه.

أخرجه أبوداود (الجهاد /باب فيمن يغزو يلتمس الدنيا (۲۵۱۶) والحاكم (۲/۸۵) عن أبي هريرة رضي الله عنه وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے جہاد کی حقیقت سمجھا دیجئے، حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اللہ کے واسطے ثواب کی نیت سے جہاد کرتا ہے تو قیامت میں اسی طرح اٹھایا جائے گا، اگر ریا کاری (یعنی لوگوں کو قوت وطاقت کے دکھانے کی نیت سے) یا کچھ مال ودولت کمانے کی غرض سے جہاد کرتا ہے اسی حالت پر اٹھایا جائے گا، بات یہ ہے کہ جس نیت سے تیرا فعل ہوگا اسی حالت پر تیرا حشر ہوگا۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جہاد کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ شخص ہے جو صرف اللہ کی رضا کا طالب ہے، امام کی اطاعت کرے اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ کردے، ساتھی سے نرمی کا برتاؤ کرے اور فساد سے دور رہے، اس شخص کا سونا جاگنا سب کچھ ثواب اور اجر کا باعث ہے، دوسرا وہ شخص ہے جو تفاخر اور ریا کاری اور شہرت کے لئے سب کچھ کرتا ہے، امام کی نافرمانی کرتا ہے فساد میں شرکت کرتا ہے وہ شخص برابر سرابر بھی نہیں لوٹتا، یعنی جتنا ثواب ہوتا اس سے زیادہ گناہ کمالیا۔

اس بارے میں بھی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اس لئے یہ تو اولین شرط ہے کہ جو کچھ کیا جائے وہ خالص اللہ کی رضا اس کے دین کی حمایت اور حق کا بول بالا ہونے کی غرض سے کیا جائے، اس کے بعد اہل الرائے اور تجربہ کار دین دار لوگوں کی رائے سے جو سعی بھی اس ارادہ سے ہوگی وہ اجر سے انشاء اللہ خالی نہ ہوگی، اس میں شک نہیں کہ اخلاص اور اللہ کے لئے ہونے کی، ہر کام میں ضرورت ہے چناں چہ پہلے یہ حدیث شریف گذر چکی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو لوگ بلائے جائیں گے ان میں ایک شہید ہوگا، اس کو بلا کر اللہ جل جلالہ کی جو نعمتیں دنیا میں اس پر کی گئی تھیں یاد دلائی جائیں گی، اور جب وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا اور یاد کرے گا کہ واقعی کس قدر انعامات اللہ جل جلالہ کے دنیا میں مجھ پر ہوئے تھے، تو اس سے پوچھا جائے گا کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا کارگذاری کی، وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری راہ میں جان دے دی کہ (یہی سب سے زیادہ محبوب چیز تھی) حکم ہوگا کہ جھوٹ ہے یہ اس لئے کیا گیا تھا تا کہ لوگ

أخرجه أبوداود/الجهاد /من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا رقم (٢٥١٩) والحاكم (٨٥/٢) عن عبدالله بن عمرو بن العاص وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

أخرجه أبوداود (الجهاد/ باب من قاتل لتكون كلمة الله هى العلياء (رقم ٢٥١٥) والنسائى/الجهاد/فضل النفقة في سبيل الله رقم(٣١٨٨) والحاكم (٨٥/٢) عن معاذ بن جبل وقال الحاكم صحيح ووافقه الذهبي.

کہیں بڑا بہادر تھا، چناں چہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا، اور لوگوں نے کہہ لیا کہ بڑا جری ہے، بڑا بہادر ہے اسکے بعد اس کو حکم کیا جائے گا کہ جہنم میں ڈال دیا جائے، پھر ایک عالم بلایا جائے گا، اس کو بھی اسی طرح اللہ جل شانہ کے انعامات احسانات یاد دلائے جائیں گے اور پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا، وہ کہے گا تیرا علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا، تیرے پاک کلام کو پڑھا (اور پڑھایا) ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ سب اس لئے کیا گیا تھا تا کہ لوگ کہیں بڑا جید عالم ہے، بڑا قاری ہے، چناں چہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا، اور لوگوں نے کہہ لیا، اس کے بعد اس کو بھی حکم ہوگا کہ جہنم میں لے جاؤ، اس کے بعد ایک مال دار بلایا جائے گا، اس سے اسی طرح اللہ کی نعمتوں کو یاد دلا کر پوچھا جائے گا وہ کہے گا کہ میں نے کوئی بھی خیر کی جگہ ایسی نہیں چھوڑی جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہو اور میں نے آپ کے لئے اس میں خرچ نہ کیا ہو، ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا تا کہ لوگ کہیں بڑا سخی ہے،* بڑا کریم ہے، چناں چہ کہا جا چکا اور مقصود حاصل ہو گیا، پھر اس کو بھی جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا۔ (مشکوۃ)

اس قسم کے مضامین احادیث میں بکثرت موجود ہیں اس لئے اللہ کے واسطے اور خالص اللہ کے واسطے ہونے کی تو ہر ہی کام میں ضرورت ہے، مگر بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن میں شہرت اور فخر و نمود کے اسباب زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں اور جس چیز میں جتنی شہرت کے اسباب قوی ہوتے ہیں اتنے ہی اہتمام سے اس میں احتیاط کی ضرورت درپیش ہو جاتی ہے، یہاں ہر ہر قدم پر تفاخر و پروانہ تحسین و زندہ باد ایسی چیزیں ہیں جو قلوب کو ادھر کھینچنے والی ہیں، اس لئے اہم اور سب سے اہم چیز یہی ہے کہ اپنی حفاظت کرتے ہوئے جو شخص بھی اس میں شرکت کر سکے حصہ لے سکے دین کے فروغ کا سبب بن سکے، اسلام کی حفاظت کا ذریعہ بن سکے، کفار کے غلبہ کو روک سکے اس کے سراسر خیر ہونے میں کسے انکار ہو سکتا ہے، کون ایسا ہو سکتا ہے جو اس کو پسند نہ کرتا ہو یا اس کے دل میں اس کا ولولہ پیدا نہ ہوتا ہو، اور جو لوگ کسی معذوری سے خود شریک نہیں ہو سکتے وہ اخلاص سے کام کرنے والوں کی اعانت سے تو کم از کم دریغ نہ کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے کچھ بھیجے، اور خود اپنے گھر رہے۔ اس کو ایک درہم (روپیہ) کے بدلہ میں سات سو روپیہ کا اجر ہوگا اور جو خود بھی شریک ہو اس کو فی روپیہ سات ہزار کا

* تقدم تخریجه انظر ص ۴۳ رقم الهامش ١ .

اجر ملے گا۔ (مشکوۃ)

اس لئے جو لوگ کسی دنیوی مجبوری یا شرعی عذر سے خود شرکت نہ کرسکیں وہ اپنی وسعت کے موافق کام کرنے والوں کی اعانت مالی، بدنی، قلمی سے دریغ نہ کریں، کس قدر اللہ جل شانہ کا لطف وانعام ہے کہ اس نے معذورین، سست، کمزور اور ناز پروردہ لوگوں کیلئے بھی خیر کے دروازے بند نہیں کیئے ہیں بلکہ ہر عبادت میں شرکت کا دروازہ کھول رکھا ہے لوگ حیلے بہانے کریں اور ہر جا و بے جا باتوں کو آڑ بنائیں اس کا تو ذکر ہی نہیں وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی.

''کیا جہاد صرف قتال کو کہتے ہیں''

اس سلسلہ میں یہ بھی واضح کردینا ضروری ہے، جہاد صرف قتل وقتال ہی کا نام نہیں ہے گو وہ اس کا اعلیٰ فرد ہے، بلکہ ہر وہ سعی جو اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی قوت وغلبہ کے لئے ہو وہ سب ہی جہاد میں داخل ہے، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینے کو افضل جہاد ارشاد فرمایا ہے۔

لہٰذا جو سعی بھی اس سلسلہ میں ہوگی وہ سب ہی جہاد کے تحت داخل ہے مگر یہاں ایک چیز پر تنبیہ بھی ضروری ہے کہ جو حضرات اس سلسلہ کے اندر منسلک ہیں وہ یقیناً ایک اہم دینی امر میں منہمک ہیں مگر بعض حضرات اس میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ وہ اس شخص کو جو کسی شرعی وجہ سے یا ذاتی عذر سے شریک نہیں ایسا سب وشتم کرتے ہیں کہ پھر نہ اس کی کوئی عبادت قابل التفات رہتی ہے نہ کوئی خوبی قابل اعتنا، فاسق وفاجر تو معمولی لفظ ہے اس کو جہنمی اور کافر تک کہنے سے باک نہیں کرتے حالانکہ اگر یہ فرض عین ہو تب بھی اس کا بلا عذر چھوڑنے والا ایک کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا، کافر اس وقت بھی نہیں ہوسکتا۔

أخرجه ابن ماجه (الجهاد/فضل النفقة في سبيل الله، رقم (٢٧٦١) عن الحسن عن علي، وأبي الدرداء، وابي هريرة، وأبي امامة وعبدالله بن عمر وجابر بن عبدالله، وعمران بن الحصين رضي الله عنهم مرفوعاً به، وقال المنذري في الترغيب والترهيب (١٦٢/٢): رواه ابن ماجه عن الخليل بن عبدالله، ولايحضرني فيه جرح ولاعدالة، وقال البوصيري: فيه خليل بن عبدالله قال الذهبي: لايعرف، وكذا قال ابن عبدالهادي، قلنا: وقال الحافظ في التقريب: مجهول فالحديث ضعيف الاسناد.

انظر تخريجه في ص ٥٦ رقم الهامش ١

بلا حجتِ شرعی کے کسی مسلمان کو کافر یا فاسق کہنا

اور بلا کسی شرعی حجت کے ایک مسلمان کو کافر کہنا جتنا سخت ترین جرم ہے وہ ظاہر ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایمان کی جڑ تین چیزیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کلمہ گو کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرنا۔ (مشکوۃ)

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو فاسق یا کافر کہے اور وہ شخص ایسا نہ ہو تو وہ کلمہ کہنے والے ہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے۔ (مشکوۃ)

یعنی اس کا وبال اس پر پڑتا ہے، بعض لوگ ایسا ظلم کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کے متعلق غصہ میں کہہ جاتے ہیں کہ فلاں شخص کی کبھی معافی نہیں ہو سکتی اس کی کبھی بخشش نہیں ہو سکتی، مجھے بے حد رنج ہے کہ یہ کلمہ میں نے بعض اہل علم کی زبان سے بھی سنا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص نے یہ کہہ دیا کہ واللہ خدائے تعالیٰ فلاں شخص کی ہرگز مغفرت نہ کریں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کون شخص ہے جو میرے متعلق قسم کھاتا ہے کہ فلاں کی مغفرت نہ کروں گا میں نے اس کی مغفرت کر دی اور (اس قسم کھانے والے کو ارشاد فرمایا کہ) تیرے عمل کو باطل کر دیا۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نبی اسرائیل میں دو آدمی تھے، ایک بڑا عابد دوسرا گناہگار، وہ عابد اس گناہ گار کو ہمیشہ تنبیہ کرتا رہتا، ایک دن اس کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھا تو قسم کھالی

أخرجه أبوداود (الجهاد/الغزو مع ائمة الجور) (رقم ٣٥٣٣) عن أنس رضي الله عنه وقال المنذري في مختصره (٣٩٩/٢) الراوى عن انس يزيد بن أبي نشبة وهو في معنى المجهول، وكذا قال الحافظ ابن حجر في التقريب.

أخرجه البخارى (الأدب/ماينهى من السباب واللعن، رقم (٦٠٤٥) وأحمد (١٨١/٥) عن أبي ذر رضي الله عنه.

أخرجه مسلم (الايمان/بيان حال من قال لاخيه، يا كافر رقم (٦١)والبخارى في الأدب، المفرد (٤٣٣) عن ابى ذر رضي الله عنه.

أخرجه مسلم (البر/النهى عن تقنيط الانسان من رحمة الله (٢٦٢١) وابن أبي الدنيا كما في الصحيحة (١٦٨٥) عن جندب رضي الله عنه.

کہ واللہ تیری خدا کے یہاں بالکل مغفرت نہ ہوگی، دونوں کو موت آئی اور اللہ جل جلالہ کے دربار میں حاضری ہوئی، عابد کو ارشاد باری ہوا، کیا تو میری عطا کے روکنے پر قادر تھا کہ قسم کھالی، اس کے بعد گناہ گار کو ارشاد ہوا کہ تو میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا اور اس عابد کے متعلق ارشاد ہوا کہ اس کو جہنم میں داخل کر دیا جائے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے ایک کلمہ کی بدولت دین و دنیا دونوں ہی کو ضائع کر دیا۔ (جمع الفوائد)

غرض غصہ میں ایسے الفاظ کا استعمال کر جانا بڑی جرأت ہے اور اس سے زیادہ سخت یہ ہے کہ دینیات اور اسلامیات پر بھی اہانت کے الفاظ استعمال کر دیئے جاتے ہیں، کہ جنت کے بہت سے دروازے ہیں، مولویوں نے جنت کو آسان کر دیا، جنت کا راستہ سہل کر دیا، نمازیں پڑھو، روزے رکھو اور جنت میں چلے جاؤ، یہ فقرے اور اس قسم کے طنزیہ فقرے تقریروں میں جوش وخروش سے بیان کئے جاتے ہیں، حالاں کہ اس سے کس کو انکار ہے کہ جنت کے بہت سے دروازے ہیں، آٹھ دروازے ہونا تو بہت سی روایات میں مشہور ہے ہی۔

بعض احادیث سے اس سے زیادہ کا پتہ بھی چلتا ہے، چناں چہ نماز کا مستقل دروازہ ہے، روزہ کے ساتھ خصوصیت رکھنے والوں کے لئے علاحدہ دروازہ ہے، اسی طرح صدقہ کا جہاد کا غصہ کو پینے والوں اور لوگوں کے لئے معافی دینے والوں کے لئے علیحدہ دروازہ ہے، متوکل لوگوں کے لئے مستقل دروازہ ہے، چاشت کی نماز کا اہتمام رکھنے والوں کا خصوصی دروازہ علیحدہ ہے، توبہ کا دروازہ علیحدہ ہے اور اللہ کی مرضی پر راضی رہنے والوں کا دروازہ مستقل ہے۔

أخرجه أبوداود/الأدب/النهي عن البغي (۴۹۰۱) وابن حبان (۵۷۱۲) وأحمد (۳۲۳/۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

أخرجه البخارى (بدأ الحلق/صفة ابواب الجنة) (رقم ۳۲۵۷) عن سهل بن سعد رضي الله .

أخرجه البخارى (فضائل أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ۳٦٦٦) ومسلم (الزكاة رقم ۱۰۲۷) عن أبي هريرة رضي الله عنه، مطولاً وفيه ذكر الصلاة، والجهاد، والصدقة، والصيام، فحسب وأما الباب للكاظمين الغيظ والعافين عن الناس، ففيما أخرجه أحمد كما في الفتح (۳۴/۷) عن الحسن مرسلاً وأما الباب للمتوكلين فلم أجده مرفوعاً الا ان الحافظ ذكره في الفتح قائلاً: ومنها الباب الأيمن وهو باب المتوكلين الذى يدخل منه من لاحساب عليه ولاعذاب، وأما ذكر صلاة الضحى ففيما أخرجه الطبراني في الاوسط عن ابى هريرة، (۵۰٦۰) وقال الهيثمى فى المجمع (۳۳۹/۲) : وفيه سليمان بن داود اليمانى وهو متروك، وأما التوبة ففيما أخرجه الطبراني في الكبير (۱۰۴۷۹/۱۰) والحاكم (۲٦۱/۴) عن ابن مسعود، وقال في المجمع (۱۹۸/۱۰): اسناده جيد، واما الرضاء بقضاء الله فلم نجده فيما تتبعنا الا انه يغنى عنه الحديث الآتى.

حتی کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ہر عمل کے ساتھ خصوصیت رکھنے والوں کے لئے مستقل دروازہ ہے۔ (فتح)

اس لئے اس پر کیا طعن ہے اور یہ کیا طنز کی بات ہے، جیسے اور دینی احکام ہیں ایسے ہی جہاد ہے، بلکہ علامہ شامی نے اس کی تصریح کی ہے کہ فرائض نماز کا اپنے اوقات پر اہتمام کرنا بلاتردد جہاد سے افضل ہے، اس لئے کہ جہاد کی فضیلت ایمان اور نماز ہی کے قائم کرنے کے واسطے ہے اور نماز خود مقصود ہے۔ (شامی)

اس لئے اس میں کوتاہی کرنے والوں کے نماز روزہ وغیرہ کو بے کار کہہ دینا یا اس پر طعن کرنا حدود سے تجاوز ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب جہاد میں شرکت کی نیت سے حاضر ہوئے، حضور نے دریافت فرمایا کہ تمہارے والدین زندہ ہیں انہوں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ واپس جاؤ اور انہیں کی اچھی طرح خدمت کرو۔ (مشکوۃ)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا نام فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے اور میری بیوی حج کو جا رہی ہے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ بیوی کے ساتھ حج کو جاؤ۔
(مشکوۃ بروایۃ الشیخین)

ایک حدیث میں آیا ہے: ایک صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانے کے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں، اور حضورؐ سے اس میں مشورہ لیتا ہوں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ حضور نے فرمایا: ان کے ساتھ رہو ان کے قدموں میں جنت ہے۔ (مشکوۃ)

أخرجه أحمد (۲/۴۴۹) وابن أبي شيبة (۸۹۰۳) عن أبي هريرة وقال الحافظ في الفتح (۷/۳۴): اسناده صحيح.

أخرجه البخارى (الجهاد/باذن الوالدين ۳۰۰۴) ومسلم (البر والصلة والأدب /برالوالدين ۲۵۴۹): عن عبدالله بن عمرو.

أخرجه البخارى (الجهاد/من اكتتب في جيش رقم ۳۰۰۶) ومسلم (الحج/سفر المرأة مع محرم الى حج وغيره رقم ۱۳۴۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما.

أخرجه النسائى (الجهاد /الرخصة في التخلف لمن له والدة (۳۱۰۴) وابن ماجه (الجهاد/الرجل يغزو وله أبوان ۲۷۸۱) والحاكم (۴/۱۵۲) عن معاوية بن جاهمة وصححه الحاكم ووافقه.

ایک بدوی حاضر خدمت ہوئے اور ہجرت کے بارہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا، حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہجرت کا معاملہ سخت ہے تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں ہیں، حضور نے دریافت فرمایا کہ ان کی زکوۃ ادا کرتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں ادا کرتا ہوں، حضور نے دریافت فرمایا بس تو کہیں سمندر پار اپنے دینی اعمال میں مشغول رہو، اللہ جل شانہ تمہارے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہ فرمائیں گے۔ (ابوداود)

غرض سیکڑوں واقعات اور احادیث ایسی ہیں کہ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقی جہاد کے مقابلہ میں دوسرے نیک اعمال کو ترجیح دی ہے، پھر حکمی جہاد کا تو کیا ذکر، اگر چہ بعض وقتی ضرورتوں اور خاص خاص مصلحتوں کی وجہ سے ایسا بھی ہوا ہے کہ جہاد کی اہمیت سب سے بڑھ گئی ہے حتی کہ غزوۂ خندق میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یا ایک سے زیادہ نمازیں قضا ہوئیں ہیں۔

مگر یہ کلیہ نہیں کہ جہاد کے مقابلہ میں کوئی نیک عمل معتبر ہی نہیں بالخصوص جب کہ کسی عذر کی وجہ سے ہو۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے مدینہ طیبہ میں بہت سے لوگ ایسے چھوڑے ہیں کہ تم جتنا راستہ بھی چلے ہو اور جو کچھ خرچ کیا ہے اور جتنا سفر طے کیا ہے اس سب کے ثواب میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو مدینہ میں رہ گئے ہیں، صحابہ نے تعجب سے پوچھا وہ کیسے شریک ہوسکتے ہیں، حالاں کہ وہ اپنے گھروں میں موجود ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لئے کہ وہ عذر اور مجبوری کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکے۔ (ابوداؤد)

أخرجه البخاری (الأدب/ماجاء في قول الرجل: ويلک ۶۱۶۵) ومسلم (الامارة/ المبايعة بعد فتح مكة ۱۸۶۵) وابوداؤد (الجهاد/ماجاء في الهجرة، رقم ۲۴۷۷) عن أبي سعيد الخدری رضي الله عنه.

اخرجه البخاری (الجهاد/الدعاء على المشركين بالهذيمة ...... رقم ۲۹۳۱) و(۴۱۱۱) ومسلم (المساجد/رقم ۶۲۷) عن علی رضي الله عنه الا ان فيه ذكر ترک صلاة العصر فحسب.

أخرجه أبوداود (الجهاد/ الرخصة في القعود ۲۵۰۸) وابن ماجه (الجهاد/من حسبه العذر عن الجهاد ۲۷۶۴) عن أنس رضي الله عنه وأخرجه مسلم (۱۹۱۱) عن جابر رضي الله عنه نحوه.

اس مضمون کے نظائر بھی کثرت سے حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، اس کے علاوہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص بیمار ہو جائے یا سفر میں چلا جائے (اور اس وجہ سے اپنا معمول پورا نہ کر سکے) تو اس کو اتنا ہی ثواب اور اجر ملے گا جتنا کہ وہ صحت کی حالت اور مقیم ہونے کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ (مشکوۃ بروایۃ البخاری)

ایک حدیث میں ہے: جب آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور وہ پہلے سے کسی نیک کام میں مشغول رہتا تھا، تو اس فرشتے کو جو اس کے نیک اعمال لکھنے پر متعین تھا یہ حکم ہوتا ہے کہ جو عمل یہ کیا کرتا تھا اس کا ثواب اس کو ملتا رہے۔

ایک حدیث میں ہے جب کوئی ناجائز کام کیا جاتا ہے تو جو شخص کسی مجبوری سے اس میں شریک ہے اور وہ اس کو پسند نہیں کرتا لیکن مجبوراً وہاں موجود ہے وہ حکم کے اعتبار سے ایسا ہے گویا شریک ہی نہیں اور جو شخص اس میں موجود نہیں ہے لیکن اس کو پسند کرتا ہے وہ ایسا ہے گویا اس میں شریک ہے۔ (مشکوۃ)

ایک حدیث قریب ہی آرہی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اپنے چھوٹے بچوں کی اعانت کے سلسلہ میں نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور اگر بوڑھے والدین کی مدد کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن ثابت کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، وہاں جا کر دیکھا کہ وہ چپ چاپ پڑے ہیں، آواز دی وہ اس پر بھی نہ بولے حضور نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن. پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ ہم تمہارے بارہ میں مغلوب ہو گئے۔ (یعنی تمہاری موت جو تقدیری امر تھا غالب آگئی) عورتیں یہ کلام سن کر یہ سمجھ گئیں کہ وفات ہو چکی ہے

أخرجه البخاری (الجهاد/يكتب للمسافر مثل ماكان يعمل في الاقامة ۲۹۹۶) واحمد (۴/۴۱۰) عن أبي موسى الاشعری رضي الله عنه.

أخرجه أحمد (۲/۲۰۳) والبغوی في شرح السنه (۱۴۲۳) عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما وقال الهيثمي في المجمع (۲/۳۰۳) رواه أحمد واسناده صحيح.

أخرجه ابوداود (الملاحم/ الامر والنهى ۴۳۴۵) والطبرانی في الكبير (۱۷/۱۳۹ رقم ۳۴۵) عن عرس بن عميرة الكندی.

أخرجه الطبراني في الكبير (۱۹/ رقم ۲۸۲) عن كعب بن عجرة وقال المنذري في الترغيب والترهيب (۳/۴۲) رجاله رجال الصحيح.

اس لئے رونے لگیں، ان کی صاحبزادی نے افسوس کے لہجہ میں کہا میں تو یہ امید کررہی تھی کہ تم شہید ہوکر جاؤ گے اس لئے کہ جہاد میں جانے کا سامان تیار رکھا ہوا ہے، حضور نے فرمایا کہ ان کو ان کی نیت کا اجروثواب ہوگیا، اورتم شہادت کس چیز کو سمجھتی ہو، انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے راستہ میں قتل ہوجانے کو، حضور نے فرمایا کہ قتل کے علاوہ سات قسمیں شہادت کی اور بھی ہیں، جو طاعون میں مرے وہ بھی شہید ہے، جو پانی میں غرق ہوکر مرے وہ بھی شہید ہے، جو ذات الجنب (نمونیہ) میں مرے وہ بھی شہید ہے، جو مطون ہو (اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں، بعض نے اس کی تفسیر استسقاء سے کی ہے بعض نے اسہال سے، بعض نے قولنج کہا ہے اور بعض نے پیٹ کی ہر بیماری) وہ بھی شہید ہے جو آگ میں جل کر مرجائے وہ بھی شہید ہے جو (چھت یا دیوار وغیرہ کے نیچے) دب کر مرجائے وہ بھی شہید ہے عورت اگر بچہ پیدا ہونے میں مرجائے وہ بھی شہید ہے۔ (مؤطا مالک)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب ان کی بیٹی نے عرض کیا کہ شہید ہونا اللہ کے راستہ میں قتل ہونے کو سمجھتے ہیں، تو حضور نے فرمایا کہ اس طرح تو میری امت کے شہید بہت کم رہ جائیں گے۔

اس کے بعد ان انواع کو ذکر فرمایا، ان کے علاوہ ساٹھ کے قریب اقسام موت کی ایسی ہیں جن میں شہادت کا درجہ نصیب ہونے کی بشارت احادیث میں آئی ہے اور ان کو ''اوجز المسالک'' کی دوسری جلد میں اس ناکارہ نے جمع کیا ہے۔

تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا سچا رسول تو امت محمدیہ کے فضائل اور ان کی خوبیوں میں ترقیات کے اسباب بہم پہنچائیں اور امت اس رحمت کو تنگ کرے، ہر شخص جو کسی دینی مشغلہ میں لگا ہوا ہے تعلیم ہو، تبلیغ ہو، جہاد ہو، سلوک ہو، وہ اپنے سلسلہ کے علاوہ باقی سب کو لغو، بے کار، وقت کی اضاعت، حتی کہ گمراہی کہنے سے بھی نہ جھجکے۔

☆☆☆

أخرجه مالک في المؤطا (الجنائز/ النهى عن البكاء على الميت ٣٦) وابوداود (الجهاد/فضل من مات بالطاعون رقم ٣١١١) واحمد (٤٤٦/٥) والحاكم (٣٥١/١) عن جابر بن عتيک رضي الله عنه.

أخرجه النسائى (الجنائز/النهى عن البكاء على الميت رقم ١٨٤٧) وابن ماجه الجهاد/من يرجى فيه الشهادة (قم ٢٨٠٣) عن جابر بن عتيک رضي الله عنه.

أوجز المسالک (٣٩٣/٤)

دین کوآسان بنانے کی ترغیب

دین اسلام جو ہر نوع سے نہایت سہل تھا اس کو مشکل بنایا جاتا ہے اور دینی ترقی کے لاتعداد ابواب کو اسی ایک باب میں منحصر کیا جاتا ہے جس پر وہ خود چل رہے ہیں اور اسکے علاوہ بقیہ سب ابواب کو گویا دین سے خارج کیا جاتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین (نہایت) سہل ہے اور جو اس میں تشدد کرتا ہے مغلوب ہوتا ہے، پس سیدھے سیدھے اور قریب قریب چلے چلو اور لوگوں کو (نیک اعمال پر) بشارتیں دو۔ (بخاری شریف)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سہولت پیدا کرو مشکلات پیدا نہ کرو، لوگ کو تسکین دو نفرت نہ دلاؤ۔ (درمنثور)

صاحب ''بہجۃ النفوس'' لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کس چیز کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عقل کے ساتھ یعنی احکام شرعیہ پر عقل کے ساتھ عمل کیا جائے۔

اسی لئے دوسری حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں عقل کے موافق بدلہ دیا جائے گا۔ (مجمع)

آپ نے عرض کیا کہ عقل کی ذمہ داری کون کرسکتا ہے (کہ ہر شخص عقل اور سمجھ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کم وبیش ہوتا ہے) حضور نے ارشاد فرمایا کہ عقل کی کوئی انتہا نہیں ہے لیکن جو شخص اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام جانے، وہ

أخرجه البخارى (الايمان/ الدين يسر ٣٩) والنسائي. الايمان وشرائعه ٥٠٣٧) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

أخرجه البخارى (العلم/ماكان النبى صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة... ٦٩) ومسلم (الجهاد/الاجر بالتيسير وترك التنفير ١٧٣٢) عن أبي موسى الاشعرى رضي الله عنه.

بهجة النفوس في شرح مختصر البخارى للشيخ أبي محمد عبدالله بن أبي جمرة الأندلسى (٦٩٩، ١/٧٠)

أخرجه البيهقى في الشعب (٤٦٣٦) عن ابن عمر رضي الله عنه، وأيضا (٦٣٨) عن معاوية بن قرة رضي الله عنه نحوه وقال ابن معين: هذا حديث باطل، كذا قال ابوحاتم، كماذكره السيوطى في ''اللألى المصنوعة'' (١/١١٥) وجمع السيوطى طرق هذا الحديث في ''اللالى'' فبلغ بها اربعة طرق لايخلو شئ منها عن مقال.

عاقل ہے اگر اس کے بعد (دین میں) اور کوشش کرے تو وہ عابد ہے اور اگر اور زیادہ کوشش کرے تو وہ جواد (جوانمرد) ہے۔

پس اگر کوئی شخص عبادت میں کوشش کرنے والا ہو اور نیک کاموں میں جواں مردی کرنے والا ہو لیکن ایسی عقل اس کو نہ ہو جو اللہ کی حلال فرمائی ہوئی چیزوں کے اتباع پر اور حرام کی ہوئی چیزوں سے رکنے پر پہنچادے، تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا میں ضائع ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں، اس لئے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جس چیز کو شریعت نے حلال کررکھا ہے اس کو حرام سمجھنا دینی بے عقلی ہے، اسی طرح دین کے ابواب میں تنگی کرنا یا ان میں اپنی طرف سے اصلاح کرنا عقل کی بات نہیں ہے۔

صاحب ''بہجہ'' کہتے ہیں: اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے نفس سے اس کا مطالبہ کرے کہ وہ تمام عبادتوں کو ہر طریقہ سے کمال پہنچائے وہ دو طرح سے مغلوب ہوگا، ایک اس وجہ سے کہ وہ کمال تک پہنچنے سے عاجز ہوگا۔

دین میں غلو کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنے کا حکم

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الْمُنبَتَّ لاَاَرْضًا قَطَعَ وَلاَ ظَھرًا اَبْقٰی''.

دوسرے اس وجہ سے کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات مختلف انواع عبادات کا بیک وقت اجتماع ہوگا اور اس صورت میں آدمی ایک ہی کو ادا کرسکتا ہے۔ صاحب ''بہجہ'' نے جس حدیث کے ٹکڑے کو ذکر کیا ہے یہ مختلف صحابہ سے نقل کی گئی ہے علامہ سخاوی نے احادیث مشہورہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ لیکن محدثین نے اس میں کلام بھی کیا ہے پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ: ''اِنَّ ھٰذَا الدِّیْنَ مَتِیْنٌ فَأَوْغِلُوْا فِیْهِ فَاِنَّ الْمُنبَتَّ لاَ اَرْضًا قَطَعَ وَلاَظَھْرًا اَبْقٰی''.

أخرجه أحمد (۳/۱۹۹) عن انس رضي اللّٰه عنه، والبيهقي (۴۷۴۳) عن جابر رضي اللّٰه عنه وأيضا (۴۶۳۸) عن عمرو بن العاص، والروايات متقاربة المعنى.

المقاصد الحسنة (ص ۳۹۱)

أخرجه البزار، كما في كشف الاستار (۱/۵۷،رقم ۷۴) عن جابر رضي اللّٰه عنه قال الهيثمي في المجمع (۱/۶۲) ''فيه يحى بن التوكل ابو عقيل، وهو كذاب'' اهـ وأخرجه البيهقي في ''الكبرى'' (۳/۱۹) عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنه، بأطول منه، وأخرجه احمد (۳/۱۹۹) عن انس رضي اللّٰه عنه مختصراً، قال الهيثمي في المجمع (۱/۶۲): رجاله موثقون الا ان خلف بن مهران لم يدرك أنسا'' اهـ

ترجمہ: یہ دین ایک مضبوط چیز ہے اس میں نرمی کے ساتھ تیز چلو، اس لئے کہ جس شخص نے سواری کو تھکا ڈالا اس نے نہ تو راستہ ہی قطع کیا نہ سواری ہی کو باقی رکھا کہ دوسرے وقت قطع مسافت کرسکتا، اسی لئے حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا'' سیدھے سیدھے اور قریب قریب چلو یعنی توسط کی رفتار رکھو، مندوبات میں اتنا توغل نہ کرو کہ فرائض میں کوتاہی ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ کو نہ دیکھا، نماز کے بعد بازار تشریف لے جارہے تھے راستہ میں ان کا مکان آگیا وہاں تشریف لے گئے اور ان کی والدہ سے دریافت فرمایا کہ آج صبح کی نماز میں سلیمان کو نہیں دیکھا، انہوں نے عرض کیا کہ رات بھر نوافل میں مشغول رہے نیند کے غلبہ سے آنکھ لگ گئی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں صبح کی نماز جماعت سے پڑھوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ تمام رات عبادت میں گذار دوں۔ ☆

تمام رات کی عبادت کتنی اہم چیز ہے لیکن چوں کہ جماعت کی نماز اس سے زیادہ مؤکد ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کو ترجیح دی، اور بھی بہت سی روایات اس مضمون کی مؤید ہیں کہ احکام شرعیہ میں بھی ہر چیز کا ایک درجہ ہے کہ اس سے نہ گھٹانا چاہیئے نہ بڑھانا۔

صرف اپنے ہی کام کو دین کا کام سمجھنا غلطی ہے

محض اس وجہ سے کہ ہم ایک کام میں لگے ہوئے ہیں یا ہمارے نزدیک ایک کام اہم ہے، باقی ساری عبادات پر، دوسرے سارے دینی کاموں پر پانی پھیر دینا سخت ناانصافی ہے، میرا مقصود یہ نہیں کہ اس کی ترغیب نہ دی جائے یا دوسروں کو اس طرف متوجہ نہ کیا جائے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ اس میں اتنا غلو نہ کیا جائے جو حدود سے متجاوز ہو جائے کہ نہ اس کے مقابلہ میں کوئی فرض رہے نہ واجب، نہ عذر رہے نہ معذرت، جو لوگ اس کے سلسلہ میں منسلک نہ ہوں وہ جہنمی بنا دیئے جائیں، وہ بے ایمان اور کافروں میں شمار کر دیئے جائیں، جیسے کہ بہت سی تقریروں اور تحریروں میں دیکھا جاتا ہے، اور بہت زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اونچے درجہ کے اکابر اور ذمہ دار حضرات کی زبان سے بھی ایسے لفظ نکل جاتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

☆ أخرجه مالک في الموطأ، (كتاب الجماعة رقم ۷)

ہے کہ جو شخص کسی کے بارے میں ایسی بات کو شائع کرے جس سے وہ بری ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو قیامت کے دن جہنم میں پگھلائیں گے، یہاں تک کہ اپنی بات کو سچا ثابت کرے۔ (درمنثور)

پگھلانے کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کی آگ میں ڈالدیں گے کہ اس کا بدن لہو پیپ بن کر پگھلتا رہے گا اور جب تک اپنی بات کو سچا ثابت نہ کرے گا اس وقت تک نکلنے کا حق نہ ہوگا، اور ظاہر ہے کہ جب ایسی بات کہی ہے جو دوسرے میں موجود ہی نہیں ہے تو اس کو ں سچا کیسے ثابت کرسکتا ہے، ایسی صورت میں پھر اسی کی مہربانی کی طرف توجہ کرنا پڑے گی جس پر جھوٹا الزام لگایا تھا کہ یا وہ معاف کردے یا اللہ جل جلالہ اپنے لطف سے اس کو معاوضہ دے کر راضی فرمائیں ورنہ اپنی نیکیاں ان کے حوالہ کریں اور نیکیاں اپنے پاس نہ ہوں تو ان کی برائیاں اپنے سر رکھیں، جو صورت بھی ہو بہرحال ندامت کتنی سخت ہوگی کہ آج جن کو سب وشتم کیا جارہا ہے کل ان کے سامنے ذلیل ہونا پڑے گا۔

سوال نمبر ۴: مسلمان تباہ ہوتے جارہے ہیں، آخر ان کو کیا کرنا چاہئے۔

جواب نمبر ۴: یہ صحیح ہے کہ مسلمان ہر نوع سے پریشان ہیں، انفرادی مشکلات مستقل گھیرے ہوئے ہیں، اور اجتماعی تفکرات علیحدہ دامن گیر ہیں، لیکن یہ سوال کہ ان کو کیا کرنا چاہئے، ایک عامی مسلمان کے قلم سے بھی موجب تعجب ہے چہ جائے کہ کسی ذی علم کے قلم سے، اسلام وہ مذہب ہے جس کے متعلق اللہ جل جلالہ نے اپنے پاک کلام میں تکمیل کا اعلان فرمایا اور اس پر احسان اور نعمت کے پورا کردینے کا تمغہ عطا فرمایا ہے، اور کن پیارے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا". (س مائدہ ع ۱)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور (اس تکمیل سے) تم پر اپنا انعام پورا کردیا، اور میں اس بات سے خوش ہوں (اور اس کو پسند کرتا ہوں) کہ تمہارا دین

أخرجه أبو داود (القضاء/ الرجل يعين على خصومة من غير أن يعلم أمرها ۳۵۹۷) وأحمد (۲/۷۰) والحاكم (۲/۲۷) وصححه ووافقه الذهبي- عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما.

(اور مذہب) اسلام ہو (یعنی مذہب اسلام تمہارے لئے مجھے پسندیدہ ہے اور یہی تمہارا مذہب ہے) کیا ہی مبارک تمغہ ہے، کتنا مسرور بنادینے والا امتیاز ہے، ایسے مکمل دین کے دعویدار، ایسے کامل مذہب کے پیرو، اس میں پریشان ہوں کہ مسلمان کیا کریں، اللہ پاک نے اور اس کے سچے رسول نے دین کی یا دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اور بات ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں احکام نہ بیان فرمادیئے ہوں، ان کے منافع اور نقصانات نہ بتادیئے ہوں اور پھر سب کچھ صرف زبانی تلقین اور کتابی تعلیم نہیں ہے، بلکہ اللہ کے سچے رسول اور رسول کی فریفتہ جماعت نے ان سب کو عملی جامہ پہنا کران پر عمل کرکے اس کا تجربہ بھی کرادیا ہے، الغرض دین ودنیا کی بہبود بھی رسول کے اتباع ہی میں مضمر ومنحصر ہے، مگر جب ہم لوگ رسول کے اتباع کو دقیانوسیت اور اس کی سنتوں پر مرمٹنے کو تنگ نظری سمجھیں تو آخرت کا جو حشر ہونے والا ہے وہ ظاہر ہے، اور دنیا کا جو رہورہا ہے وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک حرکت وسکون، صحابہ کرام اور محدثین عظام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طفیل آج کتابوں میں محفوظ ہے، ایک طرف اس کو سامنے رکھو، دوسری طرف امت کے حالات کو سامنے رکھو۔

مصائب وبلایا کے باطنی اسباب

حضور کی ایک ایک سنت دیدہ ودانستہ دلیری اور جرأت سے چھوڑی جارہی ہے، اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کا مقابلہ کیا جارہا ہے، اس کی طرف متوجہ کرنے والوں کو احمق اور دین کا ناسمجھ بتایا جارہا ہے، کیا اس ظلم عظیم کی کوئی حد ہے اور ایسی صورت میں مسلمانوں کو پریشانی کی شکایت کرنے کا کیا منہ ہے، اور تقریروں تحریروں میں اس شور مچانے کا کیا حق ہے کہ مسلمان تباہ ہوگئے۔

آنچہ برما است از ما است   خود کردہ را علاجے نیست

اللہ جل جلالہ نے صاف کھلے ہوئے الفاظ میں ارشاد فرمایا: "وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ" (س شوریٰ ع ۴)

ترجمہ: اور جو کچھ مصیبت تم کو (حقیقۃً) پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کی بدولت پہنچتی ہے، (اور ہر گناہ پر دنیا میں پکڑنے لگیں تو) تم زمین میں (کسی جگہ بھی پناہ لے کر) اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے، اور اللہ کے سوا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔

دوسری جگہ ارشاد پاک ہے: ”ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْنَ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ“. (س روم ع ۵)

ترجمہ: بر و بحر (یعنی خشکی اور تری غرض ساری دنیا) میں لوگوں کے اعمال کی بدولت فساد پھیل رہا ہے، (اور بلائیں، قحط، زلزلے وغیرہ نازل ہورہے ہیں) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ ان کو چکھادے، شاید کہ وہ اپنے ان اعمال سے باز آجائیں۔ اس قسم کے مضامین کلام پاک میں دو چار جگہ نہیں سیکڑوں جگہ وارد ہیں، پہلی آیت کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس آیت کی تفسیر تجھے بتاتا ہوں، اے علی! جو کچھ بھی تجھے پہنچے مرض ہو یا کسی قسم کا عذاب ہو، یا دنیا کی کوئی بھی مصیبت ہو، وہ اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کسی لکڑی کی خراش، یا کسی رگ کا حرکت کرنا، یا قدم کی لغزش، (ٹھوکر کھاجانا) یا پتھر کہیں سے آکر لگ جانا جو کچھ بھی ہوتا ہے کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی بندہ کو کوئی زخم یا اس سے بھی کم درجہ کی کوئی چیز جو پہنچتی ہے وہ کسی اپنی ہی کی ہوئی حرکت سے پہنچتی ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ کے بدن میں کوئی تکلیف تھی، لوگ عیادت کے لئے آئے اور افسوس کرنے لگے، فرمایا افسوس کی کیا بات ہے؛ کسی گناہ کی وجہ سے یہ بات پیش آئی ہے۔

أخرجه أحمد (۱/۸۵) وأبويعلى (۴۵۳) عن علي رضي الله عنه، وقال الهيثمي في المجمع (۷/۱۰۴) وفيه ازهر بن راشد وهو ضعيف، وانظر الدر المنثور ۵/۲۰۶) وتفسير ابن كثير (۴/۱۶۷۲)

ذكره السيوطي في الدر المنثور (۵/۲۰۶) معزواً الى سعيد بن منصور، وهناد، وعبد بن حميد، وابن المنذر، وابن أبي حاتم.

أخرجه الترمذي (التفسير/سورة الشورىٰ رقم ۳۲۵۲) عن ابى موسى رضي الله عنه، وقال: غريب، وانظر الدر المنثور (۵/۲۰۶)

أخرجه الحاكم (۲/۴۴۶) والبيهقي في الشعب (۹۹۷۳) وصححه الحاكم ووافقه الذهبي. وانظر رالدر المنثور (۵/۲۰۶)

حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن پاک پڑھ کر بھول جاتا ہے وہ کسی گناہ کی بدولت ہوتا ہے، پھر یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمانے لگے کہ قرآن شریف کو بھول جانے سے بڑھ کر مصیبت اور کیا ہوسکتی ہے۔[1]

حضرت اسماء (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی) کے سر میں درد ہوا تو سر پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگیں کہ میرے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ (درمنثور) (ابن کثیر)[2]

اگرچہ بعض اوقات مصائب اور حوادث کے اسباب کچھ اور بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور معصوم بچوں کو بھی ابتلاء ہوتا ہے جو اپنے مواقع پر مذکور ہیں، مجھے اس جگہ ان آیات و احادیث کی شرح کرنا مقصود نہیں ہے کہ جملہ احتمالات اور اشکالات کو ذکر کروں، میرا مقصود صرف یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں ایک ضابطہ ارشاد فرمایا گیا ہے، اور ان حوادث اور آفات کا ایک خاص سبب بیان کیا گیا ہے، اور وہ سبب اس قدر قوی ہے کہ اس کے زہریلے اثرات میں بسا اوقات وہ لوگ بھی گرفتار ہو جاتے ہیں جو ان معاصی میں مبتلا نہیں ہیں، چناں چہ ایک حدیث میں ارشاد ہے، حضور نے فرمایا اس امت کے آخر زمانہ میں خسف ہوگا، (زمین میں آدمیوں اور مکانوں کا دھنس جانا) اور مسخ ہوگا، (کہ آدمی کتے اور بندر وغیرہ کی صورتوں میں ہو جائیں گے)، اور قذف ہوگا (کہ آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے) کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس حالت میں بھی ہلاک ہوسکتے ہیں کہ ہم میں صلحا موجود ہوں؟ حضور نے فرمایا: ہاں! جب خباثت کی کثرت ہو جائے[3]۔ (اشاعۃ بروایۃ ترمذی وغیرہ)

خباثت کی کثرت کے وقت صلحا کی موجودگی میں بھی عذاب ہوسکتا ہے، اور یہ ارشاد تو متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے وارد ہوا ہے، کہ نیک کاموں کا آپس میں ایک دوسرے کو[4] حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو ورنہ حق تعالیٰ شانہ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیں گے۔

---

[1] أخرجه ابن ابی شيبة (۲۹۹۸۷) وانظر الدر المنثور (۵/۷۰٦) وتفسير ابن كثير (۴/۱٦۷۲)

[2] أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرىٰ (۸/۱۹۸) وانظر الدر المنثور (۵/۷۰٦)

[3] خرجه الترمذي (الفتن/ماجاء في الخسف ۲۱۸۵) عن عائشة رضي الله عنها وقال: غريب من حديث عائشة وللحديث شواهد كثيرة، بعض اسانيدها صحيح دون قوله: أنهلك وفينا الصالحون الخ.

[4] أخرجه الترمذي (الفتن/الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر ۲۱٦۹) وأحمد (۵/۳۸۸) عن حذيفة بن اليمان، رضي الله عنه وقال الترمذي: حسن.

بعض احادیث میں اس کے بعد ارشاد ہے کہ اس وقت اگر دعائیں بھی کی جائیں گی تو قبول نہ ہوں گی، ایک حدیث میں ہے کہ جس جماعت میں کوئی ناجائز بات جاری ہو اور وہ جماعت اس کے روکنے پر قادر ہو اور نہ روکے تو مرنے سے پہلے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس جماعت کو کسی عذاب میں مبتلا فرمادیں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک مرتبہ کسی آبادی کے الٹ دینے کا حکم فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ اس آبادی میں فلاں بندہ ایسا ہے جس نے کسی وقت بھی تیری نافرمانی نہیں کی، ارشاد ہوا کہ یہ صحیح ہے مگر میری وجہ سے کبھی بھی اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑا۔ مطلب یہ ہے کہ میری نافرمانیاں ہوتے ہوئے دیکھ کر رنج اور غصہ میں نہیں آیا کہ یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (مشکوۃ باب الامر بالمعروف)

اس قسم کی اور بھی سیکڑوں احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جن کا احاطہ دشوار ہے کہ ان میں ناجائز کاموں کو دیکھ کر کم از کم غصہ اور رنج نہ ہونے پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں، یعنی ان کے روکنے پر اگر قدرت نہ ہو تو کم سے کم درجہ ان کو دیکھ کر رنج ہونا تو ضروری ہے، اب ہم لوگ اپنے حالات کو دونوں قسم کے ارشادات پر جانچ لیں، کہ کس قدر معاصی اور گناہوں میں ہر وقت خود مبتلا رہتے ہیں، اور سابقہ آیات واحادیث کی بنا پر کتنے حوادث اور عذاب ہم پر مسلط ہونا چاہئیں، اور اس کے ساتھ ہی اپنے اعمال کو چھوڑ کر اللہ کی کتنی نافرمانیاں ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، اور پھر کتنا اضطراب اور بے چینی ہم کو ان کے دیکھنے سے ہوتی ہے، ایسی حالت میں کیا تو ہم لوگوں کی دعائیں قبول ہوں، اور کیا ہماری پریشانیاں دور ہوں، یہ تو اللہ کی رحمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت اور ان کی مقبول دعاؤں کی برکت ہے کہ سب کے سب ہلاک نہیں ہوجاتے۔ ہمارے حالات یہ ہیں کہ ہر معصیت ہمارے یہاں قابل فخر ہے، اور ہر بددینی ترقی کا راستہ ہے، اور ہر کفریات بکنے والا روشن خیال ہے، اور اس پر کوئی شخص نکیر کردے یا کرنا چاہے، وہ

أخرجه أبوداود (الملاحم /الامر بالمعروف والنهي عن المنكر ۴۳۳۹) وأحمد (۳۶۱/۴) وابن حبان في صحيحه (۳۰۲) عن جرير رضي الله عنه.

أخرجه الطبراني في الأوسط (۷۶۶۱) عن جابر رضي الله عنه وقال الهيثمي في المجمع (۲۷۰/۷) فيه: عبيد بن اسحاق العطاء وعمار بن سيف كلاهما ضعيف، ووثق عمارَ بن سيف ابن المبارك، وجماعة ورضى أبوحاتم عبيدَ بن اسحاق.

گردن زدنی ہے کٹھ ملا ہے، دنیا کے حالات سے اور ضروریات زمانہ سے بے خبر ہے، جاہل ہے، ترقی کا دشمن ہے، ترقی کے راستہ میں روڑے اٹکانے والا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تابکجا

ارکان اسلام میں مداہنت کی چند مثالیں

یہ تو کلی ارشادات تھے اب مثال کے طور پر چند جزئیات کو بھی دیکھتے جاؤ، مذہب اسلام میں ایمان کے بعد سب سے اہم درجہ نماز کا ہے، بہت سی احادیث میں نماز کے چھوڑنے کو کفر تک پہنچانے والا بتایا ہے، اسلام اور کفر کا امتیاز ہی نماز کو بتایا گیا ہے۔[1]

نماز کے چھوڑنے میں کتنے کتنے دینی اور دنیوی نقصانات ہیں ان کو مختصر طور پر، میں اپنے رسالہ ''فضائل[2] نماز'' میں ذکر کر چکا ہوں، یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں؛ لیکن کتنے مسلمان ہیں جو اس اہم فریضہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ نہ پڑھنے والوں کو ٹوکنے کی بھی کسی کی مجال نہیں ہے، کسی غریب مسلمان کو ٹوکا جا سکتا ہے لیکن کسی اعلیٰ طبقہ کے مسلمان کو بھی کہا جا سکتا ہے؟ جن لوگوں کی جیب میں چار پیسے ہیں یا کوئی معمولی سی حکومت یا ریاست ان کو ملی ہوئی ہے کسی کی مجال ہے کہ ان کو تنبیہ کر سکے؟ کیا ممکن ہے کہ ان کی عالی بارگاہ تک اس اہم فریضہ کے چھوڑنے پر نکیر پہنچ سکے، کوئی بھی کلمہ اس بارہ میں ان سے کہا جا سکے؟ اور اب تو اس سے بھی بڑھ کر ایک شخص ڈنکے کی چوٹ علی الاعلان کہتا ہے کہ نماز کوئی عبادت ہی نہیں، اس کو ٹوکنا در کنار اس کی مدح سرائی کی جاتی ہے، وہ علامہ ہے، مسلمانوں کے درد کا درمان ہے، وقت کی ضرورت کو سمجھنے والا ہے، اس کے خلاف جو آواز اٹھائے وہ جاہل ہے، دو رکعت کا امام ہے، جو نہ مصلحت وقت کو سمجھتا ہے نہ مسلمانوں کی ضرورت سے واقف ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔[3]

---

[1] أخرجه مسلم (الايمان/ إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة ۸۲) وأبو داود (السنة/ باب في رد الارجاء ۴۶۷۸) والترمذی (الایمان ۵/ماجاء في ترك الصلاة رقم ۲۶۲۰) عن جابر رضی الله عنه وقال حسن صحيح.

[2] یہ نماز کے بارے میں ایک مفصل رسالہ ہے جو ہر بڑے کتب خانے پر دست یاب ہے۔

[3] أخرجه النسائي (عشرة النساء/ حب النساء ۳۳۹۱) واحمد (۱۲۸/۳) والحاكم (۱۶۰/۲) عن أنس رضي الله عنه وقال: صحيح على شرط مسلم ووافقه الذهبي.

مگر ان کے اتباع کا دعویٰ کرنے والا شخص کہتا ہے کہ یہ ایک فالتو چیز ہے اس پر اس کو دقیق نظری، باریک بینی کا تمغہ ملتا ہے، یہ واقعات ہوں اور پھر مسلمان اپنے اوپر مصائب اور حوادث کی شکایت کریں، ایسے حالات میں ہم پر جو جو بلائیں نازل ہوں وہ سب اس سے کم ہیں جس کے ہم اپنے اعمال سے مستحق ہیں، اور صرف اللہ کا رحم ہے کرم ہے اس کی رحمت وحلم کی وسعت ہے کہ ہم صفحہ ہستی پر موجود ہیں۔

یہ تو ایک رکن ہوا، اب اسلام کے باقی ارکان روزہ، زکوۃ، حج میں سے کسی ایک کو لے لو، اور عالم پر ایک نگاہ ڈال کر اس کا حشر دیکھ لو، کہ ان ارکان پر عمل کرنے والے کتنے ہیں۔

محرمات پر جرأت

اب دوسری جانب محرمات میں ایک نہایت معمولی سی چیز شراب ہی کو دیکھ لو، کہ کتنے اسلام کی حمایت کے دعویدار اور ترقی اسلام پر مرمٹنے والے ایسے ہیں جو کس جرأت اور بے حیائی سے کھلم کھلا، علی الاعلان پیتے ہیں، قرآن شریف میں بار بار اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے، اور صاف لفظوں میں اس کے چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے پینے والے پر لعنت کی ہے، اس کے بنانے والے پر لعنت کی ہے، اس کے بنوانے والے پر لعنت کی ہے، اس کے بیچنے والے پر لعنت کی ہے، خریدنے والے پر لعنت کی ہے، لاد کر لے جانے والے پر لعنت کی، اور جس کے پاس لے جائی جائے اس پر لعنت کی ہے، اس کے پلانے والے پر لعنت کی ہے، اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی ہے۔ ●

دوسری حدیث میں ہے حضور نے ارشاد فرمایا: کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، اور فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! بیشک اللہ نے شراب پر لعنت فرمائی ہے، اور اسکے بنانے والے پر، اور بنوانے والے پر اس کے پینے والے پر اٹھا کر لیجانے والے پر اور جسکے پاس لے جائی جائے اس پر اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے پلانے والے پر، اور پلوانے والے

● أخرجه الحاكم (١٤٤/١) عن ابن عمر رضي الله عنه بتقديم وتاخير وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

پر، (یعنی کوئی اپنے ملازم وغیرہ کے ذریعہ سے دوسرے کو پلوائے، تو آقا پلوانے والا ہو، اور ملازم پلانے والا)۔

حاکم نے ان دونوں حدیثوں کو صحیح بتایا ہے۔ اب غور کرنے کی چیز ہے کہ اس ایک شراب کی بدولت کتنے آدمی ہیں جو اللہ کی لعنت میں داخل ہوتے ہیں اس کے سول کی لعنت میں داخل ہوتے ہیں، اب غور کرو جن لوگوں پر اللہ پاک اور اس کا وہ رسول جو امت پر سب سے زیادہ شفقت اور مہربانی کرنے والا تھا جو ہر وقت امت کی فلاح و کامیابی میں منہمک رہتا تھا، دونوں لعنت کرتے ہوں ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا، اور جو باوجود قدرت کے اس پر سکوت کریں نکیر نہ کریں، وہی کونسے کچھ دور ہیں، اس کے بعد اپنی حالت کو دیکھو کہ نکیر درکنار، کوئی نکیر کرنیوالا، اس فعل کو برا کہنے والا ہو تو وہ تنگ نظر ہے، خشک ملا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شراب سے بچو، وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

جب ہم لوگ برائیوں کا مقفل دروازہ اپنے ہاتھ سے کھولیں، پھر برائیوں کی شکایت کیوں کریں، جب ایک سچے اور پکے خبر دینے والے نے فرمادیا: کہ اس دروازہ کو کھولو گے تو فلاں چیز نکلے گی، ہم خود دروازہ کھولتے ہیں اور وہ چیز نکلتی ہے، تو واویلا کرتے ہیں، اس بے وقوفی کی کوئی حد بھی ہے۔

سود کا بیان

اسی طرح سود ہی کے مسئلہ کو دیکھ لو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ارشادات کو اول غور کرو، کہ اللہ جل جلالہ نے کس زور سے اس کے متعلق قرآن پاک میں تنبیہ اور ممانعت فرمائی، حتی کہ اپنی طرف سے اور اپنے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو اعلان جنگ فرمادیا ہے، جو سود کو نہ چھوڑیں چناں چہ ارشاد ہے:

أخرجه احمد (۳۱۶/۱) والحاكم (۱۴۵/۴) عن ابن عباس رضي الله عنهما. وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

أخرجه الحاكم (۱۴۵/۴) والبيهقي في الشعب (۵۵۸۸) عن ابن عباس رضي الله عنهما وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

”فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.“ (س بقرہ ع ۳۸)۔

ترجمہ : پس اگر تم ایسا نہ کرو (یعنی سود کا بقایا روپیہ جو لوگوں کے ذمہ ہے نہ چھوڑ دو)، تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے۔ چوں کہ زمانہ جاہلیت میں سود کے معاملات ہوتے تھے اس لئے یہ حکم نازل ہوا کہ جن کا سود کا روپیہ لوگوں کے ذمہ باقی ہے وہ بھی اب ہرگز وصول نہ کریں چہ جائیکہ از سر نو سود لیں، احادیث میں نہایت کثرت سے اس پر وعیدیں آئیں ہیں، کئی حدیثوں میں اس قسم کے ارشادات بھی وارد ہوئے ہیں کہ سود تہتر باب (گناہ کے) ہیں جن میں سے کم درجہ ایسا ہے جیسا کہ اپنی ماں سے کوئی زنا کرے، اور بدترین سود (کے حکم میں ہے) مسلمان کی آبروریزی کرنا۔

ایک حدیث میں ہے: ایسے گناہوں سے اپنے کو بچاؤ جن کی مغفرت نہیں ہے، ان میں سے سود بھی ہے جو شخص سود کھاتا ہے وہ قیامت کے دن میدان حشر میں پاگلوں کی طرح ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو گوشت سود کے روپیے سے پرورش پاتا ہے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

متعدد حدیثوں میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے پر، سود دینے والے پر، سودی روپے کی گواہی دینے والوں پر، سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔

أخرجه الحاكم (۲/۳۷) والبيهقي في الشعب (۵۵۱۹) عن ابن مسعود رضی الله عنه وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

أخرجه الطبراني في ”الكبير“ (۱۸/رقم ۱۱۰) عن عوف بن مالك رضي الله عنه، قال الهيثمي في ”المجمع“ (۴/۱۱۹): ”فيه الحسين بن عبدالاول، وهو ضعيف“ اهـ

أخرجه الطبراني في الأوسط (رقم۲۹۴۴) والصغير (۱/۸۲) والبيهقي في الشعب (۵۵۱۸) عن ابن عباس رضي الله عنهما، في الجمع (۴/۱۱۷) بعد عزوة الى الطبراني: فيه سعيد بن ابن رحمة، وهو ضعيف اهـ قلنا: قد تابعه حسين بن قيس بن الرحبي عن عكرمة متابعة قاصرة، عند البيهقي، واخرجه الحاكم (۴/۱۲۷) عن عبدالرحمان بن سمرة وابى بكر وعمر رضي الله عنهم وصحح حديث عبدالرحمان بن سمرة ووافقه الذهبي، وسكت هو والذهبى معا عن حديثى ابى بكر وعمر رضي الله عنهما.

أخرجه مسلم (المساقاة/لعن آكل الربا وموكله، رقم ۱۵۹۸) عن جابر رضي الله عنه.

وأخرجه أبوداود (البيوع/آكل الربا وموكله، رقم ۳۳۳۳) والترمذى (البيوع/آكل الربا، رقم ۱۲۰۶) وابن ماجه (التجارات/التغليظ في الربا، رقم ۲۲۷۷) عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه، وقال الترمذي: ”حسن صحيح“ وفى الباب عن علي رضي الله عنه عند أحمد (۱/۸۳)

جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنت کریں اس کا کیا حشر ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس قوم میں زنا کاری، سودخواری شائع ہو جائے اس قوم نے اللہ کے عذاب کے واسطے اپنے کو تیار کرلیا ہے۔ *

ان ارشادات کو ذہن نشین کرنے کے بعد، آج کل کے معاملات کو شرعی قواعد سے جانچو، کتنے معاملات ایسے ہیں جن میں سودی لین دین کھلم کھلا ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جائز بنایا جاتا ہے اس کے جواز پر رسالے لکھے جاتے ہیں، کوئی غریب اس کے خلاف آواز اٹھائے تو اس پر جھوٹے سچے الزامات لگائے جاتے ہیں، اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس کی بات نہ سنی جائے۔ یہ دو ایک مثالیں اجمالی طور پر میں نے ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ بقیہ احکام شرعیہ کو تم خود دیکھ لو غور کرلو، جتنے احکام کرنے کے ملیں گے ان میں تغافل، تساہل بلکہ انکار ملے گا، اور جتنے امور نہ کرنے کے ہوں گے، ناجائز ہوں گے، حرام ہوں گے، ان پر جرأت و بے باکی اور ان میں نہایت کثرت سے کھلم کھلا ابتلاء ملے گا، اول تو ان پر ٹوکنے والا روکنے والا ملے گا نہیں اور اگر کسی جگہ کوئی ایک آدھ پرانے خیال والا ملے گا تو اس کا جو حشر ہو رہا ہوگا وہ اظہر من الشّمس ہے، ان خصوصی مثالوں کے بعد اجمالی طور پر اب میں چند حدیثیں صرف نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں، جن سے اندازہ ہو جائے گا، کہ ہم لوگوں کی پریشانیاں حوادث، مصائب ہمارے خود اکٹھے کئے ہوئے ہیں، اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان سچا سمجھتے ہیں، تو ان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ حضور نے جس قسم کے اعمال پر، جس قسم کے عذاب اور پریشانیوں کا مرتب ہونا ارشاد فرمایا ہے، وہ ہو کر رہیں گے، اگر ہم ان سے بچنا چاہتے ہیں، تو ان اعمال کو چھوڑ دیں، ہم لوگ آگ میں کود جائیں اور شور مچائیں کہ جل گئے جل گئے اس سے کیا فائدہ؟

معاصی پر مصائب کی احادیث

ان احادیث کو غور سے مطالعہ کرو اور کثرت سے دیکھا کرو۔

---

* أخرجه أحمد (۱/۴۰۲) وأبو يعلىٰ (رقم ۴۹۸۱) عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه، قال الهيثمي في الجمع (۴/۱۸۱) "رواه ابويعلى، واسناده جيد" اهـ وكذا قال المنذري في الترغيب (۳/۶)

عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً، حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ، قِيْلَ: وَمَا هِیَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دَوْلاً، وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكوةُ مَغْرَمًا، وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ اُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيْقَهُ، وَجَفَا اَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ، وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ، وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخر هٰذِهِ الْاُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا، اَوْ خَسْفًا، اَوْ مَسْخًا.“ [*]

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میری امت یہ پندرہ کام کرنے لگے گی تو اس پر بلائیں نازل ہونے لگیں گی، (۱) غنیمت کا مال ذاتی دولت بن جائے۔ (۲) امانت ایسی ہوجائے جیسا غنیمت کا مال۔ (۳) زکوۃ کا ادا کرنا تاوان سمجھا جائے (کہ جیسے تاوان ادا کرنا مصیبت ہوتا ہے ایسے ہی زکوۃ ادا کرنا تاوان مصیبت بن جائے) (۴،۵) بیویوں کی فرمانبرداری کی جائے اور ماں کی نافرمانی کی جائے۔ (۶،۷) دوستوں اور یاروں سے نیکی کا برتاؤ کیا جائے اور باپ کے ساتھ ظلم کا برتاؤ کیا جائے۔ (۸) مسجدوں میں شور وشغب ہونے لگے۔ (۹) رذیل لوگ قوم کے ذمہ دار سمجھے جائیں۔ (۱۰) آدمی کا اکرام اس وجہ سے کیا جائے کہ اس کے شر سے محفوظ رہیں (یعنی وہ اکرام کے قابل نہیں مگر اس وجہ سے اس کا اعزاز کیا جائے کہ وہ کسی مصیبت میں نہ مبتلا کردے) (۱۱) شراب (علی الاعلان) پی جائے (۱۲) (مرد) ریشمیں لباس پہنیں (۱۳) گانے والیاں (ڈومنیاں کنچنیاں وغیرہ) مہیا کی جائیں۔ (۱۴) باجے بنائے جائیں (کہ عام طور سے استعمال کئے جائیں) (۱۵) امت کے پہلے لوگوں کو (صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کو) برا کہا جائے، تو امت کے لوگ اس وقت سرخ آندھی اور زمین میں دھنس جانے، اور صورتیں مسخ ہوجانے (اس قسم کے عذابوں) کا انتظار کریں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضِیَ اللّٰه عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”اِذَا اتُّخِذَ الْفَيْءُ دَوْلاً، وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا، وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ، وَعَقَّ اُمَّهُ، وَأَدْنٰى صَدِيْقَهُ، وَأَقْصٰى أَبَاهُ، وظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی

[*] أخرجه الترمذي (الفتن/ علامة حلول المسخ والخسف، رقم ۲۲۱۰) عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه، وقال: ”هذا حديث غريب، لانعرفه من حديث علي الا من هٰذا الوجه“.

الْمَسَاجِد، وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ، وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ، وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ، وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَآءَ، وَزَلْزَلَةً، وَخَسْفًا، وَمَسْخًا، وَقَذْفًا، وَاٰيَاتٍ تُتَابِعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قَطَعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ. رواهما الترمذی وذکر هما فِي الْمِشْكوٰةِ بِرِوَايَتِهٖ وذكر صاحب الْاِشَاعَةِ حَدِيْثَ عَلِيٍّ بِاَطْوَلَ مِنْهُمَا وفِی مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ مِنْ حَدِيْثِ عَوْفٍ بِنَحْوِهٖ "وَقَعَدَتِ الْحُمْلَانُ عَلَى الْمَنَابِرِ وَاتُّخِذَ الْقُرْاٰنُ مَزَامِيْرَ".

دوسری حدیث میں ہے کہ جب بیت المال کا مال ذاتی دولت بن جائے امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے، اورزکوۃ تاوان بن جائے، اورعلم کو دین کے واسطے نہ سیکھا جائے (بلکہ دنیوی اغراض مال ودولت وجاہت وغیرہ کے لئے سیکھا جائے) بیوی کی اطاعت ہو، اور ماں کی نافرمانی، یاروں سے قرب ہواور باپ سے دوری ہو، مسجدوں میں شوروشغب ہونے لگے، فاسق لوگ سردار بن جائیں، رذیل لوگ قوم کے ذمہ دار بن جائیں، برائی کے ڈر سے آدمی کا اعزاز کیا جائے، گانے والیاں اور باجے کھلم کھلا استعمال کئے جائیں، شرابیں پی جائیں، اور امت کے پہلے لوگوں کو برا بھلا کہا جائے، تو اس وقت سرخ آندھی اور زلزلہ اور زمین میں دھنس جانے اور صورت مسخ ہوجانے اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کریں۔

تیسری حدیث میں ان دونوں کے قریب قریب مضمون ہے اور یہ بھی ہے، کہ کم عمر بچے ممبروں پر وعظ کہنے لگیں۔

فائدہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کو شمار کیا ہے، ان میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو اس

أخرجه الترمذي (الفتن/علامة حلول المسخ والخسف، رقم (۲۲۱۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وقال: هٰذا حديث غريب لانعرفه الا من هذا الوجه".

الاشاعة (ص ۱۲۵) وعزاه الى أبي الشيخ، وعويس، والديلمي.

أخرجه الطبراني في "الكبير" (۱۸/رقم ۹۱) عن عوف بن مالك رضي الله عنه، قال الهيثمى في الجمع (۷/۳۲۴): "فيه عبدالحميد بن ابراهيم، وثقه ابن حبان، وهو ضعيف، وفيه جماعة لم اعرفهم" اھ۔

زمانہ میں نہایت شدومد سے شائع نہیں ہے، ایک ایک جز کو ان اجزا میں سے لو اور دنیا کے حالات پر نظر کرو تو یہ معلوم ہوگا کہ ساری دنیا اسی میں مبتلا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت کا غلبہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس قوم کے دلوں میں دشمنوں کا خوف ڈال دیں گے اور جس قوم میں زنا کی کثرت ہوگی اس قوم میں اموات کی کثرت ہوگی اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی اس کی روزی میں کمی ہوگی، اور جو جماعت حق کے خلاف فیصلے کریں گی، اس میں قتل کی کثرت ہوگی اور جو لوگ بدعہدی میں مبتلا ہوں گے ان پر اللہ جل شانہ کسی دشمن کو مسلط فرمادیں گے۔ (مشکوۃ)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ (خاص طور سے) متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہوجاؤ گے، اور خدا نہ کرے کہ تم ان میں مبتلا ہو، (تو ان کے عذاب مسلط ہوجائیں گے)، ایک یہ کہ جس قوم میں فاحشہ (زنا وغیرہ) کھلم کھلا ہونے لگے، اس میں طاعون اور ایسی نئی نئی بیماریاں ہوں گی جو پہلے کبھی نہ سنی ہوں گی، اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی وہ قحط، اور مشقت، اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہوگی اور جو لوگ زکوۃ روکیں گے، ان سے بارش بھی روک لی جائے گی، اگر (بے زبان) جانور نہ ہوں تو ذرا بھی ان پر بارش نہ برسائی جائے، (مگر جانوروں کی ضرورت سے تھوڑی بہت ہوگی) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑیں گے وہ دشمنوں میں گھر جائیں گے، اور جو لوگ ناحق کے احکام جاری کریں گے، وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے۔ (ترغیب)

اور یہ مضمون تو متعدد روایات میں آیا ہے کہ زنا کی کثرت فقر کو پیدا کرتی ہے۔

مشكاة (ص ۴۵۹) أخرجه مالک في الموطا (الجهاد/رقم ۲۶) عن يحيىٰ بن سعيد انه بلغه عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال ابن عبدالبر في "الاستذكار" (۱۴/۲۱۱) : "مثل هذا لايكون الا توقيفاً، لانه لايروى بالرأى، وقد روينا هذا الحديث عن ابن عباس متصلاً". اهـ

أخرجه ابن ماجه (الفتن/العقوبات، رقم ۴۰۱۹) عن عبدالله بن عمر رضي الله عنه، قال البوصيرى في "الزوائد" (ص ۵۱۸): "هذا حديث صالح للعمل به" اهـ وانظر "الترغيب" للمنذرى (۲/۳۵۸)

أخرجه البيهقي في "شعب الايمان" (باب ۳۷، رقم ۵۴۱۷) و(۵۴۱۸) عن ابن عمر رضي الله عنه، وفى أحد اسناديه: الماضى بن محمد، وهو ضعيف" اهـ وأخرجه البزار (كما في كشف الستار ۲/رقم (۱۵۹۰) في حديث طويل، بنحوه.

وقال الهيثمى في الجمع (۵/۱۹۶) : فيه سعيد بن سنان أبو مهدى، وهو متروک" اهـ

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قوم بدعہدی کرتی ہے اس میں آپس میں خونریزی ہوتی ہے، اور جس قوم میں فحش (زنا وغیرہ) کی کثرت ہوتی ہے، اس میں اموات کی کثرت ہوتی ہے، اور جو جماعت زکوۃ کو روک لیتی ہے، ادانہیں کرتی اس سے بارش روک لی جاتی ہے۔[1]

ایک حدیث میں ہے کہ جن لوگوں میں رشوت کی کثرت ہوتی ہے ان کے دلوں پر رعب کا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ (ہر شخص سے مرعوب رہتے ہیں)[2]

حضرت کعب کہتے ہیں کہ اس امت کی ہلاکت بدعہدی سے ہوگی[3]۔ (درمنثور)

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اس امت میں ایک جماعت رات کو کھانے پینے اور لہولعب میں مشغول ہوگی، اور صبح کو بندر اور سور کی صورتوں میں تبدیل ہوجائے گی، اور بعض لوگوں کو زمین میں دھنس جانے کا عذاب ہوگا، لوگ کہیں گے کہ آج رات فلاں خاندان دھنس گیا اور فلاں گھر دھنس گیا، اور بعض لوگوں پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے، جیسے کہ قوم لوط پر برسائے گئے تھے اور بعض لوگ آندھی سے تباہ ہوں گے، اور یہ سب کیوں ہوگا؟ ان حرکتوں کی وجہ سے: شراب پینے کی وجہ سے، ریشمی لباس پہننے کی وجہ سے، گانے والیاں رکھنے کی وجہ سے، سود کھانے کی وجہ سے اور قطع رحمی کی وجہ سے (حاکم نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے[4]۔ (درمنثور)

ایک حدیث میں ہے کہ جس طاعت کا ثواب سب سے زیادہ جلدی ملتا ہے، وہ صلہ رحمی ہے، حتی کہ بعض گھرانے والے گناہ گار ہوتے ہیں، لیکن صلہ رحمی کی وجہ سے ان کے مال بڑھ جاتے ہیں اور اولاد کی بھی کثرت ہوجاتی ہے، اور سب سے زیادہ جلد عذاب لانے والے گناہ، ظلم

---

[1] أخرجه الحاكم في المستدرک (۱۲۶/۳) عن بريدة رضي الله عنه، وقال: "هذا حديث صحيح على شرط مسلم" ووافقه الذهبي.

[2] أخرجه أحمد (۲۰۵/۴) عن عمرو بن العاص رضي الله عنه، قال الهيثمي في الجمع (۱۱۸/۴): "وفيه من لم أعرفه" وقال المنذري في "الترغيب" (۱۲۶/۳): "رواه احمد باسناد فيه نظر" اهـ.

[3] ذكره السيوطي في "الدر المنثور" (الاسراء/الاية ۳۴، ۳۲۸/۴) معزوا الى ابن أبي حاتم.

[4] أخرجه الحاكم في المستدرک (۵۱۵/۴) وأبو داود الطيالسي (رقم ۱۱۳۸) وأحمد (۲۵۹/۵) مختصراً عن أبي امامة رضي الله عنه، قال الحاكم: "هذا حديث صحيح على شرط مسلم" وقال الذهبي في التلخيص: "صحيح" اهـ

اور جھوٹی قسم ہے، کہ یہ مال کو بھی ضائع کرتے ہیں اور عورتوں کو بانجھ کردیتے ہیں، (کہ اولاد پیدا نہیں ہوتی) اور آبادیوں کو خالی کردیتے ہیں۔ (درمنثور) یعنی اموات کی کثرت ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر گناہ کا عذاب حق تعالیٰ شانہ جب تک چاہتے ہیں، مؤخر فرمادیتے ہیں، لیکن والدین کی نافرمانی کا وبال بہت جلد ہوتا ہے، زندگی ہی میں مرنے سے پہلے پہلے اس کا وبال بھگتنا پڑتا ہے۔ (در)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم عفیف رہو، تو تمہاری عورتیں بھی عفیف رہیں گی، تم اپنے والدین کی ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو، تو تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ کریں گی۔ (در)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اور کتنے اہتمام سے فرمایا ہے، فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے رہو، (لوگوں کو تبلیغ کرتے رہو) اور بری باتوں سے روکتے رہو، ورنہ حق تعالیٰ شانہ تم پر عذاب نازل فرمائیں گے، اور تم لوگ اس وقت دعا بھی کروگے تو قبول نہ ہوگی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیک کاموں کے کرنے

أخرجه الطبراني في "الاوسط" (رقم ۱۰۹۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال الهيثمي في "المجمع" (۱۸۰/۴): "وفيه ابوالدهماء الأصعب، وثقه النفيدى، وضعفه ابن حبان" اهـ، وفى الباب عن عبدالرحمان بن عوف رضي الله عنه، عند البيهقي في الشعب (باب ۵۲، رقم ۷۴۷۱) وعن عائشة رضي الله عنها مختصراً عند ابن ماجه (الزهد/ البغي، رقم ۴۲۱۲)، قال البوصيرى في "الزوائد" (ص۵۴۷): "فيه صالح بن موسىٰ الطلحى، وهو ضعيف".

أخرجه الحاكم في المستدرك (۱۵۶/۴) عن أبي بكرة رضي الله عنه، وقال: "صحيح الاسناد" وتعقبه الذهبي بقوله: "بكار ضعيف".

أخرجه الحاكم في المستدرك (۱۵۴/۴) عن أبي هريرة، وجابر رضى الله عنهما، وقال في حديث ابى هريرة: 'صحيح الاسناد" وتعقبه الذهبي بقوله: "بل سويد ضعيف" وسكت عن حديث جابر، وقال الذهبي: "على بن قتيبة: قال ابن عدى: روى الأباطيل" اهـ وفى الباب عن ابن عمر رضى الله عنهما عند الطبراني في الأوسط (رقم: ۱۰۰۲) قال الهيثمى (۱۳۸/۸): رجاله رجال الصحيح غير شيخ الطبراني أحمد غير منسوب" اهـ قلنا هو أحمد بن دواؤد المكى، وهو ثقة، نسبه الطبراني في أول حديث. وعن عائشة رضي الله عنها عند الطبراني في الأوسط أيضا، (قم ۲۲۹۵) قال الهيثمى في المجمع (۱۳۹/۸) : "فيه خالد بن يزيد العمرى، وهو كذاب" اهـ

أخرجه أحمد (۳۸۹/۵، ۳۹۱) والترمذى (الفتن/الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر، رقم ۲۱۶۹) عن حذيفة ابن اليمان رضي الله عنه، وقال الترمذي: "هذا حديث حسن".

کا حکم اور بری باتوں سے روکنا) کرتے رہو اس سے قبل کہ ایسا وقت آجائے کہ جس میں تم دعا کرو تو وہ بھی قبول نہ ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ چند آدمیوں کے کسی (ناجائز) کام کے کرنے سے عام عذاب نازل نہیں فرماتے، جبتک کہ ان لوگوں کے سامنے وہ کام کیا جائے اور وہ اسکے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں؛ جب یہ نوبت آجائے تو پھر عام وخاص سب ہی کو عذاب ہوتا ہے۔ (در)

یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج کل نئی نئی آفات، زلزلے، طوفان، قحط، ریلوں کا ٹکرانا وغیرہ ایسے ایسے حوادث روزمرہ کے ہوگئے ہیں جن کی حد نہیں، نئے نئے امراض، نئے نئے مصائب ایسے روزافزوں ہیں، جو پہلے کبھی برسوں میں بھی نہیں پیش آتے تھے، اخباربین حضرات اس سے بہت زیادہ واقف ہیں، اور چوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بھی تقریباً بند ہے، اس لئے دعاؤں کے قبول ہونے کی امید بھی مشکل ہے، نمازوں کے بعد دعاؤں کے اعلان کر دینے سے کیا کفایت ہو جب کہ دعا قبول نہ ہونے کے ہم اسباب خود اختیار کریں بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

أخرجه أحمد (۱۵۹/۶) وابن ماجه (الفتن/الامر بالمعروف، والنهى عن المنكر، رقم ۴۰۰۴) وابن حبان في صحيحه (رقم ۲۹۰) عن عائشة رضي الله عنها، وسكت عنه البوصيرى في "الزوائد" (ص ۵۱۵).

أخرجه أحمد (۱۹۲/۴) والطبراني في الكبير (۱۷/رقم ۳۴۴) عن عدى بن عدى بن عميرة الكندى، حدثنى مولى لنا عن جدى، فذكره، والطبراني أيضا (۲۴۳/۷) عن عدى بن عدى بن عميرة، عن العرس بن عميرة، قال الهيثمي في المجمع (۲۶۷/۷): "فيه رجل لم يسم، وبقية رجال أحد الاسنادين ثقات" اهـ

وفى الباب عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه عند أبي داود (الملاحم/الامر والنهى، رقم ۴۳۳۸) والترمذى (الفتن/نزول العذاب اذا لم يغير المنكر، رقم ۲۱۶۸) وقال: "حسن صحيح" وابن ماجه (الفتن/الامر بالمعروف والنهى عن المنكر، رقم ۴۰۰۵) وعن جرير بن عبدالله رضى الله عنه نحوه عند ابى داود في الموضع المذكور (رقم ۴۳۳۹) وابن ماجه في الموضع المذكور (رقم ۴۰۰۹)

أخرجه أبوداود (القضاء/كراهية الرشوة، رقم ۳۵۸۰) والترمذى (الاحكام/الراشى والمرتشى في الحكم، رقم ۱۳۳۷) وابن ماجه (الاحكام/التغليظ في الحيف والرشوة، رقم ۲۳۱۳) عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنه، وقال الترمذي: "حسن صحيح".

و في الباب عن أبي هريرة رضي الله عنه عند الترمذي في الموضع المذكور (رقم ۱۳۳۶) وقال: "حسن صحيح".

وفى الباب احاديث أُخَر ذكرها الهيثمى في المجمع (۱۹۹/۴)

اور بعض روایات میں تیسرا شخص رائش (یعنی جو درمیانی واسطہ رشوت دینے میں ہو) اس پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔

اب دیکھو کہ کتنے آدمی اس بلا میں مبتلا ہیں اور جن پر اللہ کا سچا اور مقبول رسول لعنت کرے ان کا کیا حشر ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ظلم نہ کرو کہ تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہ ظالم کو مہلت دیتے ہیں (شاید باز آجائے) لیکن جب پکڑتے ہیں پھر وہ چھوٹ نہیں سکتا۔

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ، اِنَّ أَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ"

ترجمہ: اور آپ کے رب کی داروگیر ایسی سخت ہے جب وہ کسی بستی والوں پر جو ظالم ہوں داروگیر کرتا ہے بے شک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دہ اور سخت ہے اب دنیا کے مظالم کو دیکھو اور پھر سوچو کہ جب اللہ کی پکڑ سختی سے ہو تو مصائب اور پریشانیوں کی کیا انتہا ہوسکتی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے، خواہ وہ فاجر ہی کیوں نہ ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ (ترغیب، حصن حصین)

ایک حدیث میں آیا ہے اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں، میرا غصہ اس شخص پر نہایت سخت

أخرجه أحمد (۵/۲۷۹) والحاكم في المستدرك (۴/۱۰۳) والطبراني في الكبير (رقم ۱۴۱۵) عن ثوبان رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (۴/۱۹۸) بعد غزوه الى أحمد، والبزار، والطبراني: "وفيه ابوالخطاب، وهو مجهول" اهـ وكذا قال المنذري في الترغيب (۳/۱۲۶) قلت: "واسناد الحاكم منقطع، لسقوط أبي الخطاب عنه.

أخرجه الطبراني في الاوسط (كما في مجمع البحرين، (الخلافة/مجانبة الظلم، رقم ۲۵۵۳، ومجمع الزوائد (۵/۲۳۵) عن ابن مسعود رضي الله عنه، قال الهيثمي: "وفيه من لم اعرفه" اهـ

أخرجه البخاري (التفسير/سورة هود، وكذلك أخذربك الخ"، رقم ۴۶۸۶) ومسلم (البر/تحريم الظلم، رقم ۲۵۸۳) عن أبي موسى الاشعري رضي الله عنه.

أخرجه أحمد (۲/۳۶۷) عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال المنذري في الترغيب (۳/۱۳۰): 'رواه أحمد باسناده حسن" اهـ

أخرجه أحمد (۳/۱۵۳) من طريق أبي عبدالله الاسدي عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال المنذري في الترغيب (۳/۱۳۰): رواته الى ابى عبدالله محتج بهم في الصحيح، وأبوعبدالله لم أقف فيه على جرح وتعديل" اهـ

ہوتا ہے جو کسی ایسے شخص پر ظلم کرے جو میرے سوا کوئی مددگار نہیں رکھتا۔ (المعجم الصغیر)

بترس آز آہ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن

اجابت از درِ حق بہراستقبال مے آید

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو زمین والوں پر رحم نہیں کرتا آسمان والے اس پر رحم نہیں کرتے۔ (ترغیب)

ایسی حالت میں جب مظلوموں کی بددعائیں روز افزوں ہوں، اور آسمان والے رحم نہ کریں تو بجلیاں، اولے، طوفان، جتنے بھی آئیں قرینِ قیاس ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو کہ اس کے قبول ہونے میں کوئی چیز حائل نہیں۔

ایک حدیث میں آیا کہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے چاہے وہ فاسق وفاجر ہی کیوں نہ ہو۔

ایک حدیث میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ (حصن)

ایک حدیث میں وارد ہے کہ میری امت خیر اور بھلائی پر رہے گی جب تک کہ ان میں حرامی بچوں (زنا کی اولاد) کی کثرت نہ ہو اور جب ان کی کثرت ہوگی تو حق تعالیٰ شانہ اس امت کو ایک عام عذاب میں مبتلا فرمائیں گے۔ (ترغیب)

أخرجه الطبراني في الاوسط (رقم ۲۲۰۷) وفي الصغير (۱/۳۱) عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه.

قال الهيثمي في المجمع (۴/۲۰۶): فيه مسعر بن الحجاج النهدي، كذا هو في الطبراني، ولم أجد الا مسعر بن يحيى النهدي، ضعفه الذهبي بخبر ذكره له" اهـ

أخرجه الطبراني في "الكبير" (رقم ۲۴۹۷) عن جرير بن عبدالله رضي الله عنه.

قال المنذري في "الترغيب" (۳/۱۴۰) : "رواه الطبراني باسناد جيد قوى" اهـ

أخرجه البخارى (الزكاة/ أخذ الصدقة من الأغنياء، رقم ۱۴۹۶) ومسلم (الايمان/ الدعاء الى الشهادتين وشرائع الاسلام، رقم ۱۹) عن ابن عباس رضي الله عنه.

تقدم تخريجه ص ۸۵، رقم الحاشية: ۱.

أخرجه ابن حبان في صحيحه (رقم ۳۶۲) وأبو نعيم في "الحلية (۱/۲۲۱، ۲۲۳، رقم ۵۵۱) عن أبي ذر رضي الله عنه في حديث طويل، قال الهيثمى في "موارد الظمآن (ص ۵۴، رقم ۹۴): "فيه ابراهيم بن هشام بن يحي الغساني: قال أبو حاتم وغيره: كذاب" اهـ

أخرجه احمد (۶/۳۳۳) وأبويعلى (رقم ۷۰۹۱) والطبراني في الكبير (۲۴/رقم ۵۵) عن ميمونة رضي الله عنها، قال المنذري في الترغيب (۳/۱۹۱): اسناده حسن، وفيه ابن اسحاق، وقد صرح بالسماع" اهـ وقال الهيثمي في المجمع (۶/۲۵۷) بعد الكلام على رواته: "فالحديث صحيح او حسن" اهـ

مخفی حرام کاریوں کا تو کیا ذکر، کوئی بڑے سے بڑا شہر کا یا چھوٹے سے چھوٹا قصبہ بھی ایسا ہے، جہاں کھلم کھلا علی الاعلان زنا کی کثرت اور حرامی بچوں کی پیداوار نہ ہوتی ہو اور میونسپلٹی کے مسلم ممبران اس پر مجبور نہ ہوں کہ اس بے پدری اولاد کی روزافزوں پیداوار کے لئے مستقل جگہوں کا انتظام کریں، اور ان کے مکانات کے لئے وسیع جگہ مہیا کریں، حضور کا ارشاد ہے کہ جس آبادی میں سود خواری اور زنا کاری علی الاعلان ہونے لگے تو سمجھ لو کہ وہاں کے لوگ اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو اتارے ہیں۔ (ترغیب)

ذرا غور کرو کتنے آدمی ہیں، جو اس بدکاری میں مبتلا ہیں اور کتنے مہذب اور شریف آدمی ہیں جو اس سیہ کاری کے لئے مکانات کرایہ پر دیتے ہیں اور کتنے دین دار میونسپل کمشنر ایسے ہیں جو اس ذلیل کام کے لئے جگہوں کا انتظام کرنے پر مجبور ہیں۔

بہت سی صحیح حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو یا تصویر ہو (رحمت کے) فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔

ابو وائلؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ملک شام کے ایک غزوہ میں شریک تھا، ایک جگہ ٹھہرنا ہوا، وہاں کا رئیس حضرت عمرؓ کو تلاش کرتا ہوا (زیارت کے شوق میں) آیا، جب حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو ان کو سجدہ کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ سجدہ کیسا؟ اس نے عرض کیا کہ ہمارا اپنے بادشاہوں کے ساتھ یہی معمول ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا سجدہ اسی معبود کو کر جس نے تجھے پیدا کیا ہے، اس کے بعد اس نے درخواست کی، کہ میں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا ہے، غریب خانہ پر تشریف لے چلیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا تیرے مکان میں تصویریں تو نہیں ہیں؟ اس نے عرض کیا تصویریں تو ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہم اس میں نہیں جاتے۔ تو ایک قسم کا کھانا بھیج دینا، اس نے بھیج دیا اور حضرت عمرؓ نے تناول فرمالیا۔ (حاکم)

أخرجه الحاكم في المستدرك (۲/۳۷) والطبراني في الكبير (رقم ۴۶۰) عن ابن عباس رضي الله عنهما، وقال الحاكم "صحيح الاسناد" ووافقه الذهبي.

أخرجه البخاري (بدء الخلق/باب اذا وقع الذباب في شراب أحدكم الخ رقم ۳۳۲۲) و (اللباس/التصاوير، رقم ۵۹۴۹) ومسلم (اللباس/تحريم صورة الحيوان الخ رقم: ۲۱۰۶): عن أبي طلحة رضي الله عنه، وفي الباب عن ابن عمر عند البخاري (اللباس/ لاتدخل ملائكة بيتا فيه صورة (رقم ۵۹۰۶) وعن عائشة رضي الله عنها عند مسلم (اللباس/تحريم صورة الحيوان الخ، رقم ۲۱۰۴).

أخرجه الحاكم في المستدرك (۲/ ۸۲، ۸۳) عن أبي وائل، وقال: "صحيح الاسناد" وتعقبه الذهبي بقوله: "مسلم الاعور: تركوه" اهـ

اب دنیا کے مہذب مکانوں پر بھی ایک نگاہ ڈالو، کیا بغیر تصویر کے مکان کی آرائش ہوسکتی ہے اور مجال ہے کہ کوئی تنگ نظری مولوی ٹوک سکے، تم ہی بتاؤ کہ جب ہم رحمت کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کرلیں، اور عذاب الٰہی کے نازل ہونے کے اسباب جتنے ممکن ہوسکیں اختیار کرتے رہیں، پھر ہماری پریشانیاں اور مصائب کیوں نہ روز افزوں ہوں، ہمارے اسلاف کا عمل یہ ہے کہ وہ کفار کے ان مکانوں میں بھی جانا گوارا نہ کریں جہاں تصاویر ہوں، اور ہم ناخلفوں کا عمل یہ کہ مسلمان ہوکر اس ناجائز چیز سے مکان کو زینت دیتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک ارشاد کو غور سے دیکھتے جاؤ اور اپنا اور دنیا کا جائزہ لیتے جاؤ؛ اور اسلامی تعلیم کے کمال اور مسلمانوں کی دینی تعلیم سے حیرت انگیز اعراض پر تعجب میں بڑھتے جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب آفتاب نکلتا ہے تو فرشتے اس کے قریب کھڑے ہوکر اعلان کرتے ہیں، لوگو! اپنے رب کی طرف متوجہ ہوجاؤ، تھوڑا سا مال جو (ضروریات کو) کفایت کرجائے بہتر ہے اس کثیر مال سے جو لہو میں مشغول کرے، اور جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو اس کے قریب دو فرشتے کھڑے ہوکر دعا کرتے ہیں: اے اللہ (خیر میں) خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روک کر رکھنے والے کے مال کو تلف کر۔ (ترغیب)

اب غور کرو جو لوگ بخل اور کنجوسی سے مصائب اور مشقتیں اٹھا کر جمع کر کے رکھتے ہیں (اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے)، کس طرح اس مال کی بربادی کے لئے اپنے اوپر پریشانیاں اور مصائب جمع کرتے ہیں، کہ کبھی تو اس کے تلف ہونے کے واسطے کسی بیماری میں مبتلا ہوگئے، تو حکیم ڈاکٹر، دوا علاج میں سیکڑوں پر پانی پھر جاتا ہے، اور اگر جھوٹی سچی مقدمہ بازی شروع ہوگئی تو سارا ہی اندوختہ نبٹ جاتا ہے، اور اگر کسی کی اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے اپنی حفاظت بھی رہی تو اولاد ایسی آوارہ ہوتی ہے کہ وہ باپ کی برسوں کی کمائی کو مہینوں کی عیاشی میں اڑا دیتی ہے، یہ فرضی قصے نہیں ہیں، آئے دن کے واقعات ہیں، کہ بڑوں نے محنت اور مشقت اٹھا کر لہو پسینہ ایک کرکے بہت سا مال جمع کیا اور ان کے مرتے ہی ناخلف ورثہ نے برسوں کی کمائی مہینوں میں، بلکہ ہفتوں میں اڑا دی، اسی لئے متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال، حالاں کہ اس کا مال صرف وہ ہے جو کھالیا یا پہن لیا یا (اللہ کے

أخرجه احمد (۵/۱۹۷) وابن حبان في صحيحه (رقم ۳۳۱۹) والحاكم في المستدرك (۲/۴۴۴، ۴۴۵) عن أبي الدرداء رضي الله عنه، وقال الحاكم: صحيح الاسناد، ووافقه الذهبي.

راستہ میں خرچ کرکے) جمع کرلیا، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ دوسروں کا مال ہے۔ (ترغیب)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ تو جو مال اپنی روزی سے زیادہ جمع کرے وہ دوسروں کا ہے اور تو خزانچی ہے۔ (کتاب المخلات)

سینکڑوں روایات کتب حدیث میں اس قسم کے مضامین کی وارد ہوئی ہیں کہ اپنی ضرورت سے زیادہ جو کچھ ہے وہ سب دوسروں پر خرچ کرنے کے واسطے ہے، جمع کرنے کے واسطے نہیں۔

کلام اللہ شریف میں ارشاد ہے: "يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ؟ قُلِ الْعَفْوَ".

(سورہ بقرہ رکوع ۲۷)

ترجمہ: آپ سے یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، آپ کہہ دیں کہ جو بچے (یا سہل ہو)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عفو وہ ہے، جو اہل وعیال سے بچ جائے۔

أخرجه مسلم (الزهد/الدنيا سجن للمومن، رقم ۲۹۵۸) والترمذی (الزهد /باب يقول ابن آدم: مالي الخ، رقم ۲۳۴۲) والتفسير/التكاثر، رقم (۳۳۵۴) عن عبدالله بن الشخير رضي الله عنه. وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح" اهـ

وفي الباب عن أبي هريرة رضي الله عنه عند مسلم في الموضع المذكور (رقم ۲۹۵۹).

كتاب المخلات لبهاء الدين محمد بن حسين العاملي (م ۱۰۰۳هـ) (ص ۵۹) ط: ميمنية مصر.

منها حديث ابی امامة رضي الله عنه مرفوعاً: "يا ابن آدم انک ان تبذل الفضل خير لک، وان تمسكه شر لک، ولاتلام على كفاف، وابدأ بمن تعول" الحديث أخرجه مسلم (الزكاة/اليد العليا خير من يد السفلى الخ، رقم ۱۰۳۶) والترمذی (الزهد/فضل الاكتفاء بالكفاف، رقم ۲۳۴۳) وقال الترمذي: "هذا حديث حسن صحيح".

وحديث عبدالله بن مسعود رضي الله عنه مرفوعاً: "ايكم مال وارثه أحب اليه من ماله؟ قالو: يا رسول الله! مامنا أحد الا ماله أحب اليه، قال: فان له ما قدم، ومال وارثه ما أخر" اخرجه البخاری (الرقاق/ما قدم من ماله فهو له، رقم ۶۴۴۲)

وحديث عثمان بن عفان رضي الله عنه مرفوعاً: "ليس لابن آدم حق سوى هذه الخصال: بيت يسكنه، وثوب يوارى عورته وجلف الخبز". أخرجه الترمذي (الزهد/الخصال التی ليس لابن آدم حق في سواها، رقم ۲۳۴۱)، وقال: "حسن صحيح".

أخرجه الطبراني في الكبير (۱۱/رقم ۱۲۰۷۵) والبيهقی في الشعب (۳۳۹۵) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال الهيثمی في المجمع (۶/۳۱۹): "فيه محمد بن أبي ليلى، وهو سئى الحفظ، وبقية رجاله ثقات" اهـ

وذكره السيوطی في الدر المنثور (البقرة/الآية ۲۱۹)(۱/۴۵۳) وعزاه –زيادة على ما تقدم– الى وكيع، وسعيد بن منصور، وعبد بن حميد، وابن جرير، وابن المنذر، وابن ابی حاتم، والنحاس في "ناسخه".

انفاق وایثار

یہاں ایک چیز پر اور بھی غور کرتے چلو کہ غریب کی مدد اور غربت کے ازالہ کا علاج، جس کو آج کل بہت ہی اہمت دی جارہی ہے، کیا اسلامی تعلیم سے بہتر کہیں ملتا ہے؟ ایک شخص کو مجبور کرنا کہ اس کو اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ ملے؛ اور ایک شخص کو آمادہ کرنا کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ رکھے؛ اور برضا ورغبت سب کچھ غریبوں پر خرچ کردے، دونوں نظریوں میں کتنا فرق ہے، کہ پہلا ظلم محض ہے، دوسرا خیر محض، پہلے میں حوصلوں کو پست کرنا ہے، مستعد لوگوں کو بے کار بنانا ہے؛ اور دوسرے میں ہمتوں کا بلند کرنا ہے، اور جو شخص جتنا بھی کما سکتا ہے اس سے زیادہ پیدا کرنے اور اپنی خوشی سے خرچ کرنے پر آمادہ کرنا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ خرچ کرنے کی ترغیب میں اپنی ضرورت سے زیادہ ہی کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ اپنی ضرورتوں کو فنا کر کے دوسروں پر خرچ کرنا بھی اسلامی تعلیم ہے، چناں چہ قرآن پاک میں انصار کی مدح میں ارشاد ہے: ''یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ''. (س حشر ع۱) کہ اپنے اوپر ان کو (یعنی مہاجرین کو) ترجیح دیتے ہیں، اگر چہ خود پر فاقہ ہی ہو۔ اور پھر یہ سب کچھ زبانی جمع خرچ نہیں ہے، بلکہ حضور نے خود بھی عمل کر کے دکھادیا اور دوسروں سے عمل کرادیا، نبی اکرم ﷺ کی پوری زندگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عام حالات اسکے شاہد عدل ہیں، کتب حدیث کی ''کتاب الزہد'' اور ''کتاب الرقاق'' ان مضامین سے پر ہیں، اور کچھ نمونہ دیکھنا ہو تو ''حکایات صحابہ'' میں چند واقعات لکھ چکا ہوں، اس جگہ نہ تو یہ مضمون مقصود ہے اور نہ گنجائش، تبعاً ذکر آ گیا تھا۔

شریعت پر عمل مرض کا علاج ہے

مجھے اس جگہ تو صرف یہ بتانا ہے کہ جس نوع کی پریشانیوں میں ہم مبتلا ہیں وہ ہماری اپنی ہی جمع کی ہوئی ہیں اور ایسے سچے پکے معتبر حاذق حکیم نے جس کا نسخہ نہ کبھی خطا کرتا ہے نہ کرسکتا ہے، صاف صاف امراض کے اسباب بھی بتادیئے اور ان کے علاج بھی بتادیئے، اب اسباب مرض سے بچنا اور علاج کرنا، طبیب کا کام نہیں ہے، کوئی التفات نہ کرے تو اپنا نقصان کرتا ہے،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً“
(مشکوۃ شریف ص۲۲)

بالتحقیق میں تمہارے پاس ایسی شریعت لایا ہوں، جو روشن اور صاف ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”وَايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ“
(جمع الفوائد)

اللہ کی قسم میں نے تمہیں ایسے (طریقہ پر) چھوڑا ہے (جو بالکل روشن) سفید ہے، جس کا رات دن برابر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز پر تنبیہ فرمادی اور دین و دنیا کا کوئی جزا ایسا نہیں چھوڑا ہے، جس پر اس مختصر چند سالہ زندگی میں تبصرہ نہ فرمادیا ہو۔

حضور کا ارشاد ہے کہ (نیک) اعمال کرنے میں جلدی کرو اور ایسے فتنوں کے پیدا ہونے سے (پہلے پہلے کرلو) جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے (کہ حق ناحق کا امتیاز مشکل ہوجائے گا)، ان میں صبح کو آدمی مومن ہوگا شام کو کافر، شام کو مومن ہوگا صبح کو کافر، اپنے دین کو تھوڑے سے دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دیگا۔ (ترغیب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے اللہ کی طرف رجوع (اور توبہ) کرلو، اور مشاغل کی کثرت سے پہلے پہلے اعمال صالحہ کرلو، اور اللہ جل شانہ کو کثرت سے یاد کرکے، اور مخفی اور علانیہ صدقہ کرکے، اللہ کے ساتھ رابطہ جوڑلو، کہ ان چیزوں کی وجہ سے تم کو رزق بھی عطا کیا جائے گا، تمہاری مدد بھی کی جائے گی اور تمہارے نقصان کی بھی تلافی کردی جائے گی۔ (ترغیب)

أخرجه أحمد (۳/۳۸۷) والبيهقي في الشعب (باب ۴، رقم ۱۷۷) عن جابر رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (۱/۲۷۴): فيه مجالد بن سعيد، ضعفه احمد، ويحيى بن سعيد، وغيرهما“ اهـ.

أخرجه ابن ماجه، (المقدمة/اتباع سنة رسول الله، رقم ۵) عن أبي الدرداء رضي الله عنه.
قلنا: فيه محمد بن عيسىٰ بن القاسم، وهو صدوق يخطئ، رمي بالقدر، كما في التقريب، وبقية رجاله ثقات، فالحديث حسن الاسناد.

أخرجه مسلم (الايمان/الحث على المبادرة بالاعمال قبل تظاهر الفتن، رقم ۱۱۸) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

الترغيب (۴/۱۲۵) أخرجه ابن ماجه (اقامة الصلوه/فرض الجمعة، رقم ۱۰۸۱) وأبويعلى (۱۸۵۶) عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه، قال البوصيري في الزوائد (ص ۱٦۷): ”هذا اسناد ضعيف“ اهـ.

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اور جو شخص ظالم کو معاف کردے حق تعالیٰ شانہ اس کی عزت بڑھاتے ہیں، لہٰذا مظالم کو معاف کیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا فرمائے گا، اور جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے، اس پر فقر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (معجم صغیر)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے اور بازاروں کی تعمیر کو نمایاں کرنے لگے اور دراہم (روپیہ) جمع کرنے پر نکاح کرنے لگے، (یعنی نکاح کرنے کے لئے بجائے دیانت، تقویٰ اور دینداری کے مال دار ہونے کی رعایت ملحوظ ہو) تو حق تعالیٰ شانہ ان پر چار چیزیں مسلط فرمادیں گے زمانہ: کا قحط، اور بادشاہ کا ظلم، اور حکام کی خیانت اور دشمنوں کا حملہ۔ (حاکم) حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ارشاد ہے کہ گناہ کا بدلہ، عبادت میں سستی، روزی میں تنگی اور لذت میں کمی ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، کبھی ترش روئی سے آپ مجھ سے پیش نہیں آئے، مجھے ارشاد فرمایا کہ وضو اچھی طرح کیا کر اس سے عمر میں اضافہ ہوگا اور تیرے محافظ فرشتے تجھ سے محبت کرنے لگیں گے؛ اور نماز کا کچھ حصہ گھر میں مقرر کر اس سے گھر کی خیر میں اضافہ ہوگا اور جب گھر میں جایا کرے تو گھر کے لوگوں کو سلام کیا کر اس کی برکت تجھ پر ہوگی اور گھر کے لوگوں پر بھی۔ (طبرانی صغیر)

نماز کے اہتمام میں جو دینی اور دنیوی برکات، حضور نے ارشاد فرمائی ہیں ان کا نمونہ دیکھنا ہو تو میرا رسالہ ''فضائل نماز'' دیکھیں، یہاں اختصار کی وجہ سے ان کو ذکر نہیں کرتا۔

أخرجه الطبراني في الأوسط (رقم ۲۲۷۰) وفي الصغير (۱/۵۴) عن أم سلمة رضي الله عنها، قال الهيثمي في المجمع (۳/۱۰۵) "فيه زكريا بن دويد، وهو ضعيف جداً" اهـ

أخرجه الحاكم في المستدرك (۴/۳۲۵) عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه، وقال: "صحيح الاسناد، ان كان عبدالله بن أبي مليكة سمع من أمير المومنين" وتعقبه الذهبي بقوله: "بل منكر قطعاً، وابن عبد ربه لايعرف".

تاريخ الخلفاء (ص ۱۸۲) أخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق الكبير (ترجمة علي رضي الله عنه ۴۵/۴۰۰)

أخرجه ابويعلى (۳۶۲۴) والطبراني في الصغير (۲/۳۲،۳۳) في حديث طويل من طريق علي بن زيد بن جدعان عن سعيد بن المسيب، عن أنس رضي الله عنه، وعلي بن زيد ضعيف كما في التقريب، وانظر مجمع الزوائد للهيثمي (۱/۲۷۱، ۲۷۲)

طاعات وعبادات فلاح دارین کا سبب ہیں

''اور اس کے چند واقعات''

ان سب روایات سے یہ بات واضح ہے کہ جیسے معاصی اور گناہوں کی کثرت پریشانیوں اور حوادث کی کثرت کا سبب ہے، ایسے ہی طاعات اور عبادات دارین کی فلاح کا سبب ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: یَا ابْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ اَمْلَأْ صَدْرَکَ غِنًی، وَاَسُدَّ فَقْرَکَ، وَاِنْ لَاتَفْعَلْ مَلَأْتُ یَدَیْکَ شَغْلاً، وَلَمْ اَسُدَّ فَقْرَکَ''. کَذَا فِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ ● بِرِوَایَةِ اَحْمَدَ، وَالتِّرْمِذِیْ، وَابْنِ مَاجَةَ، وَالْحَاکِمِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَرَقَمَ لَهٗ بِالْحُسْنِ.

ترجمہ: حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ ''اے آدم کی اولاد تو میری عبادت کے لئے فراغت (کے اوقات نکال لے)، میں تیرے سینے کو غنا (اور بے فکری) سے پر کردوں گا اور تیرے فقر (وفاقہ) کو دور کردوں گا اور اگر تو ایسا نہ کرے گا (کہ میری عبادت کے لئے فارغ بنے) تو تجھے مشاغل میں پھنسادوں گا اور تیرا فقر زائل نہ کروں گا''۔

یہ ارشادِ خداوندی ہے اور اس مالک الملک اور قادر مطلق کا ارشاد ہے جس کے قبضہ وقدرت میں دنیا کی ہر چیز ہے، نیز اس کے ہم معنی اور بھی روایات ہیں ☠ جن میں دنیا کی فلاح وکامیابی کا مدار اللہ کی عبادت پر رکھا ہے۔

● أخرجه أحمد (۲/ ۳۵۸) والترمذی (القيامة/باب ۳۰، رقم ۲۴۶۶) وابن ماجه (الزهد/باب الهم بالدنيا، ۴۱۰۷) والحاكم في المستدرك (۲/۴۴۳) عن ابی هريرة رضي الله عنه، وقال الترمذي: "حسن غريب" وقال الحاكم: صحيح الاسناد، ووافقه الذهبي.

☠ منها حديث معقل بن يسار رضي الله عنه: "يقول ربكم تبارک وتعالیٰ: يا ابن آدم تفرغ لعبادتی أملأ قلبک غنی، وأملأيدک رزقا، يا ابن آدم لاتباعدنی فأملأ قلبک فقرا، وأملأ يدک شغلا" أخرجه الحاكم (۴/۳۲۶) وصححه ووافقه الذهبي.

وحديث أنس بن مالک رضي الله عنه مرفوعاً: "من كانت الآخرة همه جعل الله غناه في قلبه، وجمع له شمله، وأتته الدنيا وهی راغمة، ومن كانت الدنيا همه جعل الله فقره بين عينيه، وفرق عليه شمله، ولم ياته من الدنيا الا ماقدر له" أخرجه الترمذي (القيامة/باب ۳۰، رقم ۲۴۶۵)، قال المنذري في الترغيب (۴/۵۷): رواه الترمذي عن يزيد الرقاشي، ويزيد قدوثق، ولا باس به في المتابعات" اهـ وفی الباب احاديث أخر، انظر الترغيب (۴/ ۵۶. ۵۸).

لیکن ہم لوگ دنیا کمانے کے واسطے، عبادت ہی کے اوقات پر سب سے پہلے صفایا کرتے ہیں، جب اس طرح اللہ کی نافرمانیوں میں ہماری ترقیات ہوں تو پھر ہماری پریشانیوں اور تنگدستیوں میں کیوں نہ اضافہ ہو، دین سے بے پرواہوکر مسلمان روٹی کا سوال حل کرنا چاہیں، تو کیسے ممکن ہے جب روٹی دینے والا یہ کہے کہ میں نہ فقر کو دور کروں گا، نہ دل کو مشاغل سے خالی کروں گا۔ صحیح حدیث میں اللہ جل شانہ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اگر بندے میری اطاعت (پوری پوری) کریں تو رات کو سوتے ہوئے ان پر بارش برساؤں اور دن میں آفتاب نکلا رہے (کہ کاروبار میں حرج نہ ہو)، اور بجلی کی آواز بھی ان کے کان میں نہ پڑے (تاکہ ان کو ذرا سا بھی خوف وہراس نہ ہو)* (جامع الصغیر)

لیکن ہم لوگوں کی شامت اعمال، کہ دن اور رات کا یہ نظم درکنار، جگہ جگہ بارشوں کی قلت کی شکایات بڑھتی رہتی ہیں، اور جہاں ہوتی ہیں، سیلاب کی صورتوں میں بسااوقات ہوتی ہیں۔

''احیاء'' میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ کے زمانہ میں ایک مرتبہ نہایت سخت قحط پڑا، حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ تین دن تک استسقا کی نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے رہے مگر بارش نہ ہوئی، تیسرے دن وحی آئی کہ اس جماعت میں ایک شخص چغل خور ہے، اس کی وجہ سے تم لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ اس کا علم ہو جائے تاکہ اس کو مجمع سے علیحدہ کر دیا جائے، ارشاد خداوندی ہوا کہ میں تمہیں چغلی سے منع کروں اور خود اس شخص کی چغلی کھاؤں، اس لئے تعیین نہیں کرتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے خطاب فرما کر توبہ واستغفار کی تلقین فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ چغل خوری سے سب سے توبہ کرائی، فوراً بارش شروع ہوگئی حضرت سفیان ثوری سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں سات سال تک ایسا سخت قحط پڑا کہ کوڑیوں (گھوروں) پر سے مردار اٹھا کر لوگوں نے کھائے اور آدمیوں کے کھانے کی نوبت پہنچ گئی، لوگ پریشان حال جنگلوں اور پہاڑوں پر روزانہ دعاؤں اور استسقاء کی نمازوں کے لئے نکلتے تھے، حق تعالیٰ شانہ نے اس زمانہ کے انبیاء کی

* أخرجه أحمد (۲/۳۵۹) والبزار (كما في كشف الأستار رقم ۲٦۴) والحاكم (۴/۲٥٦) عن ابی هريرة رضي الله عنه، وقال الحاكم: صحيح الاسناد، وتعقبه الذهبي بقوله: "صدقة: ضعفوه" وقال الهيثمي في المجمع (۲/۱۱۲): مداره على صدقة بن موسى الدقيقي، ضعفه ابن معين وغيره، وقال مسلم بن ابراهيم: كان صدوقاً" اهـ وانظر الجامع الصغير للسيوطي (رقم ٦۰۷۱)

طرف وحی نازل فرمائی کہ تمہاری زبانیں دعائیں کرتے کرتے کتنے ہی خشک ہوجائیں اور آسمانوں تک ہاتھ دعاؤں کے لئے اٹھ جائیں، اس وقت تک میں کسی رونے والے پر بھی رحم نہیں کروں گا جب تک کہ آپس کے مظالم دور نہ کئے جائیں۔ کتبِ تاریخ واحادیث میں اس قسم کے واقعات بکثرت موجود ہیں۔

الغرض سیکڑوں روایات ہیں جن میں صاف طور سے اعمال حسنہ پر دارین کی فلاح اور اعمال سئیہ پر دارین کے نقصانات تفصیل سے بتادیئے گئے ہیں ان روایات کا نہ احصاء مجھ سے ممکن ہے نہ مقصود ہے، غرض ان مثالوں کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سچے ہیں تو پھر ہم لوگوں کا اپنے اوپر کتنا صریح ظلم ہے کہ ہم خود اپنے افعال سے مہلکات میں پڑتے رہیں نقصان دہ امور اختیار کرتے رہیں اور زبان سے مسلمانوں کی تباہی کا گیت گاتے رہیں۔ ہماری مثال اس بیمار کی سی ہے جس کو اسہال کا مرض ہو وہ دمادم مسہل دواؤں کا استعمال کرتا رہے اور شور مچاتا رہے کہ دست نہیں تھمتے، کوئی اس بے وقوف سے پوچھے کہ تو خود مسہلات کا استعمال کررہا ہے تو یہ اطوار تھمنے کے ہیں یا بڑھنے کے، ہم انگریزوں کے مظالم کا رونا ہر وقت روتے ہیں اور آنے والی حکومت کے خطرات سے اور بھی زیادہ خائف ہیں، لیکن کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ہم کو متنبہ نہیں فرمایا، کیا حکومتوں کے اسباب اور اعمال کو واضح الفاظ میں نہیں بتادیا، کیا حضور (روحی فداہ وابی وامی) کی شفقت یا تعلیم وتنبیہ میں کسی قسم کی کمی ہے؟؟؟ حاشا وکلا حضور کا ارشاد ہے فرماتے ہیں: "كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِکَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ" (مشکوة وله طرق في المقاصد الحسنة)

جیسے تم لوگ (اپنے اعمال کے اعتبار سے) ہوگے، ویسے ہی تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔

اس لئے اگر ہم اپنے اوپر بہترین افراد کی حکومت چاہتے ہیں تو اس کا واحد علاج بہترین اعمال ہیں اور کچھ نہیں۔

أخرجه الديلمي في مسند الفردوس (رقم ۴۹۱۸) عن أبي بكرة رضي الله عنه مرفوعاً، وأخرجه البيهقي في الشعب (باب ۴۹) رقم ۷۳۹۱) عن أبي اسحاق السبيعي مرسلاً، وذكره السخاوي، في المقاصدالحسنة (رقم ۸۳۵، ص۳۶۲) والعجلوني في كشف الخفاء (۱۶۶/۲) معزواً الى الحاكم، والديلمي، والبيهقي، وابن جميع في معجمه، والقضاعي في مسنده، وانظر فيض القدير للمناوي (رقم ۶۴۰۶)

حدیث، بادشاہوں کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی: "یَقُوْلُ: اَنَا اللّٰہُ، لاَ اِلٰہَ اِنَا، مَالِکُ الْمُلُوْکِ، وَمَلِکُ الْمُلُوْکِ، قُلُوْبُ الْمُلُوْکِ فِیْ یَدِیْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْکِھِمْ عَلَیْھِمْ بِالرَّحْمَۃِ وَالرَّأفَۃِ، وَاِنَّ الْعِبَادَاِذَا عَصَوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَھُمْ بِالسَّخْطَۃِ وَالنُّقْمَۃِ، فَسَامُوْھُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ، فَلاَتَشْغَلُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَی الْمُلُوْکِ، وَلٰکِنْ اشْغَلُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالذِّکْرِ وَالتَّضَرُّعِ، کَیْ اَکْفِیْکُمْ مُلُوْکَکُمْ" (رَوَاہُ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَۃِ کَذَا فِی الْمِشْکٰوۃِ وَفِیْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ بِرِوَایَۃِ الطَّبْرَانِیْ) وَفِی الدُّرِّ الْمَنْثُوْرِ: اَخْرَجَ اِبْنَ اَبِیْ شَیْبَۃٍ عَنْ مَالِکٍ ابْن مَغُول قَالَ: فِیْ زَبُوْر دَاؤد مَکْتُوْب الٰی اَنَا اللّٰہُ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَذَکَرَمَعْنَاہُ

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ عم نوالہ کا ارشاد ہے: میں اللہ ہوں، میرے سواء کوئی معبود نہیں، بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل ان پر رحمت اور مہربانی کے لئے پھیر دیتا ہوں اور جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل ان پر غصہ اور انتقام کے لئے پھیر دیتا ہوں، جس سے وہ ان کو سخت عذاب (اور تکالیف) پہنچانے لگتے ہیں، اس لئے تم بجائے بادشاہوں پر بددعائیں کرنے کے، میرے ذکر کی طرف متوجہ ہو، اور (میری طرف) عاجزی (اور زاری) کرو تا کہ میں ان کی تکالیف سے تمہیں محفوظ رکھوں۔

مالک بن مغول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں یہی مضمون پڑھا ہے۔

اس قسم کے مضامین بھی متعدد روایات میں وارد ہوئے، دعاء ماثورہ میں ہے "اَللّٰھُمَّ لاَ تَسَلِّطْ عَلَیْنَا بِذُنُوْبِنَا مَنْ لَّایَرْحَمُنَا"۔

اے اللہ ہمارے اوپر ہمارے گناہوں کی وجہ سے، ایسے لوگوں کو مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ

أخرجه الطبراني في الأوسط (۸۹۶۲) وأبونعيم في "الحلية" ترجمة مالك بن دينار رقم ۲۹۰۴) قال الهيثمي في المجمع (۵/۲۴۹): "فيه إبراهيم بن راشد، وهو متروك" اهـ قلنا: كذا في المجمع، وفي الأوسط والحلية: وهب بن راشد وهو متروك أيضا، كما في المغني، ولعل وهب تحرف في المجمع إلى إبراهيم. والله أعلم

أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه (الزهد/رقم ۳۴۲۴۹) عن مالك بن مغول.

ذكره السخاوي في "المقاصد الحسنة" (ص ۳۲۶) ولم يعزه الى من أخرجه.

کریں۔حق جل وعلا کا ارشاد ہے: ’’وَکَذٰلِکَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ‘‘ (سورۂ انعام ع ۱۵)

ترجمہ: اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر، ان کے اعمال کی وجہ سے حاکم بنادیتے ہیں۔اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، ’’صاحب جلالین‘‘ وغیرہ نے یہی تفسیر اختیار کی ہے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر مسلط کردیتے ہیں، اور اعمش فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے اعمال خراب ہوجاتے ہیں تو ان پر بدترین لوگوں کو حاکم بنایا جاتا ہے۔

اللہ کے راضی اور ناراض ہونے کی علامات

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے دریافت کیا کہ لوگوں سے آپ کے راضی ہونے کی علامت کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ کھیتی بونے کے وقت ان پر بارش نازل کرتا ہوں اور کاٹنے کے وقت روک لیتا ہوں، ان کے انتظامی امور حلیم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں اور ان کے اموال عامہ کو کریم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں، انہوں نے پوچھا کہ آپ کے ان سے ناراض ہونے کی کیا علامت ہے؟ ارشاد ہوا کہ کھیتی بونے کے وقت بارش کو روک لیتا ہوں اور کاٹنے کے وقت برساتا ہوں اور ان کے انتظامی امور کو بے وقوفوں کے سپرد کرتا ہوں اور اموال عامہ کو بخیلوں کے حوالہ کردیتا ہوں[1]۔ (در)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو، ورنہ اللہ جل جلالہ بدترین لوگوں کو تمہارا حاکم بنادیں گے، پھر تمہارے بہترین لوگ بھی دعائیں کریں گے تو قبول نہ ہوں گی[2]۔ (جامع)

جن لوگوں کو یہ اشکال دامن گیر رہتا ہے کہ یہ بزرگ دعا کیوں نہیں کرتے، یا ان کی دعا قبول کیوں نہیں ہوتی، وہ اس پر بھی غور کرلیا کریں کہ وہ خود نیک کاموں کا کتنا حکم کرتے ہیں اور

[1] أخرجه البيهقي في الشعب (رقم باب ۴۹، رقم ۷۳۹۲) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه.

[2] أخرجه الطبراني في الاوسط (رقم ۱۳۷۹) والبزار كما في كشف الاستار (۴/رقم ۳۳۰۷) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

وقال الهيثمي في المجع (۷/۲۶۶): ”فيه حبان بن علي، وهو متروک، وقد وثقه ابن معين في رواية، وضعفه في غيرها“ اهـ

وانظر فيض القدير للمناوی (رقم ۷۲۲۳).

بری باتوں سے کتنا روکتے ہیں، اور یہ چیز جب چھوٹ گئی تو دعاؤں کے قبول ہونے کی امید بے محل ہے؛ ایک حدیث میں وارد ہے۔

''وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بَقَوْمٍ خَيْراً وَلّٰى عَلَيْهِمْ حُلْمَائَهُمْ، وَقَضٰى بَيْنَهُمْ عُلَمَائُهُمْ، وَجَعَلَ الْمَالَ فِيْ سُمُحَائِهِمْ، وَاِذَا اَرَادَ بِقَوْمٍ شَرًّا وَّلّٰى عَلَيْهِمْ سُفَهَائَهُمْ، وَقَضٰى بَيْنَهُمْ جُهَّالُهُمْ، وَجَعَلَ الْمَالَ فِي بُخَلَائِهِمْ، كَذَا فِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ الدَّيْلَمِيْ وَرَقَمَ لَهٗ بِالضُّعْفِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ "اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِذَا غَضَبَ عَلٰى اُمَّةٍ، وَلَمْ يُنْزِلْ بِهَا عَذَابَ خَسْفٍ وَلَامَسْخٍ غَلَتْ اَسْعَارُهَا، وَيُحْبَسُ عَنْهَا اَمْطَارُهَا، وَيَلِيْ عَلَيْهَا اَشْرَارُهَا''. (كَذَا فِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ ابْنِ عَسَاكِرَ عَنْ عَلِيٍّ وَرَقَمَ لَهٗ بِالضُّعْفِ. لٰكِنْ رَاَيْتُ اَنَّ الْحَدِيْثَ لَهٗ طُرُقًا عَدِيْدَةً بَاَسَانِيْدِ شَتّٰى، وَتَاَيَّدَ بِقَوْلِهٖ تعالٰى''وَكَذَالِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظَّالِمِيْنَ'' الْاٰية، عَلٰى ماوَرَدَ تَفْسِيْرُهٗ فِيْ عِدَّةِ اٰثَارٍ فِي الدُّرِّ الْمَنْثُوْرِ وَغَيْرِهٖ)

وَفِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ عَنْ جَابِرٍ رَفَعَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ اِنْتَقِمُ مِمَّنْ اَغْضَبُ ثُمَّ اُصَيِّرُ كَلًّا اِلَى النَّارِ''. رَوَاهُ الطَّبْرَانِيْ فِي الْاَوْسَطِ، وَفِيْهِ اَحْمَدَ بْنُ بَكْرِ الْبَاسِيْ ضَعِيْفٌ.

ترجمہ: جب اللہ جل شانہ کسی قوم کی بہبود کا ارادہ فرماتے ہیں تو حلیم لوگوں کو حاکم بناتے ہیں، (کہ غصہ میں بے قابو نہ ہوجائیں) اورعلماء ان کے درمیان فیصلے کرتے ہیں، (کہ علم

ذكره السيوطي في الجامع الصغير (رقم ٣٩١) عن مهران، وعزاه الى مسند الفردوس للديلمي، ورقم له بالضعف. قال المناوي في "فيض القدير" (٢٦٢/١): "وكذا أخرجه ابن لال، وعنه خرجه الديلمي– مهران: قال في الفردوس: أظنه مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال في مسنده: وله صحبة اهـ واسناده جيد ولم يرمز له بشئ" اهـ

قلنا: لعل نسخة المناوي خالية عن الرمز، والا فالرمز للضعف موجود في النسخة التى بين أيدينا.

أخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق الكبير (ترجمة عبدالله بن الحسن بن حمزة البعلبكى (٢٩/رقم ٢١٤٦) عن على رضي الله عنه.

وانظر الجامع الصغير للسيوطى (رقم ١٦٧٩)

أخرجه الطبراني في الاوسط (رقم ٣٣٥٨) عن جابر رضي الله عنه، قال الهيثمى في المجمع (٢٨٩/٧): "فيه احمد بن بكر البالسي، وهو ضعيف" اهـ

کی روشنی میں حق کے موافق فیصلہ کریں) اور مال سخی لوگوں کے قبضہ میں کر دیتے ہیں (کہ ہر شخص کو اس کی سخاوت سے نفع حاصل ہو) اور جب کسی قوم کی (بداعمالیوں کی وجہ سے) برائی مدنظر ہوتی ہے تو بیوقوفوں کو حاکم بنادیا جاتا ہے، اور جاہلوں کے ہاتھ میں ان کے فیصلے ہوجاتے ہیں، اور مال بخیلوں کو دے دیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے جب کسی جماعت پر اللہ جل شانہ کا غصہ ہوتا ہے اور آخری عذاب مثلاً دھنس جانا یا صورتوں کا مسخ ہوجانا نازل نہیں ہوتا تو نرخ میں گرانی کر دیتے ہیں اور بارش کو روک لیتے ہیں، اور بدترین لوگوں کو حاکم بنادیتے ہیں، ایک حدیث میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میں ایسے لوگوں کے ذریعہ جو مغضوب ہیں (یعنی ان پر میرا غضب ہے) دوسرے مغضوبوں سے انتقام لیتا ہوں، پھر سب کو جہنم میں ڈال دیتا ہوں۔

اسی لئے ایک حدیث میں وارد ہے ”لاتَسُبُّوْ الْاَئِمَّةَ اُدْعُوا اللّٰهَ لَهُمْ بِالصَّلاَحِ فَاِنَّ صَلاَحَهُمْ لَكُمْ صَلاَحٌ“ (كَذَا فِي الْمَجْمَعِ بِرِوَايَةِ الطِّبْرَانِيْ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ)

ارشاد ہے کہ حکام کو گالیاں نہ دو، بلکہ ان کے لئے صلاحیت کی دعا کرو، کہ ان کی صلاحیت میں تمہاری صلاح بھی مضمر ہے۔ (یعنی گالیاں دینے سے تو ان کی درستی ہونے سے رہی) دوسری حدیث میں وارد ہے: ”لاتَشْغَلُوْ قُلُوْبَكُمْ بِسَبِّ الْمُلُوْكِ وَلٰكِنْ تَقَرَّبُوْا اِلَى اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ لَهُمْ، يَعْطِفُ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ عَلَيْكُمْ“ (كَذَا فِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ ابْنِ النَّجَّارِ عَنْ عَائِشَةَ!)

ترجمہ: اپنے قلوب کو سلاطین اور بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ کرو، بلکہ اللہ کی طرف تقرب حاصل کرو اور متوجہ ہوکر ان کے لئے دعاء خیر کرو کہ حق تعالیٰ شانہ ان کے دلوں کو تمہارے اوپر مہربان کر دیں۔

مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم ابن عون کے پاس بیٹھے تھے، لوگوں نے بلال بن ابی بردہ کا ذکر شروع کر دیا اور اس کو برا بھلا کہنے لگے، ابن عون چپ بیٹھے رہے، لوگوں نے کہا کہ تمہاری ہی

أخرجه الطبراني في الكبير (رقم ٧٦٠٩) وفي الأوسط (١٦٠٢) عن أبي أمامة رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (٢٤٩/٥): ”رواه الطبراني عن شيخه الحسين بن محمد بن مصعب الأسناني، ولم اعرفه، وبقية رجاله ثقات“ اهـ ورقم له السيوطي في الجامع الصغير (رقم ٩٧٨٤) بالضعف.

أخرجه ابن النجار (كما في الجامع الصغير رقم ٩٨٠٥) عن عائشة رضي الله عنها، ورقم له السيوطي بالضعف.

وجہ سے ہم اس کو برا بھلا کہتے ہیں کہ اس نے تم پر زیادتی کی، ابن عون کہنے لگے کہ میرے اعمال نامہ میں ہر کلمہ لکھا جاتا ہے اور قیامت کے دن وہ پڑھا جائے گا، مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ اس میں کسی کو برا بھلا کہنے کے بجائے لا الہ الا اللہ (کثرت سے) نکلے (احیاء)

اپنے اعمال ہی حاکم ہوتے ہیں

ایک بزرگ کے سامنے کوئی شخص حجاج ظالم کو بددعا دینے لگا، انہوں نے فرمایا ایسا نہ کرو، یہ جو کچھ ہو رہا ہے تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، مجھے یہ خوف ہے کہ اگر حجاج معزول ہو جائے یا مرجائے تو تم پر بندر اور سور نہ حاکم بنا دیئے جائیں (مقاصد حسنہ) (ص ۳۲۶) اور ''اعمالکم عمالکم'' تو ضرب المثل ہے، بعض لوگوں نے اس کو حدیث بھی بتایا ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے حاکم ہیں، جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی حکام مسلط کئے جائیں گے، الغرض مجھے ان چیزوں کا احاطہ مقصود نہیں ہے، مجھے مثال کے طور پر یہ بتانا ہے کہ جس قسم کی پریشانیاں، حوادث، مصائب ہم پر نازل ہو رہے ہیں اور مسلمان ان میں مبتلا ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ان سب پر تنبیہ ہے، احادیث کی کتب ان مضامین سے پر ہیں، حضور نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ اللہ کی نافرمانیاں دنیا میں مصائب کا سبب ہیں اور نیک اعمال دنیا میں بھی فلاح کا ذریعہ ہیں اور پھر خاص خاص گناہوں پر خاص خاص حوادث اور مصائب بھی بتا دیئے ہیں اور مخصوص طاعات پر مخصوص انعامات کا ترتب بھی ارشاد فرمایا ہے، ہم لوگ حوادث کی شکایات کا طومار باندھ دیں اور انعامات کی ہر وقت امید لگائے بیٹھے رہیں، لیکن جن امور پر یہ چیزیں مرتب ہیں ان سے یکسر غافل رہیں، بلکہ ان کا مقابلہ کریں، ان کو دیدہ و دانستہ چھوڑیں اور کوئی تنبیہ کرے تو اس کی جان کو آجائیں تو ہماری مثال بالکل اسی شخص کی سی ہے جو اسہال کا مریض ہو اور ہر دو گھنٹہ بعد ایک تولہ سقمونیا کھالے اور شور مچائے کہ اسہال تھمتے نہیں اور کوئی سقمونیا

احیاء العلوم للامام الغزالی (۳/ ۹۹، ط: نول کشور)

ذکره العجلونی في كشف الخفاء (١٦٦/١) وقال: قال النجم: لم أره حديثا، لكن ستأتى الاشارة اليه في كلام الحسن في حديث "كما تكونوا يولى عليكم" (١٦٣/٢) وأقول: رواه الطبراني عن الحسن البصرى أنه سمع رجلا يدعوا على الحجاج، فقال له: لاتفعل، انكم من انفسكم او تيتم، انما نخاف ان عزل الحجاج او مات ان يتولى عليكم القردة والخنازير، فقد روى" أعمالكم عما لكم، وكما تكونوا يولى عليكم" اهـ

کھانے کو منع کرے تو اس کو بے وقوف بتائے، حیرت ہے کہ ایک معمولی طبیب کسی چیز کے متعلق کہہ دے کہ یہ نقصان کرتی ہے، ایک کافر ڈاکٹر اعلان کر دے کہ آج کل امرود کھانے سے ہیضہ ہو جائے گا، تو اچھے اچھے سورماؤں کی ہمت امرود کھانے کی نہ ہو، ایک بھنگی یہ کہہ دے کہ اس گلی میں بہت بڑا کالا سانپ ہے تو اچھے اچھے بہادروں کی جرأت نہ ہو کہ اس گلی میں چلے جائیں، ایک جاہل گاؤدی کہہ دے کہ اس سڑک پر ایک شیر بیٹھا ہے تو اس طرف کا راستہ چلنے کی ہمت نہ ہو، بڑی بہادری یہ ہوگی کہ دو چار ساتھیوں کے ساتھ، دو تین بندوقیں لے کر ادھر کا رخ کیا جائے، لیکن اللہ جل جلالہ کا پاک اور سچا رسول، وہ شفیق اور حکیم مربی جس کو ہر وقت امت کی بہبود کی فکر ہے اور اس کا اہتمام ہے، وہ امت کو نفع دینے والی چیزوں کا حکم کرے، نقصان رساں امور سے روکے، لیکن امت اپنی نیاز مندی اور جان نثاری کے لمبے چوڑے دعووں کے باوجود ان ارشادات کی پروا نہ کرے کتنا صریح ظلم ہے، آج گورنمنٹ کی طرف سے ایک اعلان جاری ہو جائے کہ فلاں نوع کی تقریر جرم ہے دس سال کی قید ہوگی، اچھے اچھے بہادر کامیاب لیڈر اور اڈیٹر سوچ سوچ کر مضمون لکھیں گے اور تقریر میں بچا بچا کر الفاظ لائیں گے، لیکن ساری دنیا کا مالک، بادشاہوں کا بادشاہ جس کے قبضہ قدرت میں ساری حکومتیں اور سارے بادشاہ ہیں، سختی سے ایک حکم فرماتا ہے، قرآن پاک میں سود کے لینے والے کو اپنی طرف سے اعلان جنگ کرتا ہے، اور حدیث قدسی میں اللہ والوں کی مخالفت اور دشمنی کو اپنے ساتھ جنگ بتاتا ہے، سودی معاملات کرنے والوں پر لعنت کرتا ہے، شراب کے بارے میں دس آدمیوں کو اپنی لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے، کتنے آدمی ہیں جن کے دل پر کچھ بھی چوٹ اس چیز کی لگتی ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہم پر کیا کیا مصائب ان امور کے بدلے میں آنے والے ہیں، ہر شخص خود ہی غور کر لے کسی دوسرے کے بتانے کی چیز نہیں، اور اگر ان چیزوں کو چھوڑنے کے بجائے، ان میں ترقیات ہیں تو اللہ سے لڑنے کے لئے اس کی اور اس کے رسول کی لعنت برداشت کرنے کے لئے مصیبتیں، ذلتیں، نکبتیں، آفتیں جھیلنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ع

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

کفار دنیا میں باوجود بداعمالیوں کے خوشحال کیوں ہیں (اشکال وجواب)

تنبیہ: ایک اشکال اس جگہ عوام کو پیش آتا ہے، بلکہ بعض خواص بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ یہ کہ یہ حسنات اور سیئات (خوبیاں اور برائیاں) جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ مسلمانوں کے لئے نافع اور نقصان رساں ہیں، ایسی ہی کافروں کے لئے بھی ہیں اور ہونا چاہئیں کہ نقصان دہ چیز بہرحال نقصان دہ ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار باوجود ان بداعمالیوں میں مبتلا ہونے کے خوشحال ہیں، دنیا میں فلاح یافتہ، ترقی یافتہ ہیں اور مسلمان بدحال ہیں خستہ حال ہیں اور ان کی پریشانیاں بڑھتی جارہی ہیں؛ اور بعض جاہل تو اس اشکال میں ایسے پھنسے ہیں کہ انہوں نے اس منظر کو دیکھ کر ساری ہی شرعیات اور احادیث کا انکار کر دیا، انہوں نے دنیوی فلاح کفار میں دیکھ کر انہیں چیزوں کو باعث فلاح قرار دے دیا، جو کفار میں پائی جاتی ہیں، لیکن درحقیقت اس اشکال کا منشا بھی اسلامی تعلیم سے ناواقفیت یا ذہول ہے، اسلامی تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں چھوڑی گئی جو پوری وضاحت سے ارشاد نہ فرمائی گئی ہو، مگر اس کے معلوم کرنے کی فرصت کس کو ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک نبی علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ سے یہی اشکال عرض کیا تھا کہ اے اللہ تیرا ایک بندہ مسلمان ہوتا ہے، نیک اعمال بھی کرتا ہے، تو اس سے دنیا تو ہٹا لیتا ہے اور بلائیں اس پر مسلط کر دیتا ہے، اور ایک بندہ تیرا کافر ہوتا ہے، وہ تیری نافرمانی بھی کرتا ہے، تو اس سے بلائیں ہٹا لیتا ہے اور دنیا اس کو عطا فرما دیتا ہے، حق تعالیٰ شانہ نے وحی بھیجی کہ میرے مومن بندہ کے لئے کچھ سیئات ہوتی ہیں ان کی وجہ سے میں یہ معاملہ کرتا ہوں، تاکہ جب وہ میرے پاس پہنچے تو اس کی خوبیوں کا بدلہ دوں اور کافر کے لئے بھی کچھ خوبیاں ہوتی ہیں، اس لئے یہ معاملہ اس کے ساتھ کرتا ہوں تاکہ جب وہ میرے پاس آئے تو اس کی برائیوں کا بدلہ دوں[*]۔ (مجمع الزوائد)

دوسری حدیث میں وارد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لاَ يَظْلِمُ الْمُؤْمِنَ حَسَنَةً يُعْطٰى عَلَيْهَا فِي

---

[*] أخرجه الطبراني في الكبير (۱۲/رقم ۱۲۷۳۵) عن ابن عباس رضي الله عنهما، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (۱۰/۱۹۳) فيه محمد بن خليد الحنفي، وهو ضعيف.

الدُّنیَا وَیُثَابُ عَلَیْهَا فِی الْآخِرَةِ، وَاَمَّا الْکَافِرُ فَیُطْعَمُ بِحَسَنَاتِهٖ فِی الدُّنْیَا حَتّٰی اِذَا أَفْضٰی اِلَی الْاٰخِرَةِ لَمْ تَکُنْ لَهٗ حَسَنَةٌ یُعْطٰی بِهَا خَیْراً (کَذَا فِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ بِرِوَایَةِ مُسْلِمٍ وَاَحْمَدَ عَنْ اَنَسٍ وَرَقَمَ لَهٗ بِالصِّحةِ وَالْمِشْکٰوۃ)

ترجمہ: حق تعالیٰ شانہ مومن کی کسی نیکی میں کمی نہیں فرماتے، مومن اس نیکی کے طفیل دنیا میں بھی (فلاح اور کامیابی) دیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب علیحدہ دیا جائے گا؛ اور کافر اپنی اچھی عادتوں کی وجہ سے دنیا میں روزی عطا کیا جاتا ہے لیکن جب آخرت میں پہنچے گا (تو ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جو آخرت کے ثواب کی شرط ہے) کوئی بھی نیکی نہیں ہوگی جس کی وجہ سے ثواب دیا جا سکے۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

وَفِیْ رِوَایَةٍ ''اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَیْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِی الدُّنْیَا، وَاِذَا اَرَادَ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ اَمْسَکَ عَنْهُ ذَنْبَهٗ حَتّٰی یُوَافِیْ بِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ''کَذَا فِی الْجَامِعِ بِرِوَایَةِ اَنَسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، وَعَمَّارِبْنِ یَاسِرٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ وَعَزَاهُمْ اِلَی الْمُخَرِّجِیْنَ وَرَقَمَ لَهٗ بِالصَّحَّةِ)

ترجمہ: جب حق تعالیٰ شانہ کسی بندہ پر نیکی اور بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کا بدلہ دنیا ہی میں لے لیتے ہیں، (کہ دنیا کا عذاب ہر حال میں آخرت کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے) اور جب کسی پر عتاب فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کا بدلہ روک دیا جاتا ہے اور قیامت میں اس کو بدلہ دیا جائے گا۔

أخرجه مسلم (المنافقين/جزاء المومن بحسناته ۲۸۰۸) وأحمد (۱۲۳/۳) عن أنس رضي اللّٰه عنه، ورقم له السيوطي بالصحة.

أما حديث أنس: فأخرجه الترمذي (الزهد/الصبر على البلاء ۲۳۹۶) وحسنه، وأما حديث عبدالله بن المغفل: فأخرجه احمد (۸۷/۴) والحاكم (۳۴۹/۱) وصححه ووافقه الذهبي واما حديث عمار فأخرجه الطبراني كما في المجمع (۱۹۲/۱۰) وصححه ووافقه الذهبي، وقال الهيثمي: اسناده جيد واما حديث ابى هريرة رضي الله عنه: فأخرجه ابن عدى كما في الجامع الصغير، وشرحه فيض القدير (۲۵۸/۲) والكنز (۳۰۷۹۶) ولم نجده في الكامل مع أننا لم ندخر جهداً في العثور عليه، ورقم له السيوطي بالصحة.

اور بھی مختلف عنوانات سے یہ مضمون کثرت سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کافر کے لئے چوں کہ نیکیوں کا کوئی معاوضہ آخرت میں نہیں ہے، اس لئے جو بھی کسی قسم کی بھلائی اور نیک عمل وہ دنیا میں کرتا ہے، اس کا معاوضہ اس کو دنیا ہی میں مل جاتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے اعمال حسنہ کا معاوضہ صرف دنیا ہی میں حاصل کرسکتا ہے، اور اسی لئے سیکڑوں برائیوں کے ساتھ ساتھ وہ جس قدر بھی خوبیاں کرتا رہتا ہے، وہ دنیا میں فلاح و کامیابی کو پاتا رہتا ہے، اور مسلمان کیلئے اعمال حسنہ کا مستقل بدلہ تو آخرت میں ہے اور برائیوں کا اکثر و بیشتر معاوضہ دنیا میں ملتا رہتا ہے، اسلئے وہ جس قدر بھی کوتاہیاں معاصی اور گناہ کرتا رہتا ہے بدحالی اور پریشانی کا شکار ہوتا رہتا ہے۔

دنیا میں مسلمانوں پر شدائد و مصائب کی مصلحت

حضور کا ارشاد ہے: "أُمَّتِي هٰذِهِ أُمَّةٌ مَرْحُومَةٌ* لَيْسَ عَلَيْهَا عَذَابٌ فِي الْآخِرَةِ، عَذَابُهَا فِي الدُّنْيَا الْفِتَنُ، وَالزَّلَازِلُ وَالْقَتْلُ". رواه أبوداود، (مشکوة)

ترجمہ: میری یہ امت مرحومہ ہے (کہ اللہ کی خاص رحمت حضور کے طفیل میں اس پر ہے) اس کے لئے آخرت میں (دائمی) عذاب نہیں ہے، اس کا عذاب (اور گناہوں کا بدلہ اکثر و بیش تر دنیا میں مل جاتا ہے جو) فتنوں اور زلزلوں کی صورت میں ہے۔

یہاں پر ایک اشکال تاریخ بینوں کو پیش آتا ہے کہ بعض قومیں جب تک مذہبی بددینی میں بڑھتی رہیں ان پر کوئی آسمانی عذاب مسلط نہیں ہوا، لیکن جب ان کی دینی حالت درست ہوئی تو آسمانی عذاب بھی مسلط ہوگیا، اس کا جواب بھی ان مضامین سے معلوم ہوگیا، کہ کچھ بعید نہیں کہ ان کی پہلی حالت کفر کے قریب تک پہنچ جانے کی وجہ سے اس سے بالاتر ہوگئی ہو کہ ان پر دنیا میں عذاب ہو اور بعد میں جب کچھ صلاح اور اصلاح شروع ہوئی تو دنیا میں عذاب ہوسکنے کے مستحق بنے، مرض جب جراحی حدود سے بڑھ جاتا ہے تو پھر عمل جراحی نہیں کیا جاتا، وہ بھی جب ہی کیا جاتا ہے جب جراحی سے نفع کی امید ہو۔

بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیبیوں سے ناراضی کے

* أخرجه أبوداود (الفتن/مايرجى في القتل ۴۲۷۸) والحاكم (۴/۴۴۴) عن أبي موسىٰ الاشعري رضي الله عنه.

قال المنذري: "في مختصر السنن" فيه المسعودي استشهد به البخاري، وتكلم فيه غير واحد في اهـ وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

قصے میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں گھر میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ تین چار چیزیں گھر کی کل کائنات ہیں کہ ایک کونہ میں چند مٹھی جو اور ایک دو چمڑے کچے (بغیر دباغت دیئے ہوئے) پڑے ہیں اور ایسے ہی ایک آدھ چیز اور بھی پڑی ہے، حضور اقدس ﷺ ایک بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں کہ نہ بدن پر چادر ہے (جو عام طور پر اوڑھنے کا معمول تھا)، نہ بوریئے پر کوئی چیز بچھی ہوئی ہے جس سے بوریئے کے نشانات بدن اطہر پر ابھر آئے، میں یہ منظر دیکھ کر رونے لگا، حضور نے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں نہ روؤں کہ بدن اطہر پر بوریے کے نشانات پڑے ہوئے اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہے، یہ فارس وروم خدا کی پرستش بھی نہیں کرتے اور ان پر یہ وسعت ہے، اور آپ کی یہ حالت، حضور تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: "أَوَفِيْ شَكٍّ اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! اُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" اے خطاب کے بیٹے عمر! کیا تم اب تک شک میں پڑے ہوئے ہو؟ ان قوموں کی بھلائیاں ان کو دنیا ہی میں مل گئیں ہیں۔

خود قرآن پاک میں ارشاد ہے: "لَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ وَزُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ." (س زخرف ع ۳)

ترجمہ: اور اگر یہ (احتمال) نہ ہوتا کہ سارے آدمی ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے (یعنی تقریباً سب ہی کافر بن جائیں گے) تو جو لوگ کفر کرتے ہیں ہم ضرور چاندی کی بنا دیتے ان کے گھروں کی چھتوں کو، اور ان سیڑھیوں کو جس پر وہ چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے کواڑوں کو بھی، اور ان کے لئے تخت بھی، (چاندی کے کر دیتے) جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے اور (یہ سب چیزیں) سونے کی (بھی بنا دیتے کہ کچھ حصہ چاندی کا ہوتا اور کچھ سونے کا) اور یہ سب کچھ ساز وسامان کچھ بھی نہیں، مگر دنیوی زندگی کا چند روزہ، اور آخرت آپ کے رب کے یہاں پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے: "اے اللہ جو شخص تجھ پر ایمان لائے اور میری

أخرجه البخاري (المظالم/الغرفة والعلية المشرفة ۲۴۶۷) ومسلم (الطلاق/الايلاء واعتزال النساء ۱۴۷۹) عن عمر رضي الله عنه.

رسالت کا اقرار کرے، اس کو اپنی ملاقات کی محبت نصیب کر، تقدیر کو اس پر سہل فرما اور دنیا کم عطا کر، اور جو تجھ پر ایمان نہ لائے، میری رسالت کا اقرار نہ کرے، اس کو اپنی بقاء کی محبت نہ دے، اور دنیا کی کثرت عطا کر"۔ (مجمع الزوائد ۱۰/ ۲۸۶)

اللہ کے نزدیک دنیا کی حقیقت

ایک حدیث شریف میں آیا ہے، اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مومن گھبرا جائیں گے (اور اپنی تکالیف کے مقابلہ میں دوسرے کی اتنی راحت دیکھ کر تکلیف زیادہ محسوس کریں گے) تو میں کفار پر لوہے کی پٹیاں باندھ دیتا۔ (یعنی لوہے کا خول ان پر چڑھا دیتا) کہ وہ کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھاتے اور ان پر دنیا کو بہا دیتا۔ (درمنثور)

اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ دنیا اللہ کے نزدیک نہایت ہی ذلیل چیز ہے، ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اگر اللہ جل شانہ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ ملتا۔ (در، بروایۃ الترمذی وصححہ)

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک بکری کا بچہ مرا ہوا پڑا تھا، جس کے کان بھی ندارد تھے، حضور نے ارشاد فرمایا: کون شخص ہے جو اس کو ایک درہم (تقریباً ۴ میں) خرید لے، صحابہ نے عرض کیا کہ مفت بھی کوئی لینا گوارا نہ کرے گا۔ (کہ کسی قسم کا نفع بھی اس سے حاصل نہیں ہو سکتا) حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل چیز ہے۔ (مشکوۃ بروایۃ مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چوں کہ اللہ جل شانہ کے یہاں دنیا کی ذرا بھی قدر و قیمت

أخرجه الطبراني (الكبير ١٨/رقم ٨٠٨) وابن حبان (٢٠٨) عن فضالة بن عبيد رضي الله عنه. وقال الهيثمي في المجمع (١٠/٢٨٦) رجاله ثقات.

ذكره السيوطي في الدر المنثور (٥/٢٢٧)عن ابن عباس رضي الله عنهما، وعزاه الى ابن مردويه.

أخرجه الترمذي (الزهد/هوان الدنيا ٢٣٢٠) وابن ماجه (الزهد/مثل الدنيا ٤١١٠) عن سهل بن سعد رضي الله عنه، وقال الترمذي: حسن صحيح، اهـ وانظر الدر المنثور (٥/٢٢٣).

أخرجه مسلم (الزهد ٢٩٥٧) وابو داود (الطهارة /ترک الوضوء من مس الميتة ١٨٦) عن جابر رضي الله عنه.

نہیں ہے، اور کفار کا مطمحِ نظر صرف دنیا ہی ہے، اس لئے ان کو ان کی خواہش کے موافق، ان کی حسنات کا بدلہ، دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے، مسلمان کے لئے اسلام لانے کے بعد آخرت کی فلاح و بہبود کا مستقل استحقاق ہو جاتا ہے، اور خواہ وہ کتنے ہی معاصی میں مبتلا ہو، کسی نہ کسی وقت اس کا معاصی کی سزا یا معافی کے بعد جنت کی نعمتوں سے متمتع ہونا ضروری ہے، اس لئے وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اس دنیا میں فتنوں اور مصائب میں گرفتار رہتا ہے اور نہ ہو تو خطرناک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تو کسی کو دیکھے کہ باوجود معاصی اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے دنیا کی (نعمتیں) پا رہا ہے، تو یہ استدراج ہے (یعنی اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے)۔ پھر حضور نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی: **"فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْآ اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ"**. (س انعام ع ۵۔ مشکوۃ)

ترجمہ: پس جب وہ بھول بیٹھے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی، تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (یعنی خوب نعمت اور ثروت عطا کی)، یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں میں جو ان کی دی گئی تھیں خوب اترا گئے (اور مستی میں ان کا کفر بڑھ گیا) تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی مثال کھیتی کی سی ہے کہ ہوائیں اس کو ہمیشہ ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہیں، اسی طرح مومن کو ہمیشہ تکالیف اور مشقتیں پہنچتی رہتی ہیں، اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے، کہ ہواؤں سے حرکت نہیں کرتا، حتی کہ ایک دم جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا ہے۔ (مشکوۃ بروایۃ بخاری و مسلم)

اور بھی بہت سی نصوص ہیں، جن سے یہ صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں کفار کی فلاح کا سبب ڈھیل بھی ہے اور نیک اعمال کا کرنا بھی ہے، پس کفار کا جو فرد یا جماعت نیک عمل کرے گی، وہ فلاح میں ترقی کرتی رہے گی، اور ان کی معمولی سیئات پر یہاں گرفت نہیں ہوگی اور مسلمان کی

أخرجه أحمد (۴/۱۵۴) والطبراني في الأوسط (۹۲۷۲) والطبری في تفسیره (۷/۱۹۵) بأسانيدهم عن عقبة بن عامر رضي الله عنه، وقال الهيثمي في المجمع (۱۰/۲۴۵): رواه الطبراني في الاوسط وفيه الوليد بن العباس -شيخه- وهو ضعيف، قلنا وقد تابعه غير واحد.

أخرجه البخاری (المرضی/ماجاء في كفارة المرض ۵۶۴۳) ومسلم (المنافقين/مثل المومن كالزرع (۲۸۱۰) عن كعب بن مالک رضي الله عنه.

معمولی سیئات پر یہاں گرفت ہے، اس لئے جتنے بھی سیئات مسلمانوں کے افراد اوران کی اقوام میں ہوں گی اتنی ہی پریشانیاں، تفکرات، نکبتیں، ذلتیں بڑھیں گی، ان کے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ معاصی سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کریں۔

بلائیں مؤمن کے ساتھ وابستہ ہیں

حدیث میں آیا ہے کہ بلائیں مومن کے ساتھ وابستہ رہتی ہیں، اس کے نفس میں، مال میں، اولاد میں، حتی کہ وہ ایسی حالت میں مرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی گناہ باقی نہیں رہتا۔ (مشکوۃ بروایۃ الترمذي وقال حسن صحیح)

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو دنیا میں اس کی سزا کو نمٹا دیتے ہیں اور جب کسی کے ساتھ (اس کے براعمال کی کثرت کی وجہ سے) برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے دنیا میں برائی کو روک لیتے ہیں، تاکہ قیامت میں اس کو پورا فرمائیں۔ (مشکوٰۃ بروایۃ ترمذی)

البتہ کفار پر دنیا میں ادبار مظالم کی کثرت سے ہوتا ہے یا فسق وفجور جب انتہاء کو پہنچ جائے یا انبیاء کے ساتھ استہزاء اور مذاق میں تعدی کی گئی ہو کہ ان امور کے پائے جانے پر ڈھیل نہیں ہوتی، بلکہ عذاب عامہ نازل ہوجاتا ہے، چناں چہ جتنی قوموں کے ہلاکت کے قصے قرآن پاک میں مذکور ہیں وہ سب اس کے شاہد عدل ہیں، اور جتنے واقعات تاریخ کے اوراق میں سلطنتوں کے زوال کے ہیں وہ سب اس کی کھلی شہادت دے رہے ہیں کہ جہاں اور جس قوم میں مظالم کی کثرت ہوئی، مظلوم کی حمایت کا جوش ملأ اعلیٰ میں پیدا ہوا، اسی لئے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ ''میں مظلوم کی بددعا سنتا ہوں، خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے سمجھ لینا چاہئے کہ امراء، وزراء، حکام اور رؤسا، غرض جو بھی اپنے ماتحتوں پر اپنے محکوموں پر مظالم کرتے ہیں، وہ حقیقت میں ان پر ظلم نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اپنی بربادی اور ہلاکت کے سامان اپنے ہاتھوں

أخرجه الترمذي (الزهد/ماجاء في الصبر على البلاء ۲۳۹۹) والحاكم (۳۱۴/۴) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وقال: حسن صحيح.

أخرجه الترمذي (الزهد/ماجاء في الصبر على البلاء ۲۳۹۶) وابو يعلى (۴۲۵۴) وابن عدى في الكامل (۳۵۵/۳) عن انس وقال الترمذي: حسن غريب.

تقدم تخريجه ص۸۶ رقم الهامش ۵

سے فراہم کرتے ہیں، خواہ وہ قومی مظالم ہوں، یا انفرادی ہوں، رنگ لائے بغیر نہیں رہتے، اور پھر جب خدائی انتقام کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں تو روتے پھرتے ہیں، اس جگہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے نہ گنجائش، اور بات بھی تفصیل کی محتاج نہیں کہ سلطنتوں اور بڑی بڑی قوموں کا زوال وہلاک سب اسی کی تفصیل ہے، اور تاریخ کے اوراق اس سے پر ہیں، مجھے اس جگہ صرف اس چیز پر متنبہ کرنا ہے کہ مسلمانوں اور کفار کی ترقی کے اسباب خالق اسباب نے علیحدہ علیحدہ پیدا فرمائے ہیں، ہر بات میں یہ خیال کرلینا کہ جو چیز کفار کے لئے ترقی کا سبب ہے وہی مسلمانوں کے لئے ہے، اور جو چیز ان کو ترقی میں نقصان نہیں دیتی وہ مسلمان کو بھی مضر نہیں ہے دین سے بے خبری ہے، کلام خدا اور کلام رسول سے ناواقفیت ہے، خوب سمجھ لو کہ کفار کے لئے معاصی کی سزا کا اصل محل آخرت ہے اور کبھی کبھی بمصالح اس عالم میں بھی ہو جاتی ہے، اور ان کی جتنی خوبیاں ہیں، وہ جو نیک اعمال کرتے ہیں، ان کا بدلہ رب العالمین اور عادل بادشاہ کے یہاں سے ضرور ملتا ہے، مگر اسی عالم میں ملتا ہے، آخرت میں کچھ نہیں ملے گا اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کیوں کہ جب وہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہیں تو پھر آخرت کے نیک ثمرات وہاں کیوں ملیں، اور آخرت سے انکار کی سزا آخرت میں ملنا بھی چاہئے، اسی لئے ارشاد ہے "وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ." (س سجدہ ع۲) ترجمہ: اور ان سے کہا جائے گا کہ آگ کے اس عذاب کو چکھو، جس کو جھٹلایا کرتے تھے۔ قرآن شریف میں کثرت سے اس کا ذکر ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے: "وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِیْ حَيٰوتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ" (سورہ احقاف رکوع۲) **ترجمہ**: اور جس روز کفار جہنم کے قریب لائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ تم اپنی لذت کی چیزیں دنیا میں حاصل کر چکے اور ان سے نفع اٹھا چکے، پس آج ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس لئے کہ تم دنیا میں بے وجہ تکبر کرتے تھے، اور اس لئے کہ تم فسق کیا کرتے تھے۔ (اور جو کچھ خوبیاں تھیں بھی ان کا بدلہ مل ہی چکا ہے)

دنیا کو مقصود نہ بنانے سے متعلق کچھ آیات واحادیث

میں اجمالی طور پر چند آیات کی طرف تمہیں متوجہ کرتا ہوں ان کی تفاسیر دیکھو۔

(۱) "اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ"(سورہ بقرہ رکوع ۱۰)

ترجمہ: یہی ہیں وہ لوگ جنھوں نے دنیاوی زندگی (کے منافع کو) آخرت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔

(۲) "فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَالَهٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ." (سورۂ بقرہ رکوع ۳۵)

ترجمہ: بعضے آدمی ایسے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب (ہمیں جو کچھ دینا ہے) دنیا ہی میں دیدے (پس ان لوگوں کو جو ملنا ہوگا دنیا ہی مل جائے گا) اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

(۳) "زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ". (سورہ بقرہ رکوع ۲۶)

ترجمہ: کفار کے لئے دنیا کی زندگی آراستہ کردی گئی (اور اسی وجہ سے) وہ مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں، حالاں کہ یہ مسلمان قیامت کے دن ان سے اعلیٰ درجہ (یعنی جنت) میں ہوں گے، (اور محض فراغ معاش پر مغرور نہ ہونا چاہئے کہ) روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں، بغیر حساب مرحمت کرتے ہیں (یہ کمال اور مقبولیت کی دلیل نہیں)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل شانہ دنیا اس شخص کو بھی عطا فرماتے ہیں جس کو محبوب رکھتے ہیں اور اس کو بھی عطا کر دیتے ہیں جس کو محبوب نہیں رکھتے، لیکن دین اسی کو عطا فرماتے ہیں جس کو محبوب رکھتے ہیں، پس جس شخص کو دین عطا کیا جاتا ہے وہ اللہ کو محبوب ہے۔* (حاکم وصححہ واقرہ علیہ الذہبی)

(۴) "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلاً."
(سورہ نساء رکوع ۱۱)

---

* أخرجه أحمد (۱/۳۸۷) والبزار (۲۰۲۶) والحاكم في المستدرك (۲/۴۴۷) من طريق الصباح بن محمد، عن مرة عن عبدالله بن مسعود رضي الله، وصححه الحاكم ووافقه الذهبي، وقال الهيثمي في المجمع (۱۰/۲۲۸): "رواه أحمد ورجاله وثقو و في بعضهم خلاف" اهـ

قلنا: الصباح بن محمد: قال الحافظ في التقريب: "ضعيف، أفرط فيه ابن حبان اهـ وقال الحافظ أيضا في هامش المجمع (۱۰/۲۹۲) وهو بصدد الكلام على هذا الحديث: الآفة من الصباح اهـ فالصحيح ان الحديث: ضعيف الاسناد.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا نفع بہت تھوڑا ہے، اور آخرت ہی بہتر ہے اس شخص کے لئے جو متقی ہو اور تم پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

(۵) "وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَللدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ." (س انعام ع ۴)

ترجمہ: اور دنیوی زندگی تو بجز لہو ولعب کے کچھ بھی نہیں اور پیچھے آنے والا گھر بہتر چیز ہے متقیوں کے لئے، کیا تم (ایسی کھلی بات بھی) سمجھتے نہیں۔

(۶) "وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْواً وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا." (انعام ۹)

ترجمہ: اور ایسے لوگوں سے بالکل علیحدہ رہیں جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔

(۷) "تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ." (انفال ۹)

ترجمہ: تم تو دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ جل شانہ آخرت کو چاہتے ہیں۔

(۸) "اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْآخِرَةِ اِلَّا قَلِيْل." (س توبہ ع ۶)

ترجمہ: کیا تم آخرت کے بدلہ میں دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے، سو (سمجھ لو کہ) دنیاوی زندگی کے منافع تو آخرت (کے مقابلہ) میں کچھ بھی نہیں، بہت تھوڑے ہیں۔

(۹) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لاَيُبْخَسُوْنَ اُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْآخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَاصَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (س ہود ع ۲)

ترجمہ: جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض دنیاوی زندگی (کی منفعت) اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ایسے لوگوں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا کر دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں کی جاتی (بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو)، اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بجز جہنم کے کچھ نہیں ہے، اور انہوں نے جو کچھ اعمال کئے تھے وہ آخرت میں سب بیکار ثابت ہوں گے اور بے اثر ہوں گے وہ سب عمل جو وہ کرتے تھے۔

(۱۰) "اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ." (سورہ رعد رکوع ۳)

ترجمہ: (ظاہری دولت وثروت کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے رزق زیادہ دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی فرماتا ہے، یہ لوگ دنیاوی زندگی پر خوش ہوتے پھرتے ہیں اور دنیا کی زندگی (اوراس کے عیش وعشرت) بجز معمولی انتفاع کے اور کچھ بھی نہیں ہیں۔

(۱۰) "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا كُلًّا نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا." (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۲)

ترجمہ: جو شخص (اپنے نیک اعمال کے بدلہ میں) دنیا کی نیت رکھتا ہے، ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے اور (سب کو نہیں بلکہ) جس کو چاہیں گے عطا کریں گے، پھر آخرت میں اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے جس میں وہ بدحال اور راندہ ہوکر داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لئے جیسی کوشش کرنا چاہئے، ویسی ہی کرتا ہے، بشرطیکہ وہ مومن بھی ہو تو ان کی یہ سعی اور کوشش مقبول ہوگی۔ (یعنی سعی کے مقبول ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں نیت، عمل، عقیدہ) آپ کے رب کی (دنیوی) عطا سے ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں اور ان کی بھی، آپ کے رب کی (دنیوی) عطا کسی سے بھی بند نہیں۔

(۱۲) "وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى." (سورہ طٰہٰ رکوع ۸)

ترجمہ: ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، جن سے ہم نے کفار کی مختلف جماعتوں کو، ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے، کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا (اخروی) عطیہ اس سے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

(۱۳) "اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ." (سورۂ قصص رکوع ۷)

ترجمہ: کیا وہ شخص جس سے ہم نے ایک بہترین وعدہ کر رکھا ہے، پھر وہ اس کو ضرور پانے والا ہے، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ نفع دے رکھا ہے، پھر وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کر لئے جاویں گے۔

(۱۴) ”قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآاُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّہٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ وقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّلایُلَقّٰھَا اِلَّا الصَّابِرُوْنَ.“ (س قصص ع ۸)

ترجمہ: جولوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کاش ہم کوبھی وہ سامان ملتا جو قارون کوملا ہے، واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کوعلم (دین) دیا گیا تھا وہ کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو اللہ کے گھر کا ثواب بہت بہتر ہے اس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ پورا پورا انہیں لوگوں کوملتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

(۱۵) ”تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لایُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِیْ الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ“.

ترجمہ: یہ آخرت کا گھر (اور اس کا ثواب) ہم انہی لوگوں کو دیں گے، جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں، نہ فساد چاہتے ہیں، اور بہترین انجام متقی لوگوں ہی کا ہے۔

(۱۶) ”اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلاتَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلایَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ.“ (سورہ لقمان رکوع ۴ فاطر رکوع ۱)

ترجمہ: بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس تم کو دنیاوی زندی دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ کوئی دھوکہ بازی تم کو اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈالے۔

(۱۷) ”مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا وَمَا لَہٗ فِی الْآخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ“ (سورہ شوریٰ رکوع ۳)

ترجمہ: جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو، ہم اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو دنیا میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں۔

یہ سب اور ان کے علاوہ قرآن پاک کی پچاسوں آیتیں اس مضمون میں مشترک ہیں کہ کفار کا منتہائے مقصد صرف دنیوی زندگی ہے اسی دنیا کے منافع ان کی نگاہ میں منافع ہیں وہ آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور اگر بعض فرقے ان میں سے ایمان رکھتے بھی ہیں تو ایمان بالآخرت کے معتبر ہونے کی شرائط پوری نہیں کرتے، اس لئے حق تعالیٰ شانہ کے یہاں سے بھی ان کو جو کچھ ملتا ہے، وہ اسی دنیا میں ملتا ہے، جو نیک اعمال وہ کرتے ہیں ان کا ثمرہ اسی دنیا میں پاتے ہیں، حبر الامۃ حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے سورہ ہود والی آیت ”مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ

الدُّنیا" کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے اعمال کا بدلہ صحت جسمانی سے اور آل اولاد اور مال میں مسرتوں سے پورا کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کا عموم بھی سورہ بنی اسرائیل والی آیت "مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ" کے ساتھ مقید ہے۔ یہ دونوں آیتیں اوپر گذر چکی ہیں، بنی اسرئیل والی آیت کے ساتھ مقید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس کو اللہ جل شانہ چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں کسی کا کوئی جبر نہیں ہے، حضرت سعد بن جبیرؒ سے بھی سورہ ہود کی آیت کی یہی تفسیر منقول ہے کہ ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔

حضرت قتادہؒ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی منقول ہے کہ اللہ جل شانہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں پورا فرما دیتے ہیں اور آخرت میں پہنچنے تک کوئی بھی نیکی باقی نہیں رہتی، اور مومن کے لئے اس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور (ایمان کی وجہ سے) اس کا ثواب آخرت میں بھی ملے گا۔

حضرت مجاہد سے بھی یہی منقول ہے کہ کفار کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔

حضرت میمون بن مہرانؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم کرنا چاہے، اپنے اعمال کو دیکھ لے، اس لئے کہ وہ اپنے اعمال ہی پر پہنچنے والا ہے (یعنی جس درجہ کا عمل ہوتا ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے) کوئی مومن ہو یا کافر جو بھی عمل صالح کرتا ہے، اس کا بدلہ ضرور ملتا ہے، لیکن مومن کے لئے دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ ملتا ہے اور کافر کے لئے صرف دنیا ہی میں ملتا ہے۔ (درمنثور)

حضرت محمد بن کعب سے سورہ زلزال کی آیت "فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ." (پس جو شخص ایک ذرہ کی برابر نیکی کرے گا، اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ایک ذرہ کی برابر برائی کرے گا اس کو دیکھ لے گا) کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ کافر

أخرجه النحاس في ناسخه كما في الدر المنثور (۳/۵۸۴)

أخرجه أبو الشيخ كما في الدر المنثور (۳/۵۸۵)

أخرجه أبو الشيخ كما في الدر المنثور (۳/۵۸۵)

أخرجه أبو الشيخ كما في الدر المنثور (۳/۵۸۵)

أخرجه أبو الشيخ كما في الدر المنثور (۳/۵۸۵)

ایک ذرہ کی بقدر بھی کوئی خیر کرتا ہے تو اس کا بدلہ دنیا میں ضرور پاتا ہے، اپنی جان میں، مال میں، آل میں، اولاد میں، یہاں تک کہ وہ جب دنیا سے جاتا ہے تو کوئی بھی نیکی ایسی باقی نہیں رہتی جس کا بدلہ نہ مل گیا ہو؛ اور مومن ایک ذرہ کی بقدر بھی کوئی برائی کرتا ہے تو اس کا عذاب دنیا میں (بسا اوقات) پالیتا ہے، اپنی جان میں، آل میں، اولاد میں، حتی کہ وہ دنیا سے بسا اوقات ایسی حالت میں جاتا ہے کہ کوئی بھی برائی باقی نہیں رہتی۔ (درمنثور)

اسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اُمَّتِیْ هٰذِهٖ مَرْحُوْمَةٌ، لَیْسَ عَلَیْهَا عَذَابٌ فِی الْاٰخِرَةِ، عَذَابُهَا فِی الدُّنْیَا الْفِتَنُ وَالزَّلَازِلُ وَالْقَتْلُ وَالْبَلَایَا" (كَذَا فِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ وَرَقَمَ لَهٗ بِالصِّحَّةِ)

ترجمہ: میری اس مرحوم امت پر آخرت میں (زیادہ) عذاب نہیں ہے، اس پر عذاب دنیا میں فتنے ہیں زلزلے ہیں قتل ہونا ہے اور مصائب۔

دوسری حدیث میں ہے میری اس مرحوم امت سے آخرت کا (مستقل) عذاب اٹھالیا گیا، اس پر آپس کا عذاب ہے جو ایک دوسرے کے ہاتھ سے پہنچے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ میری امت کا عذاب دنیا میں ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ نے اس امت کا عذاب دنیا میں کر رکھا ہے۔ (مجمع الزوائد)

أخرجه الطبری (۳۰/۳۲۴) وانظر الدر المنثور (۶/۶۴۷)

تقدم تخریجه فی ص (۱۰۴) رقم الحاشیة ۱

أخرجه الطبراني في الاوسط (۶۹۰۹) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وقال الهيثمی (المجمع ۷/۲۲۴) وفیه سعد بن مسلمة الاموی وهو ضعیف ووثقه ابن حبان وقال یخطئ.

أخرجه الطبراني في الاوسط (۷۱۶۴) عن عبدالله ابن یزید الخطمی وقال الهیثمی في المجمع (۷/۲۲۴): رجاله ثقات.

أخرجه الطبراني في الکبیر والصغیر والاوسط کما في المجمع (۷/۲۲۴) عن عبدالله بن یزید "جعل الله عذاب هٰذه الامة في دنیاهم" وقال الهیثمی: رواه الطبراني في معاجمه الثالثة ورجال الکبیر رجال الصحیح اهـ قلنا: لم نجده في هٰذه الکتب بهٰذا اللفظ وانما وجدنا في الصغیر (۲/۴۶) والاوسط (۷۱۶۴) بلفظ: "عذاب امتی في دنیاها" واما الکبیر فلیس فیما عندنا من نسخة الکبیر مسند عبدالله بن یزید الخطمی، والله اعلم.

مسلمانوں کی ترقی کا معیار

اور بلاؤں سے بچنے کا واحد علاج

ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ اس امت پر اس کے گناہوں کا بہت سا بدلہ دنیا میں ہے اور یہ رحمت ہے، اگر ایسا نہ ہو، یعنی باوجود گناہوں کی کثرت کے، مصائب میں ابتلاء نہ ہو تو زیادہ اندیشہ ناک ہے، لہٰذا اس امت کے، یعنی محمدی امت کے، مرحوم امت کے مصائب اور حوادث سے بچنے اور پریشانیوں اور ذلتوں کے ہٹنے کا واحد علاج گناہوں سے نہایت اہتمام سے بچنا ہے اور جو اتفاقاً صادر ہو جائیں، ان پر رونا ہے، استغفار کرنا ہے، توبہ کرنا ہے، اس کے سوا کوئی علاج نہیں، قطعاً نہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان مسلمان رہ کر گناہوں کی کثرت کے ساتھ ترقی کرتا رہے، ہاں کافر بن کر جتنے گناہوں کے ساتھ ترقی کرے ممکن ہے، کہ کفر کی حالت میں سیکڑوں برائیوں کے ساتھ جتنی بھی معمولی بھلائیاں کرے گا دنیا میں فلاح و ترقی پائے گا۔

حضرت سلیمان بن عامرؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے والد صلہ رحمی کرتے تھے، عہد کو پورا کرنے کا بھی اہتمام تھا، مہمان کا اعزاز و اکرام بھی بہت کرتے تھے (کیا ان امور سے ان کو کوئی نفع پہنچے گا) حضور نے دریافت فرمایا کیا وہ اسلام سے پہلے مر گئے تھے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، حضور نے ارشاد فرمایا کہ ان کو تو نفع نہیں دے گا البتہ ان کی اولاد کو نافع ہوگا تم لوگ نہ رسوا ہوگے نہ ذلیل ہوگے، نہ فقیر۔ (درمنثور)

اس سے یہ اشکال بھی رفع ہوگیا کہ ہم بعض کافروں کو خوش حال اور دنیا میں ترقی یافتہ دیکھتے ہیں لیکن ان کے اعمال حسنہ اس قابل نہیں پاتے، تو حدیث بالا کی بنا پر غالباً ان کے والدین کے اعمال حسنہ کا یہ ثمرہ ہے، جس کو وہ پا رہے ہیں، غرض نصوص بہت کثرت سے اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کفار اور مسلمانوں کے اصول ترقی مشترک نہیں ہیں، بلکہ بعض مشترک ہیں اور بعض جدا جدا ہیں، مسلمانوں کی ترقی کا معیار صرف دین پر عمل ہے بالخصوص معاصی سے بچنا کہ جس قدر بھی معاصی میں ابتلاء ہوگا اتنا ہی دنیا میں مصائب کا سامنا ہوگا یہ دیکھ کر کہ اس قسم کے معاصی

الدر المنثور (الزلزلة/ الآية: ۷، ٦/٦٤٨) أخرجه ابن جرير الطبرى في تفسيره (الزلزلة/ ۳۰/۳۲٦) عن سليمان بن عامر، -ووقع في تفسير الطبرى سلمان بن عامر-

کفار سے بھی سرزد ہوتے ہیں اور وہ ترقی کرتے جاتے ہیں ان کے لئے یہ معاصی مصائب کا سبب نہیں بنتے، اس وجہ سے ان سے بے خطرہ ہوجانا اپنے کو اور زیادہ مصائب میں پھنسانا اور مبتلا کرنا ہے؛ اور اگر مصائب نہ ہوں تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے وہ استدراج ہے، جس کا انتقام فوری اور دفعی ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص معصیت اور گناہ کے ساتھ کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ جس چیز کی امید رکھتا ہے اس سے دور ہوجاتا ہے، اور جس چیز سے ڈرتا ہے اس کے قریب ہوجاتا ہے۔ (جامع الصغیر بروایۃ انس ورقم لہ بالصحۃ)

اسلئے مسلمانوں کا گناہوں کے ساتھ ترقی اور فلاح کی امید رکھنا، اپنے کو اس سے دور کرنا ہے اور کفار کی حرص کرنا، ان کے قدم بقدم چلنا، علاوہ بے غیرتی کے ناکامی کا بھی ذریعہ ہے۔

کافر سردار کا سر کاٹ کر لانے پر صدیق اکبر کی سخت نکیر

فارس اور روم کا فوجی دستور یہ تھا کہ جو لشکر غالب ہوجاتا وہ مغلوب جماعت کے سرداروں کا سر کاٹ کر تفاخر شہرت پسندی اور مسرت کے طور پر اپنے امیر کے پاس بھیجا کرتا۔

خلافتِ صدیقیہ میں جب روم سے لڑائی ہوئی تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہئے، جو یہ دوسروں کی ساتھ کرتے ہیں، ایک شامی سردار کا سر کاٹ کر حضرت عقبہ بن عامر کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں بھیجا، جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، حضرت عقبہ نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ کے جانشین! وہ لوگ بھی یہی معاملہ ہم لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا کہ کیا فارس و روم کی سنتوں اور طریقوں کا اتباع کیا جائے گا، میرے پاس کبھی بھی کسی کا سر نہ لایا جائے ہم لوگوں کو (اتباع کے لئے) اللہ کی کتاب اور رسول کی حدیث کافی ہے۔ (شرح السیر اول)

أخرجه أبو نعيم في الحلية (٦/ ٣٧١) عن أنس ورقم له السيوطي في الجامع الصغير بالصحة.

شرح السير (١/ ٧٨) ط: حيدر آباد.

اگرچہ فقہا نے بعض نصوص کی بنا پر اس کی اجازت دی ہے، مگر حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے اس کے موافق نہ تھی، اس لئے منع فرمادیا اور عقبہ کو اس پر تنبیہ فرمائی کہ فارس وروم کے فعل سے استدلال کیوں کیا۔

ملک شام کے سفر میں
حضرت ابوعبیدہ کو حضرت عمر کی تنبیہ

حضرت عمرؓ جس وقت شام تشریف لے جارہے تھے راستہ میں ایک جگہ کچھ گارا پانی آ گیا، آپ اونٹ پر سے اتر لئے، موزے نکال کر شانہ پر رکھ لئے اور اس میں گھس کر اونٹ کی نکیل ہاتھ میں پکڑ لی وہ ساتھ ساتھ تھا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے یہ ایک ایسی بات کی کہ شام والے تو اس کو بڑی (ذلت کی) چیز سمجھتے ہیں، میرا دل نہیں چاہتا کہ اہل شہر آپ کو اس حالت پر دیکھیں، آپ نے ان کے سینہ پر ایک ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا کہ ابوعبیدہؓ تمہارے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسی بات کہتا تو میں عبرت انگیز سزا دیتا، ہم لوگ ذلیل تھے، حقیر تھے، اللہ جل شانہ نے اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی، پس اب جس چیز سے اللہ نے عزت دی اس کے سوا کسی چیز کے ساتھ عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ جل شانہ ہم کو ذلیل کردیں گے۔ (مستدرک للحاکم)

عزت اور ذلت کا مدار

حقیقتاً مسلمان کے لئے اصل عزت اللہ کے یہاں کی عزت ہے، دنیا اور دنیا والوں کے نزدیک اگر ذلت ہوئی بھی تو کیا اور کے دن کی۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار وتمکین   وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کی نافرمانیوں کے ساتھ لوگوں میں عزت تلاش کرتا ہے، اس کے تعریف کرنے والے اس کی مذمت کرنے والے بن جاتے ہیں۔

أخرجه الحاكم (۳/۸۲) وسكت عنه وهو الذهبي جميعاً.

أخرجه ابن لال وأخرج نحوه العسكري عن عائشة رضي الله عنها، كذا في المقاصد الحسنة للسخاوي (ص: ۴۰۴) وانظره للتفصيل لزاماً.

’’مقاصد حسنہ‘‘ میں یہ مضمون مختلف عنوانات سے نقل کیا گیا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے ترقی کی راہ، عزت کی راہ، زندگی اور دنیا میں آنے کی غرض، صرف اللہ کی رضا اس کی مرضیات پر عمل ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، اگر عزت ہے تو یہی ہے منفعت ہے تو یہی ہے، حیرت ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ کے پاک کلام اور اس کے رسول کے سچے ارشادات میں علوم و حکمت دارین کی فلاح و ترقی کے اسباب اور خزانے بھرے ہوئے ہیں، لیکن وہ ہر بات میں دوسروں پر نگاہ رکھتے ہیں، دوسروں کا پس خوردہ کھانے کے درپے رہتے ہیں، کیا یہ چیز انتہائی بے غیرتی اور اللہ اور اس کے پاک رسول کے ساتھ اجنبیت اور مغائرت کی نہیں ہے، کیا اس کی مثال اس بیمار کی سی نہیں جس کے گھر میں ایک مرجع الخلائق حکیم ایک حاذق ڈاکٹر موجود ہو اور وہ کسی اناڑی طبیب سے علاج کرائے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تورات کا ایک نسخہ کہیں سے لائے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تورات لایا ہوں اور یہ کہہ کر اس کو پڑھنا شروع کر دیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی اور چہرۂ انور متغیر ہو گیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چہرۂ انور کو دیکھ کر حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا تجھے موت آجائے دیکھتا نہیں ہے کہ چہرۂ انور پر غصہ کے آثار ہیں، حضرت عمرؓ اس کے پڑھنے میں مشغول تھے، دفعۃً حضور کے چہرے کو دیکھا تو ڈر گئے، اور بار بار کہنا شروع کیا: ’’اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ، رَضِيْنَا بِاللّٰه رَبًّا، وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ (صلى اللّٰه عليه وسلم) نَبِيًّا‘‘. (میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسول کے غصہ سے، ہم لوگ اللہ کو رب ماننے پر راضی اور خوش ہیں، نیز اسلام کو اپنا مذہب بنانے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے پر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام میری نبوت کا زمانہ پاتے تو میرا اتباع کرتے۔ (مشکوۃ بروایۃ دارمی)[*]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی بالکل ظاہر تھی کہ جب تک اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے ارشادات پر، پوری نظر اور مہارت نہ ہو، اس وقت تک کسی ایسی کتاب کا دیکھنا جس میں حق اور باطل مخلوط ہو، اپنے دین کو خراب کرنا ہے، اس لئے کہ جو شخص دین میں کامل مہارت رکھتا

[*] أخرجه الدارمي ۱/ ۳۹)، رقم ۴۳۵) عن جابر رضي الله عنه.

ہے ہر بات میں حق اور ناحق فوراً پہچان سکتا ہے اس کے لئے تو مضائقہ نہیں کہ کسی چیز کو دیکھے لیکن جس کو دینی علوم میں پوری مہارت نہ ہو اس کے متعلق قوی اندیشہ ہے کہ اپنی قلت علم کی وجہ سے کسی ناحق بات کو حق سمجھ جائے اور گمراہی میں پھنس جائے، چوں کہ تورات میں ایسے احکام بھی تھے جو منسوخ ہو چکے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس میں تحریف بھی ہو چکی تھی اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت ناراضی کا اظہار فرمایا کہ مبادا دین میں خلط واقع ہو، اسی لئے ابن سیرینؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ علم دین ہے، پس غور سے دیکھو کہ اپنے دین کو کس سے حاصل کر رہے ہو۔ (مشکوٰۃ)

اسی وجہ سے مشائخ اور اکابر ہمیشہ ایسے لوگوں کی صحبت سے اور تقریر سننے اور تحریر دیکھنے سے منع کرتے ہیں، جنکی دینی حالت خراب ہو، تاکہ بے دینی کے زہریلے اثرات سے حفاظت رہے۔

”قول کو دیکھو قائل کو نہ دیکھو کا“ مطلب

عام طور سے ایک مقولہ مشہور ہے: ”اُنْظُرُوْا اِلٰی مَا قَالَ وَلَاتَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ قَالَ.“ (یہ دیکھو کہ کیا کہا یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا) یہ صحیح ہے، اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چناں چہ مختلف الفاظ سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے، جہاں سے ہاتھ لگے لے لے۔ (جامع، مشکوۃ، مرقاۃ)

لیکن یہ اسی وقت ہے جب سننے والے کو کھرے کھوٹے کی تمیز حاصل ہو چکی ہو، وہ دین کے اصول سے اور بات کے جانچنے کے قواعد سے اتنا واقف ہو چکا ہو کہ کیا کہا کو معلوم کر سکے وہ یہ سمجھ سکے کہ فلاں بات دین کے موافق ہے فلاں چیز دین کے خلاف ہے، قرآن وحدیث کے خلاف ہے، فقہ اور سلف صالحین کے خلاف ہے، مگر جب تک یہ بات حاصل نہ ہو، اس وقت تک ہر قسم کی تقریر وتحریر سے تأثر پیدا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ آج کل صبح کو ایک اثر ہوتا ہے شام کو دوسرا رنگ جم جاتا ہے، ایک شخص آتا ہے وہ ایک لچھے دار تقریر کر کے تمام مجمع سے ایک بات پر ہاتھ اٹھوا لیتا ہے دوسرا آتا ہے وہ اس کے خلاف پرزور تقریر کر کے اس کے خلاف ہاتھ اٹھوا لیتا ہے، الغرض

أخرجه الدارمي (۱/۶۷ رقم ۴۱۹)

أخرجه الترمذي (العلم/باب في فضل الفقه على العبادة ۲۶۸۷) وابن ماجة (الزهد/الحكمة رقم ۴۱۶۹) عن ابى هريرة رضي الله عنه، وقال الترمذي: غريب ورقم له السيوطى بالحسن.

مسلمان کے لئے صلاح وفلاح، صرف اتباع مذہب، اسوۂ رسول اور سلف صالحین کے طریقہ میں منحصر ہے، یہی آخرت میں کام آنے والی چیز ہے، یہی دنیا میں ترقیات کا سبب ہے، اسی پر عمل کر کے پہلے لوگ بام ترقی پر پہنچے تھے، جن کے احوال وحالات آنکھوں کے سامنے ہیں اور کوئی تاریخ سے واقف شخص اس چیز سے انکار نہیں کرسکتا، اس کے خلاف میں مسلمان کے لئے ہلاکت ہے، بربادی ہے، آخرت کا خسارہ ہے دنیا کا نقصان ہے، تجویزیں جتنی چاہے کرلی جائیں، ریزولیوشن جتنے چاہے پاس کر لئے جائیں، اخبارات کے مقالے جتنے چاہے لکھ لئے جائیں اور مزہ لے کر ان کو پڑھ لیا جائے، سب بے سود ہے بیکار ہے، مسلمان کی ترقی وفلاح کا واحد راستہ معاصی سے پرہیز ہے، اور اسلامیات کا اہتمام ہے، اس کے سوا دوسرا راستہ منزل مقصود کی طرف ہے ہی نہیں۔

دین کے اہتمام میں اسلاف کے حالات اور غیبی مددوں کے بعض واقات

یہاں ایک اور چیز پر بھی غور کرتے چلو، آج اسلام کو مسخ کر دیا جائے، اس کے سارے احکام کو مولویانہ اسلام، راہبانہ مذہب، ملانہ تنگ نظری کہہ دیا جائے۔

مگر جن اسلاف نے ہزاروں قلعے فتح کئے تھے، لاکھوں کروڑوں آبادیوں کو مسلمان کر کے اسلام کی حکومت وہاں قائم تھی، وہ اسی مولویانہ اسلام کے حامل تھے اور ملانوں سے زیادہ تنگ نظر تھے، وہاں دین سے ایک انچ ہٹنا بھی ہلاکت شمار کیا جاتا تھا، وہاں زکوۃ ادا نہ کرنے پر قتال کیا جاتا تھا، وہاں شراب کو حلال سمجھ کر پینے پر قتل کیا جاتا تھا اور حرام سمجھنے کے باوجود پینے پر کوڑے لگائے جاتے تھے، وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے نماز کو ایسا منافق چھوڑ سکتا ہے جس کا نفاق بالکل واضح ہو، یعنی عام منافقین کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی کہ نماز کو چھوڑ سکیں، وہاں جب کوئی اہم مشکل اور گھبراہٹ کی بات پیش آتی تھی تو فوراً نماز کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تھی حضور مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور اس وقت تک باہر نہیں آتے تھے جب تک وہ تھم نہ جاتی[*]۔

---

[*] أخرجه الطبراني في الكبير كما في مجمع الزوائد (۲/ ۲۱۱) عن أبي الدرداء وقال الهيثمي: هو من رواية زياد بن صخر عن أبي الدرداء ولم اجد من ترجمه.

متعدد صحابہ نے مختلف عنوانوں سے حضور کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ پریشانی اور گھبراہٹ کے وقت نماز کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور ایک صحابی نے حضور سے نقل کیا ہے کہ پہلے انبیاء کا بھی یہی معمول تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کثرت سے یہی معمول نقل کیا گیا ہے۔

کچھ تفصیل دیکھنا ہو تو میرے رسالہ ''فضائل نماز'' میں دیکھو، وہ لوگ نماز میں تیر کھاتے رہتے تھے اور نماز کی لذت کی وجہ سے اس کو توڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اذان سنتے ہی دکانوں کو چھوڑ کر نمازوں کو چلا جانا ان کا عام معمول تھا، حضرت عمرؓ نے اپنی سلطنت کے حکام (گورنروں) کے پاس اعلان بھیج دیا تھا کہ سب سے زیادہ مہتم بالشان چیز میرے نزدیک نماز ہے، جو اس کی حفاظت کرسکتا ہے وہ دین کے بقیہ اجزا کی بھی حفاظت کرسکتا ہے، اور جو اس کو ضائع کردے گا وہ دین کے باقی امور کو زیادہ برباد کردے گا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے مرتدین کے ساتھ جہاد کے لئے، جب حضرت خالد کو امیر لشکر بنا کر بھیجا تو ان کو وصیت فرمائی کہ یہ پانچ چیزیں ہیں، کلمہ شہادت، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، جو شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے اس سے قتال کرنا۔ (خمیس)

حضرت عمرؓ نے جب عتبہ بن غزوان کو فارس کی ایک لڑائی پر امیر لشکر بنا کر بھیجا تو وصیت فرمائی: ''اِتَّقِ اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتَ، وَاحْكُمْ بِالْعَدْلِ، وَصَلِّ الصَّلٰوةَ لِمِيْقَاتِهَا وَاَكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰهِ.'' (ابن جریر)

ترجمہ: جتنا ممکن ہو تقویٰ کا اہتمام رکھنا، فیصلہ میں انصاف کا اہتمام رکھنا، نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہنا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ''اجنادین'' میں رومیوں سے مشہور و معروف زبردست لڑائی ہوئی ہے، رومیوں کے سپہ سالار نے ایک عربی شخص کو جاسوس بنا کر، مسلمانوں

أخرجه أبو داود (التطوع/وقت قيام النبي صلى الله عليه وسلم ۱۳۱۹) وأحمد (۵/۳۸۸) وسكت عنه أبو داود والمنذري جميعاً.

أخرجه أحمد (۴/۳۳۳) والنسائي في الكبرىٰ (۱۰۴۵۰) والبيهقي في السنن (۹/۵۳) عن صهيب رضي الله عنه، مطولاً وفيه "وكانوا يفزعون اذا فزعوا الى الصلاة"

أخرجه مالک في الموطا (الوقوت، باب وقوت الصلاة ۷) وعبدالرزاق ۱/۳۹۶) رقم ۲۰۴۲)

تاريخ خميس (۲/۲۲۸)

تاريخ طبری (۴/۱۴۸) حوادث سنة ۱۴ هجرية.

کے حالات کی تحقیق کے لئے بھیجا، اور اس سے کہا کہ ایک شب وروزان کے لشکر میں رہے اور غور سے پورے حالات کا مطالعہ کر کے آئے، وہ چوں کہ عربی تھا اس لئے ان میں بے تکلف رہا اور واپس جا کر اس نے جو حالت بیان کی ہے وہ یہ ہے۔

''بِاللَّیْلِ رُهْبَانٌ، وَبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ، وَلَوْ سَرَقَ ابْنُ مَلِکِهِمْ قَطَعُوْهُ، وَلَوْ زَنٰی رُجِمَ لِاِقَامَةِ الْحَقِّ'' (خمیس)

ترجمہ: یہ لوگ رات میں راہب ہیں دن میں شہسوار (یعنی رات بھر خدا کے سامنے ناک رگڑتے ہیں دن بھر گھوڑے پر سوار رہتے ہیں) اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کر لے تو حق کی حمایت میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیں، اگر زنا کرے تو اس کو بھی سنگسار کر دیں۔

یہ جو کچھ اس جاسوس نے کہا بالکل صحیح کہا، حدیث کی کتابوں میں بکثرت یہ قصہ وارد ہے کہ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تھی، اونچے طبقہ کی شمار ہوتی تھیں، لوگوں نے چاہا کہ حضور کی بارگاہ میں کسی طرح سفارش کی جائے، مگر کسی کی جرأت اور ہمت نہ ہوتی تھی، حضور کے متبنیٰ حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ کو اس کے لئے تجویز کیا کہ حضور ان سے محبت فرماتے تھے، انہوں نے سفارش فرمائی تو حضور نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو، اس کے بعد حضور نے وعظ فرمایا جس میں ارشاد فرمایا کہ پہلی امت کے لوگ اسی بات سے ہلاک ہوئے ہیں کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کر لیتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی معمولی درجہ کا آدمی کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے، خدا کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کر لیتی (اعاذہا اللہ منہ) تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔ حدیث کی کتابوں میں اور بھی اس نوع کے قصے مذکور ہیں، یہی چیز تھی جس سے کفار کے قلوب مسلمانوں سے مرعوب ہوتے تھے، چناں چہ اس رومی سپہ سالار نے اس جاسوس کی بات سن کر کہا: ''اِنْ کُنْتَ صَدَقْتَنِیْ لَبَطْنُ الْاَمْرِ خَیْرٌ مِّنْ لِّقَائِهَا عَلٰی ظَهْرِهَا'' اگر تو نے مجھ سے ان کا حال سچ بیان کیا ہے تو زمین میں دفن ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ زمین کے اوپر ان سے مقابلہ کیا جائے۔

مسلمانوں کے یہاں ایک رومی قید تھا جو اتفاق سے موقع پا کر چھوٹ کر بھاگ گیا، ہرقل

تاریخ الطبری (۴/۴۳۴) والبدایة والنهایة (۷/۷۷) وقعة یرموک.

أخرجه البخاری (الحدود/ کراهیة الشفاعة في الحد الخ ۶۷۸۸) ومسلم (الحدود/ قطع السارق الشریف وغیره ۱۶۸۸) عن عائشة رضي الله عنها.

نے اس سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے اور کہا ایسے پورے حالات بیان کر کہ ان کا منظر میرے سامنے ہو جائے اس نے بھی اسی قسم کے حالات بیان کئے کہ یہ لوگ رات کو راہب ہیں دن کو سوار، ذمیوں سے (یعنی وہ کافر جوان کی رعیت میں ہیں) بھی بغیر قیمت کوئی چیز نہیں لیتے، ایک دوسرے سے جب ملتے ہیں تو سلام کرتے ہیں۔

ہرقل نے کہا اگر یہ حالات سچے ہیں تو وہ اس جگہ کے مالک بن کر رہیں گے۔

انطاکیہ کی لڑائی میں یزید بن ابی سفیان نے حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں ایک خط لڑائی کے حالات کے متعلق لکھا ہے جس کا شروع یہ ہے: ''اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ هِرَقْلَ مَلِكَ الرُّوْمِ لَمَّا بَلَغَهُ سَيْرُنَا اِلَيْهِ، اَلْقَى اللّٰهُ الرُّعْبَ فِيْ قَلْبِهٖ فَتَحَوَّلَ وَنَزَلَ اِنْطَاكِيَه''۔

ترجمہ: حمد وصلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ ہرقل، روم کے بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ اس کی طرف چل دیئے تو حق تعالیٰ شانہ نے اس کے دل میں کچھ ایسا رعب ڈالا کہ وہ مقابلہ سے ہٹ گیا اور انطاکیہ پہنچ گیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمہارا خط آیا، جس سے ہرقل کے مرعوب ہونے کا حال معلوم ہوا، بے شک حق تعالیٰ شانہ نے اس وقت بھی جب کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے، دشمنوں کو مرعوب کرنے کے ساتھ مدد فرمائی ہے اور اپنے فرشتوں سے مدد کی ہے اور یہی وہ دین ہے جس کی طرف لوگوں کو ہم بلاتے ہیں اور جس کی وجہ سے اللہ جل شانہ رعب کے ساتھ ہماری مدد کرتے ہیں۔ (خمیس)[1]

ہرقل کی فوج بہت زیادہ تھی، اور مسلمان اس کے مقابلے میں بہت ہی کم تھے جس کی اطلاع حضرت عمرو بن العاصی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی، اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ تم مسلمان قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوسکتے، البتہ معاصی میں مبتلا ہونے پر باوجود کثیر تعداد کے بھی مغلوب ہوسکتے ہو، اس لئے اس سے پرہیز کرتے رہنا۔[2] (اشاعۃ)

یہی چیز تھی جس نے اس وقت مسلمانوں کو نہ صرف آدمیوں ہی پر غالب بنا رکھا تھا، بلکہ بحر و بر، شجر، حجر، چرند و پرند سب ہی چیزوں پر ان کو فتح حاصل تھی، تاریخیں ان واقعات سے پر ہیں، تفصیلات کے لئے بڑے دفتروں کی ضرورت ہے۔

---

[1] تاریخ خمیس (۲/ ۲۵۱)

[2] البدایة والنهایة (۷/۷)

افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں، جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی جانور بکثرت تھے، حضرت عقبہ امیر لشکر چند صحابہ کو ساتھ لے کر، ایک جگہ پہنچے اور اعلان کیا: ''اَيُّهَا الْحَشَرَاتُ وَالسِّبَاعُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْحَلُوْا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَّجَدْنَاهُ بَعْدُ قَتَلْنَاهُ''۔

ترجمہ: اے زمین کے اندر رہنے والے جانوروں اور درندو! ہم صحابہ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کر رہی ہے اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ اس کے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کر دیں گے۔ یہ اعلان تھا یا کوئی بجلی تھی جو[1] ان درندوں اور موذی جانوروں میں سرعت سے دوڑ گئی اور اپنے بچوں کو اٹھا اٹھا کر سب چل دیئے۔ (اشاعۃ)

حضرت سفینہؓ رومیوں کی لڑائی میں یا کسی دوسرے موقعہ پر راستہ بھول گئے، اتفاق سے ایک شیر سامنے آ گیا، انہوں نے اس شیر سے فرمایا میں حضور کا غلام ہوں، مجھے یہ صورت پیش آ گئی، وہ شیر کتے کی طرح دم ہلاتا ہوا ان کے ساتھ ہولیا، جہاں کہیں کوئی خطرہ کی بات پیش آتی، وہ دوڑ کر اس طرف جاتا اور اس سے نبٹ کر پھر[2] ان کے پاس آجاتا اور اسی طرح دم ہلاتا ہوا ساتھ ہولیتا، حتی کہ لشکر تک ان کو پہنچا کر واپس چلا گیا۔ (مشکوۃ)

فارس کی لڑائی میں جب مدائن پر حملہ ہونے والا تھا تو راستہ میں دجلہ پڑتا تھا، کفار نے وہاں سے کشتیاں وغیرہ بھی سب ہٹالیں کہ مسلمان ان پر کو نہ آسکیں، برسات کا موسم اور سمندر میں طغیانی، امیر لشکر حضرت سعدؓ نے حکم دے دیا کہ مسلمان سمندر میں گھوڑے ڈال دیں، دو دو آدمی ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور سمندر میں گھوڑے بے تکلف تیر رہے تھے، امیر لشکر حضرت سعد کے ساتھی حضرت سلمانؓ تھے اور حضرت سعد بار بار فرماتے تھے: ''وَاللّٰهِ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰه وَلِيَّهٗ وَلِيَهْزِمَنَّ عُدُوَّهٗ مَالَمْ يَكُنْ فِي الْجَيْشِ بَغْيٌ اَوْ ذُنُوْبٌ تَغْلِبُ الْحَسَنَاتِ''۔

ترجمہ: خدا کی قسم اللہ جل شانہ اپنے دوستوں کی مدد ضرور کرے گا، اور اپنے دین کو غالب کرے گا اور دشمنوں کو مغلوب کرے گا، جب تک کہ لشکر میں ظلم (یا زنا) نہ ہو اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہو جائیں[3]۔ (اشاعۃ)

---

[1] الكامل في التاريخ (۳/۲۳۰) والطبرى (۶/۱۳۴)

[2] أخرجه عبدالرزاق (۲۰۵۴۴) والبغوى في شرح السنة (۳۶۲۶)

[3] الكامل في التاريخ (۲/۱۹۸) والبداية والنهاية (۷/۶۷)

مرتدین کی لڑائی میں حضرت صدیق اکبرؓ نے علاء حضرمیؓ کو امیر لشکر بنا کر بحرین کی طرف بھیجا، ایک ایسے جنگل پر گذر رہوا جہاں پانی کا نشان تک نہ تھا، لوگ پیاس کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ گئے، حضرت علاء گھوڑے سے اترے، دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد دعا کی جس کے الفاظ یہ ہیں: "یَا حَلِیْمُ، یَا عَلِیْمُ، یَا عَلِیُّ، یَا عَظِیْمُ، اسْقِنَا. (اے حلم والے، اے علم والے، اے برتری والے، اے بڑائی والے، ہمیں پانی عطا فرما) ایک نہایت معمولی سا بادل اٹھا اور فوراً برسا اور اس زور سے کہ سب لوگوں نے خود، پیا برتنوں کو بھر لیا، سواریوں کو پلایا، یہاں سے فارغ ہونے کے بعد چوں کہ مرتدین کی جماعت نے "دار بن" میں جا کر پناہ لی تھی اور وہاں پہنچنے کے لئے سمندر کو عبور کرنا پڑتا تھا، مرتدین نے کشتیاں بھی جلا دی تھیں کہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کر سکیں، حضرت علاء سمندر کے کنارے پہنچے، دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی: "یَا حَلِیْمُ، یَا عَلِیْمُ، یَا عَلِیُّ، یَا عَظِیْمُ اَجِزْنَا. (اے حلیم، اے علیم، اے علی، اے عظیم ہمیں پار کر دے) یہ دعا کی اور گھوڑے کی باگ پکڑ کر سمندر میں کود پڑے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پانی پر چل رہے تھے خدا کی قسم نہ قدم بھیگا، نہ موزہ بھیگا، نہ گھوڑوں کے سم بھیگے اور چار ہزار کا لشکر تھا، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ پانی اس قدر کم ہو گیا تھا کہ گھوڑے اور اونٹوں کے صرف پاؤں بھیگتے تھے، کیا بعید ہے کہ جب چار ہزار کا لشکر تھا اس میں بعض کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا اور ابو ہریرہؓ جیسوں کے موزے بھی نہ بھیگے ہوں، اسی قصہ کی طرف عفیف بن منذر نے، جو خود اس لڑائی میں شریک تھے دو شعروں میں اشارہ کیا ہے جن کا ترجمہ یہ ہے "کہ کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ نے سمندر کو مطیع کر دیا اور کفار پر کتنی سخت مصیبت نازل کی، ہم نے اس پاک ذات کو پکارا، جس نے (بنی اسرائیل کے واسطے) سمندر کو ساکن کر دیا تھا، اس نے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل سے بھی زیادہ اعانت کا معاملہ فرمایا۔" (خمیس)

سمندر اور دریاؤں پر پیدل اور سواریوں پر گذرنے کے واقعات کثرت سے ہیں، مگر عزیز من! یہ قصے لطف سے پڑھنے کے نہیں ہیں، اپنی بدحالی اور بداعمالی پر رونے کے ہیں، حضور نے ہمیں اپنے پاک ارشادات میں ایک ایک چیز بتا دی، بھلائی کے راستے اور برائی کے راستے علیحدہ علیحدہ کر دیئے، اسلاف نے ان پر عمل کیا اور کامیاب ہوئے، ہم نے نہ حضور کے ارشادات کی قدر کی، نہ ان بزرگوں کے حالات سے عبرت اور نصیحت حاصل کی نہ اللہ جل جلالہ کا خوف کیا، نہ

تاریخ الخمیس (۲/۲۴۶)

اس کے پاک رسول کی پیروی کی لیکن جو آرزوئیں اور امیدیں لگائے بیٹھے ہیں، وہ جو بو کر گیہوں کاٹنے کی ہیں، جنہوں نے گیہوں بوئے تھے انہوں نے کاٹے بھی وہی تھے، اسلامی تاریخ اٹھاؤ اور ایک ایک معرکہ کو غور اور عبرت کی نگاہ سے دیکھو، لشکروں کو روانگی کے وقت کیا کیا نصائح ہوتی تھیں اور پھر وہ حضرات اس پر کیسی پابندی کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی امیر لشکر حضرت سعدؓ کو نصیحت

عراق کی لڑائی میں جس کا مختصر حال، میں ''حکایات صحابہ'' باب ہفتم کے ۶ پر لکھ چکا ہوں، حضرت عمرؓ نے امیر لشکر حضرت سعد کو جو نصیحت فرمائی ہے، اس کا ایک ایک لفظ غور کے قابل ہے، چند الفاظ کا ترجمہ لکھتا ہوں، فرماتے ہیں:

''اس پر غرور نہ کرنا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور حضور کا صحابی کہا جاتا ہے، اللہ جل شانہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے، بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں، اللہ کے درمیان اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے، اس سے صرف بندگی کا معاملہ ہے، اس کے یہاں شریف رذیل سب برابر ہیں، اس کے انعامات اس کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں، حضور کی پوری زندگی نبوت کے بعد سے وصال تک جو تم نے دیکھی ہے، اس کو پیش نظر رکھنا اور اس کو مضبوط پکڑنا یہ میری خاص نصیحت ہے، اس کو اگر تم نے نہ مانا تو عمل ضائع ہو جائے گا اور نقصان اٹھاؤ گے..........تم ایک بہت سخت اور دشوار کام کے لئے بھیجے جا رہے ہو، جس (کی ذمہ داریوں) سے خلاصی بجز اتباعِ حق کے اور کسی صورت میں نہیں ہے، اس لئے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بھلائی کا عادی بنانا..........اللہ کا خوف اختیار کرنا اور اللہ کا خوف دو چیزوں میں مجتمع ہے، اس کی اطاعت میں اور گناہ سے احتراز میں اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی ہے وہ دنیا سے بغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی ہے فقط۔[*] (اشاعۃ)

آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے متعلق روایات

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص دنیا سے محبت رکھے گا، آخرت کو نقصان

[*] الکامل فی التاریخ (۲/۱۷۳) البدایۃ والنہایۃ (۷/۳۶)

پہنچائے گا اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھے گا، وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا، پس تم لوگ ایسی چیز کو جو باقی رہنے والی ہے، (یعنی آخرت کو) ترجیح دو ایسی چیز پر جو فنا ہو جانے والی ہے۔ (یعنی دنیا پر) (مشکوۃ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کلیہ کو سمجھ لیا تھا اور مضبوط پکڑ لیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دے اور دنیا کے نقصان کو آخرت کے مقابلہ میں برداشت کرنے کو تیار ہو جائے تو صورۃً دنیا کا نقصان ہوتا ہے، حقیقت میں نہیں ہوتا کہ جتنا مقدر ہے وہ تو پہنچ کر رہے گا۔

حضور کا ارشاد ہے: جس شخص کا ارادہ (اور اہتمام وعمل) آخرت کی طلب کا ہوتا ہے، اللہ جل شانہ اس کے دل میں غنا ڈال دیتے ہیں اس کے منتشر امور کو مجتمع فرما دیتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر پہنچتی ہے، اور جس شخص کی نیت دنیا طلبی کی ہوتی ہے فقر اس کی نگاہ کے سامنے رہتا ہے، کاموں میں انتشار اور تشتت رہتا ہے اور مقدر سے زیادہ تو ملتا ہی نہیں۔ (مشکوۃ)

چناں چہ صحابہ کرام اور ان کے بعد اولیاء اللہ کے قصے حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں کہ دنیا کس قدر ذلیل ہو کر ان کے پاس آتی تھی اور آتی ہے اور کیوں نہ آئے جب دنیا کی ہر چیز انہیں کے لئے پیدا کی گئی ہے، حضرت سعدؓ نے ایک موقع پر ایک مختصر جماعت کا امیر لشکر عاصم بن عمرو کو بنا کر ''میسان'' (ایک جگہ کا نام ہے) فتح کرنے کے لئے بھیجا، عاصم بن عمرو وہاں پہنچے تو اتفاق کہ مسلمانوں کے پاس خورد ونوش کا سامان نہیں رہا، نہ کہیں سے دستیاب ہوا، اہل فارس کا ایک شخص جو خود چرواہا تھا ایک بن کے کنارہ پر ملا اس سے دریافت کیا کہ کہیں دودھ اور بار برداری کے جانور مل سکیں گے، اس نے جھوٹ کہہ دیا کہ مجھے خبر نہیں ہے، لیکن بن کے اندر سے ایک بیل نے آواز دی ''كَذَبَ عَدُو اللّٰه هَا نَحْنُ'' اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہم یہاں موجود ہیں، اس آواز پر عاصم بن میں گئے اور ان کو پکڑ لائے اور لشکر پر تقسیم کیا۔

أخرجه الحاكم (۳۱۹/۴) وأحمد (۴۱۲/۴) عن أبي موسى الأشعرى رضي اللّٰه عنه وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

أخرجه الترمذي (صفة القيامة ۲۴۶۵) عن انس رضي اللّٰه عنه ولم يحكم عليه بشئ. واخرجه ابن ماجه (الزهد/الهم بالدنيا ۴۱۰۵) وأحمد (۱۸۳/۵) عن زيد بن ثابت نحوه مطولاً بقصة، وقال البوصيرى في ''زوائد ابن ماجه'': اسناد حديث زيد صحيح رجاله ثقات.

الكامل في التاريخ (۱۷۵/۲)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ قصہ قادسیہ میں حضرت سعد کے ساتھ پیش آیا تھا، اور اس میں بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ دونوں جگہ پیش آیا ہو، حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس قصہ کا تذکرہ آیا تو اس کو اس پر تعجب ہوا اور اس نے ایسے حضرات کو بلا کر جن کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا تصدیق کی، ان لوگوں نے بیل کی آواز کا خود سننا بیان کیا، حجاج نے کہا کہ لوگ اس واقعہ کے متعلق کیا خیال کرتے تھے، ان لوگوں نے کہا کہ لوگ اس واقعہ سے اس پر استدلال کرتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ مسلمانوں سے راضی ہیں اور فتوحات ان کے ہمرکاب ہیں، حجاج نے کہا یہ تو جب ہوسکتا ہے کہ لشکر کے سارے ہی افراد متقی، پرہیزگار ہوں، لوگوں نے کہا یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ لشکر کے دلوں میں کیا بات تھی۔

''فَاَمَّا مَارَاَیْنَا فَمَا رَاَیْنَا قَطُّ اَزْھَدَ فِیْ دُنْیَا مِنْھُمْ وَلاَ اَشَدَّ بُغْضًا لَھَا، لَیْسَ فِیھِمْ جَبَانٌ، وَلاَغَالٌّ وَلاَ غَدَّارٌ''۔

ترجمہ: لیکن ظاہر میں جو کچھ ہم نے دیکھا وہ یہ کہ دنیا کے بارے میں ان سے زیادہ زاہد اور دنیا کے ساتھ ان سے زیادہ بغض رکھنے والا ہم نے نہیں دیکھا، کوئی شخص ان میں بزدل، یا خیانت کرنے والا، یا بدعہدی کرنے والا نہ تھا۔

اس قصہ میں جانوروں کا بولنا، یا اللہ والوں کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا دونوں باتیں کچھ مستبعد نہیں ہیں، صحیح حدیثوں میں جانوروں کا بولنا ثابت ہے، بخاری شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ہے کہ ایک شخص ایک گائے لئے جارہا تھا وہ چلتے چلتے تھک گیا اور اس پر سوار ہوگیا، وہ گائے بولی کہ ہم اس کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، ہم کھیتی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، لوگوں کو اس کے بولنے پر بڑا تعجب تھا، حضور نے فرمایا میرا اور ابوبکر کا تو اس پر ایمان ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص بکریاں چرارہے تھے، ایک بھیڑیئے نے ایک بکری اٹھالی، ان صاحب نے شور وشغب کیا تو اس بھیڑیے نے کہا، درندوں کے دن (یعنی قیامت کے قریب) کون ان بکریوں کی حفاظت کرے گا، لوگوں کو تعجب ہوا کہ بھیڑیا کلام کرتا ہے، حضور نے یہاں بھی وہی ارشاد فرمایا کہ میرا اور ابوبکر وعمر کا اس پر ایمان ہے۔ (مشکوۃ بروایۃ الشیخین)

أخرجه البخاري (المزارعة/استعمال البقرة للحراثة ۲۳۲۴) ومسلم (فضائل الصحابة / فضائل ابي بكر رضي الله عنه ۲۳۸۸) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

أخرجه البخاري (الانبياء ۳۴۷۱) ومسلم (فضائل الصحابة/فضائل أبي بكر ۲۳۸۸) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

معجزات کی کتابوں میں متعدد واقعات اس نوع کے ذکر کئے گئے ہیں کہ جانوروں نے حضور کی نبوت کی شہادت دی، لوگوں کو ایمان نہ لانے پر طعن کیا، دیکھنا چاہو تو ''شفاء قاضی عیاض'' میں بھی چند واقعات ذکر کئے ہیں، اس قصہ کا دوسرا جز کہ جانوروں نے اپنے آپ کو پیش کیا، بھی ظاہر ہے، کیوں کہ جب یہ جماعت اللہ کے نام پر شہید ہونے کو، اس رضا اور رغبت کے ساتھ، ہر وقت تیار اور مستعد تھی تو کَمَا تُدِیْنُ تُدَانُ جیسا تم معاملہ کرو ویسا ہی کیا جائے گا۔ ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ کہ گردن نہ پیچد از حکم تو ہیچ

(یعنی خدا کی اطاعت کر، دنیا کی ہر چیز تری اطاعت کرے گی) ان حضرات کے شوق شہادت کے واقعات سے تواریخ بھری ہوئی ہیں، نمونہ کے طور پر چند قصے ''حکایات صحابہ'' میں لکھ چکا ہوں دل چاہے تو دیکھ لو۔

حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ کی قربانی کی تھی،● جب حضور قربانی فرما رہے تھے تو پانچ چھ اونٹ اکٹھے اڈرے ہوئے آتے تھے کہ پہلے کون قربان ہو۔

ابوداؤد شریف میں یہ قصہ مذکور ہے۔ اور جب ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ معمولی حکام، بے بس حکام جن کے قبضہ میں کچھ نہیں ہے وہ اپنے فرماں برداروں کی ہر طرح حمایت کرتے ہیں تو اللہ جل جلالہ اپنے مطیعوں کی حمایت کیوں نہ کرے گا اور قرآن شریف کا وعدہ ہے: ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوْا اللّٰهَ یَنْصُرْکُمْ'' (س محمد ع ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ جل شانہ تمہاری مدد کرے گا۔ ''اِنْ یَنْصُرْکُمْ فَلاَ غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِنْ بَعْدِهٖ'' (س آل عمران ع ۱۷)

ترجمہ: اگر اللہ جل شانہ تمہاری مدد کریں تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں ہوسکتا اور وہ اگر مدد نہ کریں تو پھر ان کے علاوہ کون مدد کر سکتا ہے۔

طاعت پر مدد کے وعدے اور گھمنڈ پر نقصانات

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، اطاعت رسول ان کی

● أخرجه مسلم (الحج/حجة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ۱۲۱۱) عن جابر مطولاً وأبوداود (المناسک/۱۷۶۵) عن عبداللّٰه بن قرط رضي اللّٰه عنه .

طبیعت بن گئی تھی، کامیابی ان کے ساتھ تھی، ہر نوع کی مدد ان کی رفیق تھی اور جہاں کہیں کسی قسم کی لغزش ہوئی، وہاں مشقتیں، دقتیں اٹھانا پڑیں، جنگ احد کا قصہ مشہور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو ایک خاص جگہ پر متعین فرما کر حکم دے دیا تھا کہ ہم غالب ہوں یا مغلوب، تم اس جگہ سے نہ ہٹنا، مسلمان غالب ہوتے جا رہے تھے اور جب کافی غلبہ ہوگیا تو اس جماعت کے بہت سے افراد نے یہ سمجھ کر کہ اب تو غلبہ بالکل ہی حاصل ہوگیا ہے، بھاگنے والے کفار کا تعاقب کیا اس جماعت کے امیر نے کہا بھی کہ حضور نے یہ فرمایا تھا کہ اگر ہم غالب بھی ہوجائیں تب بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا مگر جماعت نے غلط فہمی سے اس حکم کو یہ سمجھا کہ معمولی غلبہ مراد ہے اور اب بالکلیہ غلبہ ہو چکا ہے، اس لئے اس جگہ سے ہٹ گئے اور خالد بن ولید نے جو اس وقت کفار کے سپہ سالار تھے اسی جگہ سے آ کر پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔[1]

کتب حدیث و تاریخ میں یہ قصہ مشہور ہے۔

حنین کی لڑائی میں مسلمانوں کی کثرت اور کفار کی قلت کی وجہ سے، بعض مسلمانوں کو کچھ غرور پیدا ہوا، جس کی وجہ سے سخت پریشانی اور دقت کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑا، قرآن پاک میں بھی اس کی طرف اللہ جل جلالہ نے متوجہ فرمایا ہے چناں چہ ارشاد ہے: "**لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ**". (س توبہ، ع ۴)

ترجمہ: تمہاری اللہ جل شانہ نے بہت سے موقعوں میں مدد کی اور حنین کے دن بھی مدد کی جب کہ تم کو اپنی کثرت کی وجہ سے غرہ ہوگیا تھا، پس وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی (اور کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی تم کو ہوئی) کہ تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔[2]

مرتدین کی لڑائی میں اول طلیحہ الکذاب سے معرکہ ہوا، جس میں بہت سے لوگ بھاگ گئے، کچھ مارے گئے، خود طلیحہ بھی بھاگ گیا، اس سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے، اس

---

[1] أخرجه البخاري (المغازي /غزوة أحد ۴۰۴۳) وأبوداود (الجهاد/الكمناء ۲۶۶۲) عن البراء بن عازب رضي الله عنه.

[2] أخرجه البيهقي في الدلائل (۵/۱۲۳) وابن المنذر كما في الدر المنثور (۲/۴۰۴) عن الحسن، ومحمد بن عمرو عن الزهري كما في السيرة الشامية (۵/۴۶۹)

کے بعد مسیلمہ کی جماعت سے لڑائی ہوئی اور جس میں بہت سخت مقابلہ ہوا اور ہزاروں آدمی اس کی جماعت کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بھی بڑی جماعت شہید ہوئی حضرت خالد بن ولیدؓ ان معرکوں کے سپہ سالار تھے فرماتے ہیں:

''اِنَّا لَمَّا فَرَغْنَا مِنْ طُلَیْحَۃَ الْکَذَّابِ وَلَمْ تَکُنْ لَہٗ شَوْکَۃٌ قُلْتُ کَلِمَۃً -وَالْبَلاءُ مُوَکَّلٌ بِالْقَوْلِ-: وَمَا بَنُوْحَنِیْفَۃَ، مَا ھِیَ اِلَّا کَمَنْ لَقِیْنَا، فَلَقِیْنَا قَوْمًا لَایُشْبَھُوْنَ اَحَدًا وَلَقَدْ صَبَرُوْا لَنَا مِنْ حِیْنَ طَلَعَتِ الشَّمْسُ اِلٰی صَلاۃِ الْعَصْرِ''.

(خمیس)

ترجمہ: جب ہم طلیحہ کذاب سے فارغ ہوگئے اور اس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی تو میری زبان سے ایک کلمہ نکل گیا، اور مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے (میں نے کہہ دیا تھا کہ بنی حنیفہ ہیں ہی کیا چیز، یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں سے ہم نبٹ چکے ہیں، (یعنی طلیحہ کی جماعت) مگر جب ہم اس کی جماعت سے بھڑے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہیں، طلوع آفتاب سے لے کر عصر کے وقت تک وہ برابر مقابلہ کرتے رہے۔

حضرت خالدؓ خود اقرار فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ زبان سے نکل گیا تھا، جس کی وجہ سے اتنے سخت مقابلہ کی نوبت آئی۔

صحابہ کرام کی تحریرات اور خطبات میں ذرا ذرا سے امور پر تنبیہ اور اس کی چند مثالیں

اسی وجہ سے یہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ذرا ذرا سی چیز کی نگرانی اور اس پر تنبیہ فرماتے تھے، یرموک پر جب حملہ ہو رہا تھا تو حضرت خالدؓ عراق کی لڑائی میں مشغول تھے، یرموکی لشکر کی مدد کے واسطے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو خط لکھا اور تحریر فرمایا کہ عراق پر اپنا جانشین مقرر کرکے فوراً یرموک پہنچو، اس خط میں ان کی تعریف فرمائی تھی اور کامیابیوں پر مبارک باد دی تھی اور یہ لفظ بھی لکھا تھا:

''وَلایَدْخُلَنَّکَ عُجُبٌ، فَتَحْسَرَ وَتَخْذُلَ، وَاِیَّاکَ اَنْ تَدِلَّ بِعَمَلٍ؛ فَاِنَّ اللّٰہ

أخرجه الطبري في تاريخه (۳/۲۳۰)

تَعَالٰی لَهُ الْمَنُّ وَهُوَ وَلِیُّ الْجَزَاءِ. (خمیس)

ترجمہ: تمہارے اندر عجب (غرور) ہرگز پیدا نہ ہو کہ اس سے نقصان اٹھاؤ گے اور ذلیل ہو گے، اپنے کسی عمل پر ناز نہ کرنا، اللہ ہی کا احسان ہے اور وہی بدلہ کا مالک ہے۔

ان حضرات کے خطبات میں تحریرات میں ذرا ذرا سے امور پر تنبیہ اور ان کا اہتمام ہوتا تھا اور معاصی پر زبردست گرفت ہوتی تھی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے جس قدر کارنامے مشہور و معروف ہیں، دوست، دشمن، مسلمان، کافر سب ہی واقف ہیں، خلافت صدیقی میں ایک واقعہ میں حضرت عمرؓ لشکر کی امارت سے ان کو معزول کرنے پر بہت مصر ہوئے، مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قبول نہیں فرمایا۔

خلافت فاروقی میں ایک واقعہ کی بنا پر کہ ایک شاعر کو بہت سا انعام دے دیا تھا، حضرت خالد کی مشکیں بندھوا کر بلوایا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ جب پہلی مرتبہ بیت المقدس تشریف لے جا رہے تھے تو قرب وجوار کی فوجوں کے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ اپنی فوجوں پر اپنا قائم مقام کسی کو بنا کر، مجھ سے جابیہ میں (ایک جگہ کا نام ہے) آ کر ملیں، یہ سب امراء جابیہ پہنچے، سب سے اول یزید بن ابی سفیان سے، پھر حضرت ابوعبیدہ سے، پھر حضرت خالد سے ملاقات ہوئی، یہ حضرات کچھ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر سواری سے اترے اور پتھر اٹھا اٹھا کر ان حضرات کو مارنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ کس قدر جلدی تم اپنے پرانے خیالات سے ہٹ گئے کہ اس ہیئت میں مجھ سے ملنے آئے ہو، ابھی دو ہی برس سے تم کو پیٹ بھر کر ملنے لگی ہے، جس پر یہ حالت ہوگئی ہے، اگر دو سو برس کی امارت کے بعد بھی اس ہیئت کو اختیار کرتے تو میں تمہاری جگہ دوسروں کو امیر بناتا، انہوں نے معذرت کی اور عرض کیا، کہ ہم ہتھیار لگائے ہوئے ہیں یہ کپڑا اوپر پہن لیا تھا۔ (طبری)

ریشمی لباس کی فقہی بحث علیحدہ چیز ہے، بعض انواع اس کی جائز ہیں، میسان جب فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے نعمان بن عدی کو وہاں کا حاکم بنا دیا، انہوں نے اپنی بیوی کو بھی وہاں لے جانا چاہا،

الخمیس (۲/۲۵۵)

الكامل في التاريخ (۲/۱۵۲)

المصدر السابق (۲/۲۰۷)

تاريخ طبری (۴/۱۵۸) حوادث سنة ۱۵ هجرية.

مگر وہ نہیں گئیں، تو انہوں نے بیوی کو ایک خط لکھا، جس میں وہاں کی راحتیں اور لطف، اشعار میں لکھا، جن میں شراب اور اس کے خوش نما گلاسوں کے دور چلنے کا بھی ذکر شاعرانہ انداز میں کر دیا تھا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوگئی، ان کو خط لکھا، جس میں بسم اللہ کے بعد اول سورہ غافر کی پہلی آیت لکھی، اس کے بعد تحریر فرمایا: ''مجھے تمہارا فلاں شعر پہنچا، میں نے تمہیں معزول کر دیا، وہ حاضر ہوئے اور قسم کھائی کہ میں نے شراب نہیں پی، وہ محض شاعرانہ طور پر لکھ دیا تھا، ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ یہی حسن ظن ہے، مگر میں تمہیں کسی جگہ کا حاکم کبھی نہیں بنانے کا۔ (معجم البلدان)

یہ سخت گیری اور تنگ نظری تھی ان حضرات اکابر کی، تاریخ اور کتب حدیث میں ہزاروں واقعات اس رنگ کے پاؤ گے، یہی دارین کی ترقیات کا واحد سبب تھا اور جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی وہاں نقصان بھی پہنچا، جس کی نظیریں ابھی پڑھ چکے ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہ جتنا اونچا طبقہ یا فرد تھا اتنی ہی معمولی لغزش پر اللہ جل شانہ کی طرف سے تنبیہ ہوئی، اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ'' سورہ عبس میں اس چیز پر تنبیہ ہے کہ ایک نابینا غریب کے مقابلہ میں دنیا دار مال دار کی رعایت کیوں ہوئی، حالاں کہ وہ رعایت دین ہی کے خاطر تھی اس کے بالمقابل جتنا معمولی طبقہ تھا، اتنے ہی معمولی سیئات سے درگذر اور سیئات کے بڑھ جانے پر گرفت ہوئی، جزیرہ سردانیہ بہت مشہور جزیرہ ہے ۹۰ھ کے آس پاس فتح ہوا ہے، مال غنیمت میں خاص طور سے اس میں خیانتیں کثرت سے ہوئیں، جس کے جو ہاتھ لگا اڑا لیا، فتح کے بعد جہاز میں سوار ہو کر واپس آرہے تھے، کہ غیب سے آواز آئی اَللّٰهُمَّ غَرِّقْهُمْ (اے اللہ ان کو غرق کر دے) اور سب غرق ہو گئے (اشاعۃ)۔

وہ حضور اقدس ﷺ کے ارشادات تھے، جو اس مضمون کے شروع میں تھے اور یہ واقعات ان کی مثالیں ہیں، گذشتہ تاریخ کے اوراق ان سے پر ہیں، اور آج جو ہو رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے، بے دینی کے اسباب، ہم اپنے ہاتھوں اختیار کرتے جا رہے ہیں، گناہوں میں زور وشور سے منہمک ہوتے جا رہے ہیں، پریشانیاں اور بدحالیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور اب تو اجتماعی صورت سے خود اسلام کو خیرباد کہنے کی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں، دین کے ایک ایک جز کو چھوڑا جا رہا ہے، اب اس کا اگر حل ہو سکتا ہے تو دین پر پختگی اور گناہوں سے احتراز ہی ہو سکتا ہے مگر اس دقیانوسی بات کو کون کہہ سکتا ہے اور کس سے کہا جائے ''فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَالْمُسْتَعَانُ''۔

معجم البلدان (۸/۲۲۴)

جواب نمبر۵:

سوال: اغراض آج کل زیادہ کام کررہی ہیں، ہر شخص اپنی اغراض کے پیچھے چل رہا ہے

جواب: کچھ بعید نہیں کہ ایسا بھی ہو اور سب نہیں تو کچھ لوگ اپنی اغراض کے تحت میں بھی کام کرتے ہوں، لیکن یہ بھی تو اسی اسلامی تعلیم کے ترک کا نتیجہ ہے، ہم لوگ اپنی تعلیمات کو قبول کریں اور ان کو اسوہ بنائیں تو پھر یہ ایک مفسدہ کیا، کوئی بھی مفسدہ باقی نہ رہے۔

حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' اور ریا وشہرت کی مذمت

یقیناً جو لوگ دنیوی اغراض کی خاطر دین کا کام کرتے ہیں، وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ومعروف ارشاد ہے: ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِیٔ مَانَوٰی''[1]

ترجمہ: اعمال کا اجر وثواب نیت ہی سے ہوتا ہے اور ہر آدمی کو ویسا ہی بدلہ ملتا ہے جیسی اس کی نیت ہوتی ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن روانہ فرمایا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے، حضور نے اخلاص کی وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ (اخلاص کے ساتھ) تھوڑا عمل بھی کافی ہے۔[2]

ایک حدیث میں وارد ہے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مخلصین کو خدا تعالیٰ خوش رکھے وہ لوگ ہدایت کے چراغ ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے ہر تاریک فتنہ زائل ہو جاتا ہے۔[3]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں، ان کو ایک مرتبہ کچھ اپنی بڑائی کا خیال آ گیا،

---

[1] أخرجه البخاری (بدء الوحی رقم۱) ومسلم (الامارة/قوله صلى الله عليه وسلم: انما الاعمال بالنيات ۱۹۰۷) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه.

[2] أخرجه الحاكم (۳۰۶/۴) وأبونعيم في الحلية (۸۲۲) عن معاذ بن جبل رضي الله عنه وصححه الحاكم وتعقبه الذهبي بقوله: ''لا'' اهـ

[3] أخرجه أبونعيم في الحلية (۲۶) والبيهقى في الشعب (۶۸۶۱) عن ثوبان رضي الله عنه، وقال المناوي في الفيض (۲۷۴/۴): فيه عمرو بن عبدالجبار السنجارى (وتحرف في الفيض الى السخاوى)، أورده (ابن عدى) في الضعفاء قال ابن عدى: روى عن عمه مناكير، وعبيدة بن حسان، أورده الذهبي في ''ذيل الضعفاء والمتروكين''.

حضور نے تنبیہ فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ اس امت کی مدد ضعفاء ہی سے فرماتے ہیں، ان کی نماز کی وجہ سے ان کی دعا کی وجہ سے، ان کے اخلاص کی وجہ سے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہ تمہارے بدن اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتے، بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں۔

(کہ جو کام کیا جارہا ہے وہ کس نیت اور کس ارادہ سے ہے)

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے جو پہلے بھی قریب ہی گذر چکا ہے: ”مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ، اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَاصَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.“

ترجمہ: جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض دنیوی زندگی (کی منفعت) اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتے ہیں، اور ان کے لئے دنیا میں (بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو) کچھ کمی نہیں کی جاتی اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بجز جہنم کے کچھ نہیں ہے اور انہوں نے جو اعمال کئے وہ آخرت میں بے کار اور بے اثر ثابت ہوں گے۔

متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص کا اہم مقصد محض دنیا ہوتی ہے حق تعالیٰ شانہ اس کے احوال کو پریشان کردیتے ہیں اور اس کے فقر کو آنکھ کے سامنے کردیتے ہیں کہ ہر وقت اسی کے فکر میں مبتلا رہتا ہے اور جس شخص کا اہم مقصد آخرت ہوتا ہے اس کو جمعیت نصیب فرماتے ہیں اس کے دل میں استغناء عطا فرماتے ہیں اور دنیا ذلیل ہوکر اس کے پاس پہنچتی ہے۔

ایک حدیث میں خود حق تعالیٰ شانہ کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ اے آدم کے بچے، تو میری عبادت کے لئے فراغت حاصل کر، میں تیرے سینہ کو غنا سے بھردوں گا اور تیرا فقر دور کردوں گا،

أخرجه النسائي (الجهاد/الاستنصار بالضعيف ۳۱۷۸) وفي الكبرى (۴۳۸۷) وأبونعيم في الحلية (۲۱۹۸) قلنا، أورده السيوطي في الجامع الصغير ورقم له بالصحة وأقره المناوي في الفيض.

أخرجه مسلم (البر/تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه ۲۵۵۴) وابن ماجة (الزهد/القناعة ۴۱۴۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

أخرجه الترمذي (صفة القيامة/رقم ۲۴۶۵) عن أنس بن مالك، وابن ماجه (الزهد/ الهم بالدنيا ۴۱۰۵) وابن حبان (۶۷۹) عن زيد بن ثابت رضي الله عنه، والطبراني في الاوسط (۵۰۲۵) عن أبي الدرداء رضي الله عنه، وفي الباب عن ابن عباس رضي الله عنهما عند الطبراني في الكبير (۱۱/۱۱۶۹۰) والروايات متقاربة المعنى.

ورنہ تیرے سینہ کو مشاغل سے بھر دوں گا اور فقر دور نہ کروں گا۔ (ترغیب)

اس لئے جن لوگوں کی نیت محض دنیوی اغراض ہیں اور ساری جدوجہد کا ماحصل یہی بے کار منافع ہیں، وہ یقیناً اپنے قیمتی اوقات کی اضاعت کرتے ہیں، حضرت کعب فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس امت کو بلندی اور دین داری اور علو مرتبہ اور زمین پر قبضہ کی بشارت دے دو (کہ یہ چیزیں اس امت کو حاصل ہوں گی) لیکن جو شخص آخرت کا عمل، دنیا کے واسطے کرے گا اس کا آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں ہے۔

ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں کسی کام میں کھڑا ہوتا ہوں تو اللہ جل شانہ کی رضا کا بھی ارادہ کرتا ہوں اور یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ میرا مرتبہ بھی ظاہر ہو، حضور نے سکوت فرمایا، کوئی جواب نہیں دیا، حتی کہ قرآن پاک کی آیت: "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَداً" نازل ہوئی۔ ترجمہ: پس جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک عمل (شریعت کے موافق) کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ریا اور شہرت کے واسطے عمل کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس کو مشہور کریں گے (یعنی اس بدنیتی کی شہرت کریں گے) اور اس کو حقیر اور ذلیل کریں گے۔

حدیث میں آیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا تم پر خوف ہے، وہ شرک اصغر ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا: ریاکاری (دکھلاوا)، قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ ایسے لوگوں کو ارشاد فرمائیں گے

أخرجه الحاكم (۳۲۶/۴) عن معقل بن يسار رضي الله عنه وصححه ووافقه الذهبي.

أخرجه أحمد (۱۳۴/۵) والحاكم (۳۱۸/۴) والبيهقي في الشعب (۶۸۳۳/۶۸۳۴) عن أبي بن كعب رضي الله عنه وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

أخرجه الحاكم (۳۲۹/۴) عن طاوس مرسلاً والبيهقي في الشعب (۶۸۵۴) عن عبدالله بن عباس رضي الله عنه وسكت عنه الحاكم والذهبي معاً.

أخرجه أحمد (۱۶۲/۲) والبيهقي في الشعب (۶۸۲۱) وأبونعيم في الحلية (۱۲۴) عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه وقال المنذري في الترغيب (۳۱/۱) رواه الطبراني في الكبير باسانيد، أحدها صحيح". اهـ

کہ جن لوگوں کے دکھانے کیلئے اعمال کئے تھے، انہیں سے جا کر بدلہ اور ثواب لے لو۔ (ترغیب)
اور احادیث بھی بکثرت اس نوع کی وارد ہوئی ہیں، جن سے بتواتر یہ مضمون ثابت ہوتا ہے کہ جن اعمال حسنہ کی غرض، شہرت و وجاہت ہوتی ہے، یا کوئی مال ومتاع مقصود ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ کی رضا ان سے مقصود نہیں ہوتی، وہ سب بے کار جاتے ہیں، بلکہ بجائے خیر کے شر کو پیدا کرتے ہیں، ابھی جہاد کے مضمون میں بھی اس قسم کی روایات کا کچھ حصہ پہلے گذر چکا ہے جن میں یہ وارد ہوا ہے، کہ جس جہاد سے مقصود شہرت یا دنیوی متاع ہوتا ہے، وہ مقبول نہیں ہوتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کو ایک صحابی گذرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے بدن کی حالت (قوت) اور نشاط کو دیکھ کر فرمانے لگے، اگر (قوت ونشاط کی) یہ حالت اللہ کے راستہ (جہاد) میں ہوتی تو کیا ہی اچھا تھا، حضور نے ارشاد فرمایا اگر یہ شخص اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کی اعانت کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے اور اگر بوڑھے والدین کی مدد کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے، اگر اپنے نفس کی ضروریات پورا کرنے کے لئے اور اس کو حرام سے بچانے کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے، البتہ اگر شہرت اور تفاخر کے لئے نکلا ہے تو وہ شیطان کا راستہ ہے۔ (ترغیب)

"اللہ کے راستے" کا مفہوم حضرت شیخ کی نظر میں:

اس حدیث سے اور اس جیسی احادیث سے یہ بھی واضح ہے کہ اللہ کا راستہ صرف جہاد میں، یا نوافل میں، یا دوسری عبادات میں منحصر نہیں، بلکہ ضروری اعمال وعبادات کرنے کے بعد، جو کام بھی نیک نیتی سے کیا جائے، اللہ کی رضا اس میں مقصود ہو، اداء حقوق اس کی غرض ہو وہ سب اللہ ہی کا راستہ ہے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین داری صرف عبادات میں مشغولی کا نام ہے اور دنیا

أخرجه أحمد (۴۲۸/۵/ ۴۲۹)، والبيهقي في الشعب (۶۸۳۱) عن محمود بن لبيد رضي الله عنه وقال المنذري في الترغيب (۳۴/۱): "اسناده جيد" اهـ والطبراني في الكبير (۴۳۰۱) عن رافع بن خديج نحوه وقال الهيثمي في المجمع (۲۲۲/۱۰) رجاله رجال الصحيح غير عبدالله بن شبيب بن خالد، وهو ثقة.

أخرجه الطبراني في الكبير (۱۹/رقم ۲۸۲) والأوسط (۶۸۳۵) والصغير (۶۰/۲) عن كعب بن عجرة رضي الله عنه، وقال الهيثمي في المجمع (۳۲۵/۴) : ورجال الكبير رجال الصحيح .اهـ

داری کے کاموں میں مشغول ہونا اس کے منافی ہے، وہ غلطی پر ہیں، معتبر علماء میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ اسباب معیشت کو حاصل نہ کیا جائے، یا ترک کر دیا جائے، البتہ یہ ضروری ہے کہ ان کو دنیا کی غرض سے نہ کیا جائے ان کو بھی اللہ ہی کی رضا کے واسطے اس کے مقرر کئے ہوئے حقوق کے واسطے حاصل کیا جائے، وجاہت، تفاخر، تکبر اور لوگوں کی نگاہ میں بڑائی حاصل کرنے کے واسطے نہ کیا جائے۔

تجسس اور غیبت سے کنارہ کشی اور مسلمانوں کے عیب کی پردہ پوشی

مگر اس سب کے باوجود دوسری جانب بھی قابل لحاظ ہے، وہ یہ کہ ہر شخص کو صاحب غرض سمجھنا، یہ بھی اسلام کے منافی ہے، اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: ”یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِنَ الظَّنِّ، اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلاَتَجَسَّسُوْا وَلاَیَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا“. (سورہ حجرات رکوع ۲) **ترجمہ**: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، اس لئے کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور (کسی کے عیب کا) تجسس بھی نہ کیا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔

ہم لوگوں کی عام حالت یہ ہے کہ جو شخص ہماری مرضی کے موافق کام کرتا ہے، وہ مخلص ہے، متقی ہے، پرہیز گار ہے، لیکن جوں ہی وہ ہماری رائے کے خلاف کوئی کام کر گذرتا ہے، وہ ٹوڈی ہے، انگریز پرست ہے، یا ہندو پرست ہے، خود غرض ہے، نفس پرست ہے، غدار قوم ہے، مکار ہے، دغا باز ہے، وہ انگریزوں کا وظیفہ خوار ہے، یا کانگرس کا تنخواہ دار ہے، غرض یہ کہ دنیا بھر کے عیوب اس میں جمع ہو جاتے ہیں، اس کے اصلی عیوب کو طشت از بام کیا جاتا ہے اس میں فرضی عیوب پیدا کئے جاتے ہیں حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ قیامت میں اس کی عیب پوشی کریں گے اور جو شخص مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کی پردہ دری کرتے ہیں، حتی کہ وہ اپنے گھر میں (چھپ کر) کوئی عیب کرتا ہے تب بھی اس کو فضیحت کرتے ہیں۔[*]

[*] أخرجه ابن ماجه (الحدود/الستر على المومن رقم (٢٥٤٦) عن ابن عباس رضي الله عنهما. وحسن اسناده المنذري في الترغيب (١٦٩/٣)

ایک مردِ مومن کا احترام اللہ کے نزدیک بیت اللہ سے زیادہ ہے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو جن کی زبان پر اسلام ہے اور ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا، تم مسلمانوں کو نہ ستاؤ اور ان کے عیوب کے درپے نہ ہو، جو شخص مسلمان کے عیب کے درپے ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کی پردہ دری فرماتے ہیں اور جس کے عیب کو اللہ جل شانہ کھولنا چاہیں، اس کو گھر کے اندر کئے ہوئے کام پر بھی رسوا کر دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کو دیکھا اور دیکھ کر فرمایا کہ تو کتنا بابرکت اور باعظمت گھر ہے لیکن اللہ کے نزدیک مسلمان کا احترام تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے بھائی کی کسی تکلیف پر اظہار مسرت وخوشی نہ کر، (اگر ایسا کرے گا) تو حق تعالیٰ شانہ اس پر رحم فرما کر تجھے اس مصیبت میں مبتلا فرمادیں گے۔ (ترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو خوش اخلاق ہوں، اپنے بازوؤں کو نرم کرنے والے ہوں، (یعنی ذرا ذرا سی بات پر اکڑنے اور آستینیں سوتنے والے نہ ہوں) الفت کرنے والے ہوں، اور دوسروں کے درمیان تعلقات پیدا کرنے والے ہوں اور مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور میرے نزدیک زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں، جو چغل خوری کرنے والے ہوں، دوستوں میں تفریق اور اختلاف پیدا کرنے والے ہوں، اور جو لوگ برے ہوں ان کے لئے عیب جوئی کرنے والے ہوں۔ (ترغیب)

أخرجه الترمذي (البر والصلة رقم (۲۰۳۲) وابن حبان (۵۷۶۳) عن ابن عمر رضي الله عنه، وقال الترمذي: حسن غريب.

أخرجه الترمذي (في الموضع المذكور) وابن حبان في صحيحه (۵۰۶/۷رقم ۵۷۶۳) عن ابن عمر رضي الله عنه.

أخرجه الترمذي (القيامة/لاتظهر الشماتة لأخيک ۲۵۰۶) وأبو نعيم في الحلية (۶۸۶۷) عن واثلة بن الاسقع رضي الله عنه وقال الترمذي: حسن غريب.

أخرجه الطبراني في الأوسط (۷۶۹۷) وفي الصغير (۲۵/۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وقال الهيثمي في المجمع (۲۱/۸): فيه صالح بن بشير المرى، وهو ضعيف اهـ قلنا: ويشهد له:

۱ – حديث ابى سعيد عند الطبراني في الاوسط (۴۴۲۲) نحوه وقال الهيثمي: فيه يعقوب بن ابى عباد فلزمي ولم أعرفه، قلنا: قال ابو حاتم في الجرح والتعديل: محله الصدق. ۲۔ وحديث عبدالرحمان بن غنم عند احمد (۲۲۷/۴)

حضور کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص تجھے کسی ایسے عیب سے رسوا کرے، جو تجھ میں ہے تو تو اس کے جواب میں بھی ایسے عیب سے اس کو رسوا نہ کر جو اس میں ہے، تجھے اس کا اجر ملے گا اور اس کے کہنے کا وبال اس پر رہے گا۔ (ترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپس میں قطع تعلقات نہ کرو، ایک دوسرے سے پشت نہ پھیرو، آپس میں بغض نہ رکھو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام کرے۔ (ترغیب)

حضور کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے یہاں ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے اور ہر اس شخص کے لئے مغفرت کی جاتی ہے جو شرک نہ کرتا ہو، البتہ جن دو شخصوں میں کینہ اور عداوت ہو، ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو ابھی رہنے دو، جب تک آپس میں صلح نہ کریں۔ (بخاری ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ جاتا ہے۔ (بخاری ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

أخرجه أحمد (۶۳/۵) والنسائي في الكبرى (۹۶۹۱) وابن حبان (۵۲۳) عن أبي جزء جابر بن سليم رضي الله عنه مطولاً.

أخرجه مالک (حسن الخلق رقم۱۴/۱۵) والبخاری (الأدب/ماينهى عن التحاسد رقم ۶۰۶۵) ومسلم (البر/تحريم التحاسد والتباغض والتدابر ۲۵۵۹) عن أنس رضي الله عنه.

أخرجه مسلم (البر والصلة/النهى عن الشحناء، رقم ۲۵۶۵) ومالک في الموطا (حسن الخلق، رقم ۱۸) والترمذی (البر والصلة/ماجاء في المتهاجرين، رقم ۲۰۲۳) عن ابی هريرة رضي الله عنه، وقال الترمذي: "حسن صحيح"

الا أن لفظ الترمذي: "تفتح أبواب الجنة يوم الاثنين الخ" قلنا: عزاه المصنف الى الترغيب برواية البخاری، وليس في الترغيب (۳۰۶/۳) برواية البخاری، وانما هو فيه برواية مسلم، ومالک، والله اعلم.

أخرجه البخاری (الادب/ماينهى من السباب واللعن، رقم ۶۰۴۵) ومسلم (الايمان/بيان حال من قال لاخيه المسلم: ياكافر، رقم ۶۱) عن أبي ذر رضي الله عنه.

تقدم تخريجه، انظر ص ۱۰۲، رقم الهامش: ۲.

دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینے والا، اپنی ہلاکت کا سامان کرنے والا ہے۔
(ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کا ایسی بات کے ساتھ ذکر کرے، جو اس میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو جہنم میں مقید فرما کر کہیں گے کہ اپنے کہے ہوئے کو سچا کر۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں، جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو اور بدترین بندے وہ ہیں، جو چغل خوری کرنیوالے ہوں، دوستوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے والے ہوں اور ایسے لوگوں کے لئے عیوب تلاش کرنے والے ہوں، جو ان سے بری ہیں۔ (ترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "حجۃ الوداع" میں خطبہ پڑھا اور اس میں اعلان فرمایا کہ تم لوگوں کے خون اور آبروئیں اور مال تم پر ہمیشہ کے لئے، ایسے ہی حرام ہیں، جیسا کہ آج اس

أخرجه البزار كما في المجمع للهيثمي (٨/٧٣) والترغيب للمنذري (٣/٣١١) عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما.

قال الهيثمي: "رجاله ثقات،اهـ وقال المنذري: "رواه البزار باسناد جيد" قلنا ولم نجده في مسند البزار، ولافي كشف الاستار فيما تبتعنا، وعزاه المناوي في فيض القدير (قم ٤٢١٣، ٤/٧٩) الى أحمد، والطبراني، والديلمي أيضا.

أخرجه الطبراني في الأوسط (رقم ٨٩٣٦) عن ابى الدرداء رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (٨/٩٤) : "رواه الطبراني عن شيخه مقدام بن دود، وهو ضعيف"اهـ وقال المنذري في الترغيب (٣/٣٣٣): "رواه الطبراني باسناد جيد" اهـ وانظر الجامع الصغير (رقم ٨٦٧٦) وشرحه فيض القدير (٦/١٢٨)

وفي الباب عن ابن عمر عند أبي داود (القضاء/الرجل يعين على خصومة من غير أن يعلم امرها، رقم ٣٥٩٧) في حديث نحوه.

أخرجه أحمد (٤/٢٢٧) عن عبدالرحمان بن غنم يبلغ به النبى صلى الله عليه وسلم، وقال الهيثمي في المجمع (٨/٩٣): فيه شهر بن حوشب، وبقية رجاله رجال الصحيح اهـ وكذا قال المنذري في الترغيب (٣/٣٢٥)

وأخرجه أحمد أيضا (٦/٤٥٩) عن أسماء بنت يزيد رضي الله عنها، قال الهيثمي في المجمع (٨/٩٣): فيه شهر بن حوشب، وقد وثقه غير واحد، وبقية رجال أحد أسانيده رجال الصحيح" اهـ وقال المنذري: وحديث عبدالرحمان اصح، وقدقيل: ان له صحبة" اهـ قلنا: وشهر بن حوشب قال فيه الحافظ في التقريب: "صدوق، كثير الارسال والأوهام" اهـ فاسناد كلا الحديثين حسن، والله أعلم.

محترم شہر، محترم مہینہ اور محترم دن میں ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر جان و مال اور آبرو حرام ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ بڑے سے بڑے سود کے حکم میں ہے، مسلمان کی آبرو ریزی کرنا۔

اس مضمون میں کئی حدیثیں مختلف الفاظ سے ذکر کی گئی ہیں، جن میں سے بعض احادیث کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے، مگر ہم لوگوں کے یہاں مسلمان کی آبرو ریزی اس قدر سہل ہے کہ معمولی سی بات پر، بلکہ محض گمان اور احتمال پر، اس کی آبرو ریزی میں ذرا بھی باک نہیں ہے، اللہ کے نزدیک مسلمان کی آبرو ریزی اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کو بدترین سود فرمایا ہے اور بہت ہی کثرت سے یہ مضمون احادیث میں وارد ہوا ہے، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بدترین سود کسی مسلمان کو دوسرے پر، گالیوں کے ساتھ بڑھانا ہے۔ (جامع)

یعنی ایک کے وقار کو گالیاں دے کر گرایا جائے تا کہ دوسرے کے وقار کو بڑھایا جائے، آج انصاف اور غور سے دیکھا جائے کہ جتنی جماعتیں بھی ہم لوگوں میں قائم ہیں، سیاسی ہوں، یا غیر سیاسی، ہر جماعت کے کتنے افراد ایسے ہیں، جو دوسری جماعت کے اکابر کو خواہ وہ علماء ہوں، یا لیڈر صرف اس لئے برا بھلا کہتے ہیں کہ ان کا وقار گرایا جائے اور اپنی جماعت کا وقار بڑھایا جائے، اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر شخص اس کو برا بھی سمجھتا ہے اور برا کہتا بھی ہے، دوسروں کی اس بات کی شکایت کرتا ہے، کہ وہ گالیاں دیتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں، لیکن اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتا، اپنی جماعت کے اقوال و افعال کو نہیں دیکھتا، یہ کوئی نہیں سوچتا "ایں گنا چیست کہ در شہر شما نیز کنند"، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "يُبْصِرُ اَحَدُكُمُ الْقَذىٰ فِيْ عَيْنِ

أخرجه البخاري (العلم/قول النبي صلى الله عليه وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع، رقم ٦٧) و(الفتن / رقم ٧٠٦٨) ومسلم (القسامة/ تغليظ تحريم الدماء، رقم ١٦٧٩).

أخرجه مسلم (البر والصلة/تحريم ظلم المسلم،رقم ٢٥٦٤) والترمذی (البر والصلة/ماجاء في شفقة المسلم على المسلم، رقم ١٩٢٧) عن ابی هريرة رضي الله عنه، في حديث، وقال الترمذي: "هذا حديث حسن غريب".

تقديم تخريجه، انظر ص ٧٧، رقم الهامش: ١

أخرجه ابن ابی الدنيا في الصمت (كما في الجامع الصغير، رقم ٩١١) عن أبي نجيح، مرسلاً، ورقم له السيوطي بالضعف.

اَخِيهِ وَيَنسٰى الْجِذْعَ فِيْ عَيْنِهٖ (جامع)

ترجمہ: تم میں بعض آدمی دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہیں اور اپنی آنکھ کا شہ تیر نظر نہیں آتا۔

مسلمانوں کی آبروریزی بدترین سود ہے

اس بات کو خوب غور سے سن لو، یہ بات نہایت اہم اور ضروری ہے کہ مسلمان کی آبروریزی اللہ کے نزدیک سخت ہے اور بہت ہی سخت وعیدیں اس بارے میں آئی ہیں، حضور کا ارشاد ہے کہ مسلمان کی آبرو میں بغیر حق کے زبان درازی بدترین سود ہے۔ (جامع)

بغیر حق کا مطلب یہ ہے کہ جہاں شریعت نے اجازت دی ہے، وہاں جائز ہے اور جہاں جائز نہیں وہ بغیر حق کے ہے، ایک حدیث میں ہے کہ سود کا کمتر درجہ ایسا ہے، جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور بدترین سود مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے۔ (جامع)

ایک حدیث میں ہے کہ سود کے بہتر دروازے ہیں، جن میں سب سے کم درجہ ایسا ہے جیسا اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سود مسلمان کی آبروریزی میں زبان درازی ہے۔ (جامع)

ایک حدیث میں ہے کہ سود کے بہتر دروازے ہیں، جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے

أخرجه ابن حبان في صحيحه (الغيبة /رقم ۵۷۳۱) وابونعيم في الحلية (ترجمة يزيد بن الأصم، رقم ۴۶۴۹) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وذكره السيوطي في الجامع الصغير (رقم ۹۹۲) معزواً الى أبي نعيم، ورقم له بالضعف، ولكن قال المناوي في فيض القدير (۶/۴۵۷) : "قال العامرى: حسن" اهـ

أخرجه احمد (۱/۱۹۰) وأبوداود (الأدب/الغيبة، رقم ۴۸۷۶) عن سعيد بن زيد رضي الله عنه، قلنا: سكت عليه أبوداود، وكذا المنذري في مختصره، (رقم ۴۷۰۹) وكذا في الترغيب (۳/۳۲۷) ورقم له السيوطي في الجامع الصغير (رقم ۲۴۷۲) بالحسن، قلنا: بل اسناده صحيح، رجاله ثقات.

لم نجده بهٰذا اللفظ، وروى نحوه في حديث ابن مسعود رضي الله عنه وهو الحديث التالي، وقد تقدم تخريجه ص۷۷، رقم الهامش ۱. وفي حديث البراء بن عازب رضي الله عنه، ويأتي تخريجه بعد الحديث التالي.

تقدم تخريجه ص۷۷، رقم الهامش: ۱.

اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سود مسلمان کی آبرو ہے یعنی اس کی آبروریزی کرنا۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مومن کی آبروریزی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ایک گالی کے بدلہ میں دو گالیاں دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (جامع)

ایک حدیث میں ہے کہ جب میری امت ایک دوسرے کو آپس میں گالیاں دینے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔ (رسالہ تبلیغ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اس بارہ میں اہتمام یہاں تک ہے کہ جماعت کے بڑوں سے معمولی لغزشوں کو نظر انداز کرنے کا بھی حکم ہے، چناں چہ ارشاد ہے: "**اَقِيْلُوْا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ اِلَّا الْحُدُوْد**" **(جامع)**

ترجمہ: ذی وجاہت لوگوں سے حدود کے سوا، انکی لغزشوں سے درگذر کیا کرو، یعنی اگر کوئی حد یعنی زنا، چوری وغیرہ کا شرعی ثبوت ان پر ہوجائے تو دوسری بات ہے، کہ ان چیزوں کے ثبوت کے بعد تو کسی کی بھی رعایت نہیں ہے، انکے علاوہ ان کی معمولی لغزشوں سے درگذر کیا کرو۔

أخرجه الطبراني في الاوسط (رقم ۷۱۵۱) عن البراء بن عازب رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (۱۱۷/۴): فيه عمر بن راشد، وثقه العجلى، وضعفه جمهور الأئمة وقال المنذري في الترغيب (۶/۳) "فيه عمر بن راشد، وقد وثق،اهـ ورقم له السيوطي في الجامع الصغير (رقم ۴۵۰۶) بالصحة.

أخرجه أبوداود (الأدب/الغيبة، رقم ۴۸۷۷) وابن أبي الدنيا في ذم الغضب (كما في الجامع الصغير رقم ۸۲۲۰) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وفي رواية أبي داود: "ان من اكبر الكبائر استطاله "المرء في عرض رجل مسلم بغير حق" وسكت عنه أبوداود، والمنذرى في مختصره (۳۹۱/۴) ورقم له السيوطي بالحسن، وأقره المناوي في فيض القدير (۸/۶)

ذكره السيوطي في الجامع الكبير (رقم ۱۵۹۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وعزاه الى الحكيم الترمذي، وكذا في كنز العمال (رقم ۶۰۶۷)

أخرجه احمد (۱۸۱/۶) والبخارى في الأدب المفرد (رقم ۴۶۵) وأبوداود (الحدود/الحد يشفع، رقم ۴۳۷۵) عن عائشة رضي الله عنها، ورقم له السيوطي في الجامع الصغير (رقم ۱۳۶۳) بالحسن، ولكن قال المناوي في فيض القدير (۷۴/۲): "قال المنذري (اى في مختصره ۱۴۰/۴): وفيه عبدالملك بن زيد العدوى، ضعيف، وقال ابن عدى: الحديث منكر بهذا الاسناد، قال -اعنى المنذري- وروى عن أوجه أخر ليس منها شئى يثبت، وقال في المنار: في اسناد أبي داود انقطاع، واطال في بيانه، والحاصل أنه ضعيف، وله شواهد ترقيه الى الحسن، ومن زعم وضعه كالقزويني أفرط، أو حسنه كالعلائى، فرط" اهـ

بغیر ثبوت شرعی کے کسی پر الزام لگانا ہرگز جائز نہیں، انتظاماً احتیاطاً اس سے علیحدہ رہنا امر آخر ہے

اور حدود کے بارہ میں بھی جب تک شرعی ثبوت نہ ہو، اس وقت تک کسی کو محض بدگمانی یا ذاتی مخالفت پر متہم کرنا جائز نہیں، سورہ ''نور'' میں قرآن کا زنا کے بارے میں صاف فیصلہ ہے، کہ اگر چار لوگ یہ عینی شاہد نہ لاویں تو یہ خود (شرعی قواعد میں) جھوٹے ہیں، لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ جس سے مخالفت ہو اس کے متعلق جیسا چاہے گندے سے گندہ کارٹون طبع کرالو، جس قدر شرمناک مضمون چاہو، اس کے متعلق لکھوالو، زانی اور شرابی کہہ دینا تو ایک معمولی سی بات ہے، شریعت کا قانون یہ ہے کہ جب تک شرعی ثبوت نہ ہو، تہمت لگانے والوں کے اسّی اسّی کوڑے حد قذف (تہمت) لگاؤ، لیکن ہمارے یہاں الزام لگانے کے واسطے کسی شرعی شہادت کی ضرورت نہیں، حالاں کہ کسی سچے الزام کے قائم کرنے کے واسطے بھی ایسے عادل گواہوں کی ضرورت ہے جن کی عدالت کا حال محقق ہو، چہ جائے کہ خود ہی اپنی طرف سے افترا کرلیا جائے، حضور کا ارشاد ہے کہ شیطان بھی کبھی آدمی کی صورت میں ظاہر ہوکر کوئی جھوٹی بات کہہ دیتا ہے، مجمع اس کو سنتا ہے اور پھر وہ مجمع متفرق ہوکر اس کو کہنے لگتا ہے کہ میں نے خود ایک آدمی سے ایسا سنا ہے، میں اس کا نام تو جانتا نہیں، صورت پہچانتا ہوں۔* (مشکوۃ بروایۃ مسلم)

اس لئے محض کسی جلسہ میں، کسی مجمع میں، کسی نامعروف آدمی سے کوئی بات سن کر اس کا یقین کرلینا بھی زیادتی ہے، تاوقتیکہ شرعی قواعد سے ثابت نہ ہو، البتہ ایسے شخص کے متعلق احتیاط کرنا انتظاماً اس سے علیحدہ رہنا، یا اس کو علیحدہ کردینا یہ امر آخر ہے، مگر اس پر حکم لگانا امر آخر ہے، اس کو غور سے سمجھ لینا چاہئے کہ کسی شخص سے علیحدہ رہنا یا اس کو علیحدہ کردینا یہ انتظاماً سیاسۃً احتیاطاً بھی ہوسکتا ہے، مگر اس پر کسی الزام کو قائم کردینا، یہ شرعی ثبوت ہی کا محتاج ہے، اور یہ فرضی الزامات عموماً انفرادی اور جماعتی حسد سے پیدا ہوتے ہیں کہ دوسرے کا بڑھتے ہوئے دیکھنا گوارا نہیں ہوتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: کینہ اور حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتے ہیں جیسے کہ آگ

---

* مشکاۃ (ص ۴۱۴) أخرجه مسلم في مقدمة صحيحه (رقم ۱۷) عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه موقوفاً عليه، قلنا: فقول المصنف: " حضور کا ارشاد ہے: سهو منه والله أعلم.

ایندھن کو کھالیتی ہے۔(جامع)

حالاں کہ یہ لوگ جو محض بدگمانیوں سے دوسروں کے ذمہ الزام تراشتے ہیں، اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو غور سے دیکھیں، تو ان کو معلوم ہو جائے کہ ان حالات سے اپنا بھی نقصان کرتے ہیں، کہ جس قسم کا معاملہ یہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں ویسا ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔

جیسا کروگے ویسا بھروگے

حضور کا ارشاد ہے: كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ . (مقاصد حسنہ)

ترجمہ: جیسا کروگے ویسا بھروگے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ بھلائی اور نیکی پرانی نہیں ہوتی، اور گناہ بھلایا نہیں جاتا اور دیان (بدلہ دینے والی ذات یعنی حق تعالیٰ شانہ) کے لئے موت نہیں، (وہ حی وقیوم ہے ہر شخص کے ہر فعل کو دیکھتا ہے) جیسے چاہو عمل کرلو، جیسا کروگے ویسا ہی بھروگے۔

ایک حدیث میں تورات سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کروگے ویسا ہی بدلہ پاؤگے

أخرجه ابن صصرى في أماليه (كما في الجامع الصغير، رقم ۵۸۰۷) عن الحسن بن على رضي الله عنه، مثله ورقم له السيوطى بالحسن، وسكت عليه المناوي في فيض القدير.

وأخرجه أبوداود (الأدب/الحسد، رقم ۴۹۰۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال المنذري في مختصره (۳۹۸/۴): "ذكر البخارى في التاريخ الكبير هذا الحديث، وقال: لا يصح" اهـ ملخصًا.

وأخرجه ابن ماجه (الزهد/الحسد، رقم ۴۲۱۰) عن أنس رضي الله عنه، قال البوصيرى في "الزوائد" (ص۵۴۷): "فيه عيسى بن ابى عيسى، وهو ضعيف" اهـ قلنا: وليس في حديثى أبي هريرة وأنس ذكر الغل، وهو الحقد، (کینہ)۔

المقاصد الحسنة للسخاوى (ص ۳۲۵-۳۲۶) يأتى تخريجه في الحديث التالى، لأنه قطعة منه.

أخرجه عبدالرزاق في المصنف (الجامع/الاغتياب، ۱۱/رقم ۲۰۴۳۰) والبيهقى في الأسماء والصفات (ص۱۰۰) عن أبي قلابة مرسلاً، قال السخاوى في المقاصد الحسنة (ص۳۲۶): ووصله أحمد فرواه في الزهد له من هذا الوجه باثبات أبي الدرداء، وجعله من قوله، وهو منقطع مع وقفه" اهـ وكذا قال المناوي في فيض القدير (۲۱۹/۳، رقم ۳۱۹۹)

وأخرجه ابن عدى في الكامل (ترجمة محمد بن عبدالملك الأنصارى، ۱۵۸/۲) وابو نعيم والديلمى (كما في المقاصد، والفيض) عن ابن عمر رضي الله عنهما مسنداً مرفوعاً، قال المناوي: "فيه محمد بن عبدالملك الانصارى ضعيف" اهـ

اور جس پیالہ سے دوسرے کو پلاؤ گے اسی پیالہ سے پیو گے۔ (مقاصد حسنہ)

ایک حدیث میں انجیل سے نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے اور جس ترازو سے تول کر دو گے اسی ترازو سے تول کر تم کو دیا جائے گا۔ (جامع الصغیر)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مدد سے ایسے وقت میں دست برداری کرتا ہے جس وقت اس کی اہانت کی جا رہی ہو، اس کی آبروریزی کی جا رہی ہو تو حق تعالیٰ شانہ ایسے وقت میں اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے جس وقت یہ خود مدد کا ضرورت مند ہوگا؛ اور جو کسی مسلمان کی مدد، ایسے وقت میں کرے گا جب کہ اس کی آبروریزی کی جا رہی ہو، اس کی اہانت کی جا رہی ہو تو حق تعالیٰ شانہ اس شخص کی ایسے وقت میں مدد فرمائیں گے، جس وقت کہ اس کو مدد کی ضرورت ہو۔ (مشکوۃ)

حضرت ابوذر غفاریؓ مشہور صحابی ہیں، ان کا ایک طویل قصہ حدیث کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے، جس کے اخیر میں یہ مضمون ہے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرما دیں، حضور نے ارشاد فرمایا: کہ تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، یہ تمام چیزوں کے لئے زینت ہے (اور حقیقت میں جو شخص ہر امر میں اللہ سے ڈرتا ہے تو پھر وہ کسی عیب یا مصیبت میں گرفتار ہو ہی نہیں سکتا) انہوں نے عرض کیا کوئی اور بات بھی فرما دیجئے، حضور نے ارشاد فرمایا کہ تلاوت قرآن اور اللہ کے ذکر کی کثرت رکھا کرو، کہ یہ آسمانوں میں تمہارے ذکر، تذکرے کا سبب ہے اور زمین میں تمہارے لئے انوار کی کثرت کا سبب ہے، انہوں نے اور اضافہ چاہا، تو

المقاصد الحسنة (ص ٣٢٦) أخرجه أبو نعيم في الحلية (ترجمة أبي زرعة يحيى بن عمرو الشيباني، رقم ٨٠٠٦) عن ضمرة الشيباني قال: "مكتوب في التوراة الخ.

ذكره السيوطي في الجامع الصغير (رقم ٨١٩٨) عن فضالة بن عبيد، وعزاه الى الديلمي في مسند الفردوس.

قال المناوي في فيض القدير (٣/٦) : ظاهر صنيع المصنف (السيوطي) ان الديلمي اسنده في مسند الفردوس، وليس كذلك، بل ذكره بغير سند، وبيض له ولده، وروى الامام احمد في الزهد بسنده عن مالك بن دينار قال مكتوب في التوراة: "كما تدين تدان، وكما تزرع تحصد" اهـ

مشكاة (ص ٤٢٤) أخرجه أبوداود (الأدب/الرجل يذب عن عرض أخيه، رقم ٤٨٨٤) عن جابر بن عبدالله، وأبي طلحة بن سهل الانصارى رضي الله عنهما، وسكت عليه المنذري في المختصر (٣٩٢/٤) قلنا: في اسناده اسماعيل بن بشير، وهو مجهول كما في التقريب، فالحديث ضعيف.

حضور نے ارشاد فرمایا کہ اکثر چپ رہا کرو کہ یہ شیطان کے دفعیہ کا سبب ہے (کہ زبان کی بدولت وہ بہت سے ہلاکت کے مواقع میں پھنسا دیتا ہے) اور چپ رہنا دینی کاموں کے اہتمام میں معین ہے، (کہ جس شخص کو فضول گوئی کا مرض ہوتا ہے بہت سے دینی کاموں سے محروم رہتا ہے) انہوں نے اور اضافہ چاہا، تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ ہنسنے سے احتراز کیا کرو کہ اس سے دل مرجاتا ہے اور چہرہ کی رونق زائل ہوجاتی ہے، انہوں نے اور زیادتی چاہی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق بات کہو چاہے کڑوی ہی معلوم ہو، انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضور نے فرمایا کہ اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کی پروانہ کرو اور پھر اضافہ کی درخواست پر ارشاد فرمایا کہ اپنے عیوب پر نظر کرنا، تمہیں دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے سے روک دے۔ 💣 (مشکوۃ)

یہ اخیر کلام میرا اس جگہ مقصود ہے، کہ ہم لوگ ہر وقت دوسروں کے عیوب کی فکر میں رہتے ہیں، اگر ہمیں اپنے عیوب پر نظر کا چسکہ پڑ جائے تو نہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کی فرصت ملے، نہ ان کو پھیلانے کی ہمت پڑے، کہ ہر وقت اپنے عیوب کا فکر دامن گیر رہے۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب — دو اندرز فرمود بروئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش — دگر آنکہ برغیر بدبین مباش

(وصیت نامہ حضرت رائے پوری)

زبان کی حفاظت کا حکم

حضرت معاذؓ کو ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصیحتیں فرمائیں، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان سب کا ملاک (یعنی جس چیز سے ان پر قدرت اور عمل سہل ہوجائے) بتاؤں، انہوں نے عرض کیا ضرور بتادیجئے، حضور نے زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ ہے۔ ☠ (یعنی

💣 أخرجه ابن حبان في صحيحه (البر والاحسان/رقم ۳۶۲) والبيهقى في الشعب (باب ۳۴/رقم ۴۹۴۲) عن ابى ذر رضي الله عنه، قال الهيثمى في "موارد الظمآن" (ص۵۴) فيه ابراهيم بن هشام بن يحيٰ الغساني، قال ابوحاتم وغيره: كذاب"اھ

☠ أخرجه أحمد (۵/ ۲۳۱، ۲۳۴، ۲۳۷) والترمذى (الايمان/ /ماجاء في حرمة الصلاة، رقم ۲۶۱۶) وابن ماجه (الفتن كف /اللسان في الفتنة، رقم ۳۹۷۳) والحاكم في المستدرك (۲/ ۴۱۲، ۴۱۳) عن معاذ بن جبل رضى الله عنه، وقال: "حديث حسن صحيح" اھ وصححه الحاكم على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي.

اپنی زبان کو قابو میں رکھ۔ مشکوٰۃ)

حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اپنی زبانوں کی وجہ سے بھی ماخوذ ہوں گے، حضور نے فرمایا کیا آدمی کو جہنم میں ناک کی بل زبان کی لان کے سوا اور کوئی چیز بھی ڈالتی ہے۔
(حاکم، مشکوٰۃ)

زبان کی لان سے مراد یہ ہے کہ جیسا درانتی کھیتی کو کاٹ کر ایک جگہ جمع کرتی رہتی ہے، ایسے ہی یہ زبان کی قینچی بھی، باتوں کو کتر کتر کے ایک جگہ (اعمال نامہ میں) جمع کرتی رہتی ہے، حق یہ ہے کہ ہم لوگ جہاں دین کے اور بہت سے امور میں لاپروائی کو کام میں لاتے ہیں، زبان کے مسئلہ سے بھی بہت بے فکر ہیں، حالاں کہ زبان کا مسئلہ ان میں بہت ہی اہم ہے، مگر ہماری زبانیں ذرا بھی قابو میں نہیں ہیں، ہر شخص پر بے دھڑک جو دل چاہتا ہے، الزام لگا دیتے ہیں دل میں اس کا خیال بھی نہیں گذرتا کہ جو الزام دوسرے پر تھوپا جا رہا ہے، کسی وقت ایک بڑے حاکم کی عدالت میں، اس کا بار ثبوت بھی اپنے ہی ذمہ ہے۔

کان، آنکھ، دل، ہر ایک کے متعلق احتیاط کا حکم

ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ نہایت بے باکی سے، جس کو دل چاہے، انگریزوں کا وظیفہ خوار اور سی، آئی، ڈی کہہ دیتے ہیں اور جس کو دل چاہے کانگریس کا نوکر اور مزدور بتا دیتے ہیں، اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

''وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ، اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِکَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً، وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ، طُوْلاً كُلُّ ذٰلِکَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَكْرُوْهًا، ذٰلِکَ مِمَّا اُوْحِيْ اِلَيْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِكْمَةِ (بنی اسرائیل ع۵)

ترجمہ: جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو، اس کے پیچھے نہ لگ، بے شک کان، آنکھ اور دل ہر ایک کا ان میں سے (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل، کہ تو (زمین پر زور سے پاؤں رکھ کر) نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ (بدن کو تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے، یہ سارے برے کام آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں، یہ سب باتیں منجملہ اس حکمت کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آپ پر بھیجی ہے۔ اس آیت شریفہ میں کان، آنکھ، دل

ہر ایک چیز کے متعلق احتیاط کا حکم ہے، دل میں بھی بے تحقیق بات کو جگہ دینا ظلم ہے۔

اختلاف رائے کی صورت میں

دوسرے کو خود غرض قرار دینا سخت ذمہ داری ہے

اس لئے ہر اس شخص کو جو اپنی رائے کے خلاف رائے رکھتا ہو، خود غرض بتا دینا، یا حب جاہ اور حب مال کا مجرم وملزم بنا دینا، بڑی سخت ذمہ داری ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ اس کے نزدیک دین کے لحاظ سے، یا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے واسطے، یہی صورت مناسب اور ضروری ہو، جو وہ اختیار کر رہا ہے؟ مانا کہ تمہارے نزدیک وہ خطرناک صورت ہے اور نہایت نقصان دہ، لیکن اول تو تمہارے پاس بھی وحی نہیں ہے کہ جو راستہ تمہارا ہے وہی حق ہے، خطا اور ثواب کا احتمال ہر جانب ہے، دوسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ یہی راستہ متعین ہے تو بھی یہ ضروری نہیں کہ دوسرے شخص نے غلط راستہ بددیانتی اور خود غرضی سے ہی اختیار کیا ہے، خطاء اجتہادی سے بھی ممکن ہے، اس لئے تم پر ضروری ہے کہ اس کو سمجھاؤ اور ان اخلاق اسلامی سے جو ایک مسلمان کی شایان شان ہیں، اس کو اپنا ہم نوا بناؤ، نہ یہ کہ جھوٹے سچے عیوب اس پر چسپاں کرو اور ہر وقت بہتان وغیبت میں مبتلا رہو اور اس کے درپے آزار رہو، اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

''وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا''. (س احزاب ع ۷)

ترجمہ: اور جو لوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کوئی ایسا کام کیا ہو (جس سے وہ شرعاً ستانے کے مستحق بن جائیں) ایذا دیتے ہیں، وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ جانتے بھی ہو مفلس کون شخص ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہم میں تو مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ نقدی ہو، نہ سامان، حضور نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ شخص ہے، جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزے اور زکوۃ وغیرہ عبادات لے کر پہنچے، لیکن کسی کو گالیاں دی تھیں، کسی پر بہتان لگایا تھا، کسی کا مال ناحق کھایا تھا، کسی کا خون کیا تھا، کسی کو مارا تھا، اس لئے کچھ نیکیاں اس نے لے لیں اور کچھ اس نے لے لیں اور جب نیکیاں

ختم ہوگئیں اور مطالبے باقی رہ گئے، تو ان مطالبوں کے بقدر صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیئے گئے۔[1]

حقیقت میں اصل مفلس یہی شخص ہے، کہ نیکیوں کا کتنا بڑا انبار و متاع لے کر پہنچا، لیکن ملا یہ کہ دوسروں کے بھی گناہ اپنے اوپر پڑ گئے۔

غیبت اور بہتان میں فرق

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جانتے بھی ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، حضور نے فرمایا کسی شخص کی ایسی بات کرنا، جو اس کو ناگوار ہو، کسی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اگر واقعی اس میں وہ عیب ہو؟ حضور نے فرمایا: جب ہی تو غیبت ہے، اگر وہ عیب نہ ہو اور پھر کہا جائے تو یہ غیبت نہیں یہ بہتان ہے[2]۔(ترغیب)

البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ کہنا محض عیب جوئی کی غرض سے ہو، تب حرام اور گناہ ہے اور اگر کوئی دینی ضرورت اور مصلحت اس کے عیب کے اظہار کی مقتضی ہو تو مضائقہ نہیں، لیکن کسی ایسی بات کا کہنا جو واقعہ میں اس میں موجود نہیں ہے، وہ کسی حال میں بھی جائز نہیں، ایک حدیث میں آیا ہے: ''جو شخص کسی مسلمان کو ایسی بات کہے، جو اس میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو جہنم کے اس حصہ میں قید کر دیں گے، جہاں اہل جہنم کا پسینہ، لہو، پیپ وغیرہ جمع ہوتا ہو[3]۔(ترغیب)

درحقیقت ہم لوگوں کی زبانیں قابو میں نہیں ہیں، جس شخص کے متعلق جو چاہے، بے تکلف حکم لگا دیتے ہیں حالاں کہ زبان کی حفاظت بہت ہی زیادہ اہم ہے، ایک صحابی نے نبی اکرم صلی

---

[1] تقدم تخریجه، ص ۱۷، رقم الهامش: ۱

[2] أخرجه مسلم (البر والصلة/تحريم الغيبة، ۲۵۸۹) والترمذی (البر والصلة/ماجاء في الغيبة، رقم ۱۹۳۴) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وقال الترمذي: "حديث حسن صحيح" وقال المنذري في الترغيب (۳/۳۳۳): "وقد روى هذا الحديث من طريق كثيرة، وعن جماعة من الصحابة" اهـ

[3] الترغيب (۳/۳۳۳) أخرجه أبوداود (القضاء/الرجل يعين على خصومة من غير أن يعلم أمرها، رقم ۳۵۹۷) مثله، والحاكم في المستدرک (۲/۲۷) نحوه -في حديث- عن ابن عمر رضي الله عنهما (وتحرف في المطبوع من المستدرک الى عبدالله بن عمرو) وقال الحاكم: صحيح الاسناد، ووافقه الذهبي.

اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتادیجئے جس کو مضبوط پکڑلوں، حضور نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس کا مالک بنا رہ۔

ایک دوسرے صحابی نے حضور سے دریافت کیا کہ کس چیز سے بچوں؟ حضور نے فرمایا زبان سے۔ (ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ، جو لوگ آدمیوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے لئے قیامت میں جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا، اس میں سے ان کو ہر ایک کو آوازیں دی جائیں گی کہ جلدی آجا جلدی آجا، جب وہ اس تکلیف اور مصیبت کی وجہ سے، جس میں وہ مبتلا ہوگا، بڑی دقت سے دروازہ کے قریب پہنچے گا، وہ دروازہ فوراً بند کرلیا جائے گا، اور دوسری طرف ایک دروازہ کھل جائے گا اور وہاں سے اسی طرح بلانے کی آوازیں آئیں گی اور جب وہ بڑی مشقت سے اس دروازہ کے قریب پہنچے گا، تو وہ بھی بند ہوجائے گا اور تیسرا دروازہ اسی طرح کھلے گا، یہی معاملہ اس کے ساتھ رہے گا، حتی کہ وہ مایوس ہوکر اس کھلے ہوئے دروازہ کی طرف جانے کی بھی ہمت نہ کرے گا۔ (ترغیب)

یہ بدلہ ہے اسکے مسلمان کے ساتھ مخول اور مذاق کرنے کا، کہ اسکے ساتھ بھی مذاق کا معاملہ کیا جائے گا، جو لوگ معمولی سی مخالفت پر، مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے کارٹون شائع کرتے ہیں ان کی ہجو میں قصائد لکھتے ہیں، وہ کبھی خلوت میں بیٹھ کر اپنے حشر کا بھی غور کریں۔

انسان پر ہر وقت اللہ کی طرف سے خفیہ پولیس مسلط ہے

مسلمان کے عقیدہ کے موافق، معاملہ اس دنیا ہی میں ختم ہونے والا نہیں، ہر بات اعمال نامے میں محفوظ ہے اور اللہ کی سچی خفیہ پولیس مسلط ہے "مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ"

أخرجه الطبراني في الكبير (رقم ٣٣٤٨، ٣٣٤٩) عن الحارث بن هشام رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (١٠/٢٩٩) والمنذري في الترغيب (٣/٣٣٨) : " رواه الطبراني باسنادين، احدهما جيد" اهـ

ذكره المنذري في الترغيب (٣/٣٣٨) وقال: "رواه ابو الشيخ بن حيان في "الثواب" باسناد جيد" اهـ

أخرجه البيهقي في "الشعب" (باب ٤٤، رقم ٦٧٥٧) عن الحسن مرسلاً، وانظر "الترغيب" (٣/٣٧٤).

(س ق ع۲) **ترجمہ**: کوئی لفظ (آدمی) منہ سے نکالنے نہیں پاتا، مگر اس کے پاس، ایک تاک لگانے والا (فرشتہ موجود ہوتا) ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "اِنَّ رُسُلَنَا یَکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُرُوْنَ" (س یونس ع۳) بے شک ہمارے قاصد (فرشتے) تمہاری چالوں کو لکھ رہے ہیں۔ کس قدر غور کا مقام ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم مسلمان کے لئے یہ تھی "اِذَا سَبَّکَ رَجُلٌ بِمَا یَعْلَمُ مِنْکَ، فَلَاتَسُبَّهُ بِمَا تَعْلَمُ مِنْهُ فَیَکُوْنُ اَجْرُ ذٰلِکَ لَکَ وَوَبَالُهُ عَلَیْهِ" [*] کَذَا فِی الْجَامِعِ.

ترجمہ: (جب کوئی شخص تجھے ایسے عیب کے ساتھ بدنام کرے، جو اس کو تیرے اندر معلوم ہے تو تو اس کو ایسے عیب سے بدنام نہ کر، جو اس میں تجھے معلوم ہے، اس صورت میں تیرے لئے اجر ہے اور اس کے لئے وبال ہے) مگر ہم لوگ عیب لگانے کے لئے بدنام کرنے کے لئے، انتقام لینے کے لئے، اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے کہ اس میں وہ عیب واقعی طور پر موجود ہو، بلکہ سراسر افترا کرتے ہیں اور عیوب کو گھڑتے ہیں، یہ ہے ہمارا تعلیمات اسلام پر عمل، ایسی حالت میں، ہم لوگ اپنے مخالف سے انتقام نہیں لیتے بلکہ اسلام کو بدنام کرتے ہیں، دوسرے دیکھنے والوں کو کیا معلوم ہے کہ ہمارے یہ اعمال اسلامی تعلیم نہیں ہیں بلکہ اس کے منافی ہیں، کسی اجنبی دیکھنے والے کو کیا معلوم ہوسکتا ہے کہ ہماری اسلامی تعلیم کیا ہے اور ہم اپنی تعلیم سے کتنی دور جا پڑے ہیں، اجنبی لوگ اسلام کی تصویر ہم لوگوں کو سمجھتے ہیں اور ان کو سمجھنا بھی چاہئے، لیکن ان کو کیا خبر ہے کہ ہم لوگ اپنی تعلیم پر عمل تو درکنار، اس کو معلوم کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے، ہم کو اپنے دین، اپنے مذہب، اپنی اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال، صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے معمولات اور معاملات معلوم کرنے کی بھی فرصت نہیں چہ جائیکہ ان پر عمل کریں، ہمارا دین روٹی بن گیا، ہمارا مذہب پیسہ بن گیا، ہمارا کمال دنیا جیسی ذلیل چیز کی وجاہت بن گئی، ہم اپنی عزت ووقار حاصل کرنے کے لئے یا اور کسی دنیوی فاسد غرض حاصل کرنے کے لئے، کسی کی آبرو ریزی میں تامل نہیں کرتے، جھوٹ بولنے سے نہیں جھجکتے، جھوٹی قسم کھالینے میں باک نہیں کرتے حالاں کہ کبھی مسلمان اور جھوٹ میں تضاد کی نسبت

[*] أخرجه ابن منيع في معجمه (كما في الجامع الصغير، رقم ٦٧٠) عن ابن عمر رضي الله عنهما، ورمز له السيوطي بالحسن، قال المناوي في فيض القدير (١/٣٧٢) رمز لحسنه، وهو كما قال، أو اعلى، اذ ليس في روايته مجروح" اهـ

تھی، حضور کا ارشاد ہے: ''کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو (رحمت کے) فرشتے اس کے منہ کے تعفن اور بدبو سے ایک میل کے فاصلہ پر چلے جاتے ہیں''۔ (مشکوۃ) گویا اس کی عفونت اور سڑاہند اتنی دور تک پھیلتی ہیں۔

''حدیث'' مومن جھوٹا نہیں ہوتا

ایک شخص نے حضور سے دریافت کیا کہ کیا مومن نامرد و بزدل ہوسکتا ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں ہوسکتا ہے، انہوں نے دریافت کیا کہ مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ حضور نے فرمایا ہوسکتا ہے، انہوں نے عرض کیا کہ مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ حضور نے فرمایا کہ نہیں (مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ (مشکوۃ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد ہے کہ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ، کیوں کہ جھوٹ ایمان سے دور رہتا ہے۔ (درمنثور)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عادت جھوٹ سے زیادہ ناپسند نہیں تھی، جب کسی کا جھوٹ بولنا معلوم ہوتا تو اس وقت تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے گرانی رہتی جب تک توبہ کا علم نہ ہوجاتا۔ (در)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بہترین شخص کون ہے؟ حضور نے فرمایا ہر مخموم (صاف) دل والا اور سچی زبان والا، ہم نے عرض کیا کہ سچی زبان تو معلوم ہے، لیکن مخموم دل سے کیا مراد ہے؟ حضور نے فرمایا وہ شخص جو متقی ہو، صاف آدمی ہو، نہ اس میں گناہ ہو، نہ ظلم، نہ حسد، نہ کینہ۔ (ابن ماجہ)

أخرجه الترمذي (البر والصلة/ماجاء في الصدق والكذب، رقم ١٩٧٢) عن ابن عمر رضي الله عنهما، وقال: "حديث حسن جيد غريب، لانعرفه الا من هذا الوجه" اهـ

أخرجه مالک في الموطا (كتاب الكلام/رقم الحديث ١٩) عن صفوان بن سليم مرسلاً.

الدر المنثور (التوبة/الآية ١١٩، ٥١٨/٣) أخرجه ابن ابى شيبة (الأدب٥/رقم ٢٥٥٩٣) وابن عدى في مقدمة الكامل (باب ٢٠، ٢٩/١) عن أبي بكر رضي الله عنه، قال البيهقي: "هذا هو الصحيح، موقوف" نقله عنه في الدر المنثور.

أخرجه احمد (١٥٢/٦) والبزار (كما في كشف الاستار، رقم ١٩٣) وابن حبان في صحيحه (الكذب/رقم ٥٧٠٦) عن عائشة رضي الله عنها، وقال الهيثمي في المجمع (١٤٢/١): "اسناده صحيح" اهـ

أخرجه ابن ماجه (الزهد/الورع والتقوىٰ، رقم ٤٢١٦) عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما، قال البوصيرى في الزوائد (ص٥٤٧): "اسناده صحيح، رجاله ثقات" اهـ

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مومن کو تم جھوٹا نہ پاؤ گے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آدمی، جھوٹ کی (نحوست کی) کی وجہ سے، دن کے روزے اور رات کے تہجد سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض (جو اکابر صوفیا میں ہیں) فرماتے ہیں: کہ آدمی حلال کی کمائی اور سچ بولنے کے برابر کسی چیز سے بھی زینت نہیں پاتا۔ (درمنثور)

"حدیث" نجات کا ذریعہ کیا ہے؟

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات (کا ذریعہ) کیا ہے، ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اپنے گھر میں جمے رہو، (فضول گشت لگاتے نہ پھرو) اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔ (مشکوۃ)

جواب نمبر ۶:

(سوال: علماء کا وقار عمداً گرایا جا رہا ہے؟)

(جواب:) صحیح ہے اور بالکل صحیح، مگر شدنی امر ہے، ہونے والی چیز ہے اور کوئی نئی چیز نہیں، کون سا زمانہ ایسا گذرا ہے، جس میں علماء سے عداوت نہیں ہوئی، ان کی اہانتیں نہیں، ہوئیں، کیا امام اعظمؒ کو قید نہیں کیا گیا، امام مالکؒ کو سخت سے سخت نہیں مارا گیا، امام احمد بن حنبل پر کیا کیا نہیں گذرا، غرض کسی جلیل القدر عالم کو لے لیجئے، وہ نااہلوں کی اذیت وتکلیف کا شکار رہا ہوگا، الا ماشاء اللّٰہ.

الدر المنثور (التوبة/الآية ۱۱۹، ۵/۵۱۹) أخرجه البيهقي في الشعب (باب ۳۴، رقم ۴۸۸۷) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه.

الدر المنثور (۵/۵۱۹) أخرجه البيهقي في الشعب (باب ۳۴/رقم ۴۸۹۰) عن أنس رضي الله عنه.

المصدر السابق (۵/۵۲۰) أخرجه البيهقي في الشعب (باب ۳۴/رقم ۴۹۰۰) عن الفضيل بن عياض.

أخرجه احمد (۵/۲۵۹) والترمذی (الزهد/ماجاء في حفظ اللسان، رقم ۲۴۰۶) عن عقبة بن عامر رضي الله عنه وقال الترمذي: "حديث حسن".

جہلاء اہل علم کے دشمن ہیں اور بعض علامات قیامت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تو قاعدہ ہی ارشاد فرمادیا: "وَالْجَاهِلُوْنَ لِاَهْلِ الْعِلْمِ اَعْدَاءٌ" (درمختار)[1]

ترجمہ: جہلاء اہل علم کے دشمن ہوتے ہیں۔ نیز آئندہ کو اس میں اضافہ ہونا ضروری ہے، اور ہوکر رہے گا، اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں اس چیز کو شمار کیا ہے[2]۔ اور جتنے علامات قیامت حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں، وہ تقریباً سب ہی پائے جارہے ہیں اور جن کا ابھی وقت نہیں آیا، وہ عنقریب آرہے ہیں، کہ ان کے آثار شروع ہوگئے ہیں، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ یہ چیز نہ پائی جائے، بلکہ جو کچھ پیش آرہا ہے اور آتا جارہا ہے، وہ اس کے مقابلہ میں جو عنقریب آنے والا ہے، کچھ بھی نہیں ہے، حضور کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں علماء کو کتوں کی طرح قتل کیا جائے گا، کاش اس وقت علما بتکلف باولے بن جائیں (یعنی ان روشن دماغوں کے کاموں میں دخل نہ دیں، نہ ان کی اصلاح کی فکر کریں)[3]

ایک حدیث میں وارد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ علماء کو موت، سرخ (کندن) سونے سے زیادہ محبوب ہوگی[4]۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں عالم کا اتباع نہیں کیا جائے گا، اور نہ حلیم آدمی سے شرم کی جائے گی، نہ اس میں بڑے کی تعظیم ہوگی، نہ چھوٹے پر شفقت ہوگی، دنیا کے حاصل کرنے پر آپس کا قتل ہوگا، جائز کو جائز نہ سمجھیں گے، ناجائز کو ناجائز نہیں سمجھیں گے، نیک لوگ چھپتے پھریں گے، اس زمانہ کے آدمی بدترین خلائق ہوں گے، حق تعالیٰ شانہ قیامت میں ان کی طرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائیں گے[5]۔

---

[1] در مختار (۱/۶) ط: دهلي.

[2] أخرجه الحاكم في المستدرك (۳۲۵/۴) في حديث طويل عن علي رضي الله عنه، وصححه الحاكم وتعقبه الذهبي بقوله: بل منكر، منقطع، وابن عبد ربه لايعرف اهـ

[3] أخرجه الديلمي، وابن عساكر (كما في الاشاعة لأشراط الساعة ص۱۱٦) عن علي رضي الله عنه.

[4] أخرجه أبونعيم (كما في "الجامع الكبير للسيوطي (رقم۲۸۲۰۳) والاشاعة (ص۱۱٦) عن ابى هريرة رضي الله عنه.

[5] أخرجه الديلمي (كما في الجامع الكبير (۲۸۱۹۹) والاشاعة (ص۱۱٦) عن علي رضي الله عنه.

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس میں (سچا) مومن ایسا چھپتا پھرے گا جیسے کہ تم میں منافق چھپتا ہے۔ (الاشاعۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ اگر مومن، گوہ کے سوارخ میں داخل ہو جائے تو حق تعالیٰ وہاں بھی اس کے لئے کسی منافق یا اس شخص کو مسلط فرما دیں گے، جو اس کو اذیت پہنچائے۔ (مجمع الزوائد)

اس لئے اہل اللہ کی اہانت، دین داروں پر سب وشتم سب ہی کچھ ہو کر رہے گا اور جتنا کچھ ہو رہا ہے، اس سے زیادہ ہوگا، نیز علماء یا مشائخ دین دار یا متقیوں کا کیا ذکر ہے، جب آج کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو برملا، علی الاعلان گالیاں دی جاتی ہیں، ان کی اہانتیں کی جاتی ہیں، روافض کا تو مستقل کام ہمیشہ سے یہی ہے، لیکن اب تو روشن دماغ سنیوں کی طرف سے ہو رہا ہے، جس صحابی کی شان میں جو چاہا کہہ مارا، جو دل میں آیا لکھ ڈالا، نہ کوئی پوچھنے والا ہے، نہ روکنے والا، حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کو گالیاں دے، اس پر اللہ کی لعنت ہے، فرشتوں کی لعنت ہے، تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ (جامع)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! میں ایسے زمانہ کو نہ پاؤں، یا صحابہ کو خطاب فرمایا کہ تم لوگ ایسے زمانہ کو نہ پاؤ، جس میں عالم کا اتباع نہ کیا جائے، حلیم سے شرم نہ کی جائے، اس زمانہ کے لوگوں کے دل، عجمی (کفار) جیسے ہوں گے اور زبانیں عرب جیسی (فصیح) (ترغیب)

الاشاعة (ص ۱۱۵) أخرجه ابن عدى في الكامل (ترجمة يحيى بن أبي أنيسة، ۷/۱۸۹) عن جابر رضي الله عنه، وعزاه السيوطى في الجامع الكبير (رقم ۲۸۱۹۳) الى ابن السنى، ولعله في غير "عمل اليوم والليلة" له، والله أعلم.

أخرجه الطبراني في الأوسط (رقم ۹۲۸۲) والبزار (كما في كشف الاستار، رقم ۳۳۵۹) عن أنس بن مالک رضي الله عنه.

قال الهيثمي في المجمع (۷/۲۸۶) "فيه ابوقتادة بن يعقوب بن عبدالله العذرى، ولم أعرفه، وبقية رجال الطبراني ثقات" اهـ

الجامع الصغير: (رقم ۸۷۳۴) أخرجه الطبراني في الكبير (رقم ۱۲۷۰۹) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال الهيثمي في المجمع (۱۰/۲۱) : "فيه عبدالله بن خراش، وهو ضعيف" اهـ

أخرجه أحمد (۵/۳۴۰) عن سهل بن سعد رضي الله عنه، قال المنذري في الترغيب (۱/۶۵) : "فيه اسناده ابن لهيعة" قلنا: وهو صدوق، خلط بعد احتراق كتبه، كما في التقريب.

وأخرجه الحاكم في المستدرک (۴/۵۱۰) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وقال: صحيح الاسناد، ووافقه الذهبي.

حضور کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس میں دین پر جمنے والا، ایسا ہوگا جیسے ہاتھ میں آگ کی چنگاری پکڑنے والا۔ (الاشاعة)

حضور نے علامات قیامت سے یہ بھی شمار کرایا ہے کہ خاندان میں (حقیقی) مومن بکری کے بچہ سے سے زیادہ ذلیل اور نا قابل التفات سمجھا جائے گا۔ (الاشاعة)

نیز علامات قیامت میں یہ بھی وارد ہے کہ فاسق لوگ، خاندان کے سردار سمجھے جائیں گے اور کمینہ لوگ قوم کے ذمہ دار ہوں گے اور اس وجہ سے آدمی کا اعزاز کیا جائے گا کہ اس کے شر اور نقصان سے محفوظ رہ سکیں۔ (الاشاعة)

نیز یہ بھی علامات قیامت میں ہے کہ گانے والیوں کی کثرت ہو جائے گی اور باجوں کا زور ہوگا، شراب کثرت سے پی جائے گی اور امت کے اسلاف کو برا بھلا کہا جائے گا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی دین دار اپنے دین کو سالم نہیں رکھ سکتا، مگر یہ کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ میں جا کر چھپے، جیسے کہ لومڑی اپنے بچوں کو لئے پھرتی ہے، اور یہ وہ زمانہ ہوگا، جس میں حلال روزی مشکل بن جائے گی، اور بغیر اللہ کی معصیت کے روزی حاصل ہونا دشوار ہو جائے گا۔ (اشاعة)

نیز علامات قیامت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عام کساد بازاری ہوگی، اولاد زنا کی کثرت ہوگی، غیبت پھیل جائے گی، مال داروں کی عظمت کی جائے گی، منکرات (ناجائز امور) کرنے

الاشاعة (ص ١٠٦) أخرجه الترمذي (الفتن/باب الصابر على دينه في الفتن كالقابض على الجمر، رقم ٢٢٠٦) عن أنس بن مالک رضي الله عنه، وقال: "حديث غريب من هذا الوجه".

الاشاعة (ص ١٠٧) أخرجه الطبراني في الكبير (رقم ١٠٥٥٦) وفي الأوسط (رقم ٤٨٦١) في حديث طويل عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (٣٢٣/٧): "فيه سيف بن مسكين، وهو ضعيف" اهـ

تقدم تخريجهما ص ٨٠، رقم الهامش: ١، ٢.

أخرجه أبونعيم في الحلية (في مقدمته، رقم ٥٦) مختصراً والخليلي، والرافعي، (كما في الجامع الكبير (رقم ٢٨١٧٠) عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه.

وأخرجه البيهقي في الزهد (رقم ٤٤٧) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وذكره المنذري في الترغيب (٢٩٩/٣) معزواً الى البيهقي في الزهد، وصدّره بقوله: "رُوِیَ" الذی يدل على ضعف الحديث، حسب ما صرح به في مقدمة الترغيب، وانظر تخريج الاحياء للعراقی (٢٤/٣، ٢٢٣)

والوں کا غلبہ ہوگا اور تعمیرات کی کثرت ہوگی۔ (اشاعۃ)
نیز فحش گوئی، بدخلقی، پڑوسیوں کے ساتھ برا برتاؤ۔
نیز یہ بھی علامات قیامت میں ہے، دفعی موت (کثرت) سے ہونے لگے گی۔
(جو آج کل عام طور سے ہونے لگی جس کو قلب کی حرکت بند ہو جانا کہتے ہیں)

غرض احادیث میں قیامت کی علامات بہت کثرت سے وارد ہوئی ہیں، علماء نے ان کو مستقل تصانیف میں جمع فرمایا ہے، ان کا اکثر و بیشتر حصہ پایا جارہا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ علامت نہ پائی جائے اور جتنی کمی باقی ہے وہ پوری نہ ہو جائے، وہ یقیناً پوری ہوگی اور ضرور ہوگی، علماء پر منحصر نہیں، بلکہ ہر دین دار کا یہی حشر ہونے والا ہے دین پر عمل کرنا جیسا کہ ابھی گذرا، ہاتھ میں چنگاری لینے سے زیادہ مشکل ہو جائے گا، ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کی علامات سے یہ بھی ہے کہ سچے آدمیوں کو جھٹلایا جائے گا اور جھوٹوں کی تصدیق کی جائے گی۔ (اشاعۃ)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا، جب نوجوان فاسق بن جائیں گے اور عورتیں سرکش ہو جائیں گی؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ حضور نے فرمایا بے شک ہوگا اور اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا، پھر آپ نے ارشاد فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دو گے اور بری باتوں سے روکنا چھوڑ دو گے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ حضور نے فرمایا بیشک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا، پھر آپ نے فرمایا اس وقت

أخرجه ابن مردويه (كما في الاشاعة ص١١٧) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف (الفتن/ (رقم ٣٧٥٣٧) عن ابن مسعود رضي الله عنه، موقوفاً عليه وأخرجه البزار (كما في كشف الأستار رقم٣٤١٣) عن أنس رضي الله عنه، مرفوعاً نحوه، قال الهيثمي في المجمع (٣٢٧/٧): فيه شبيب بن بشير، وهو لين، وثقه ابن حبان، وقال: يخطئ، وبقية رجاله رجال الصحيح: اهـ

أخرجه الطبراني في "الأوسط (رقم٩٣٧٦)وفى الصغير (١٢٩/٢) في حديث طويل عن أنس رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (٣٢٥/٧): "رواه الطبراني في الصغير والأوسط عن شيخه الهيثم بن خالد المصيصى، وهو ضعيف" اهـ وانظر الاشاعة (ص١١٧)

أخرجه الطبراني في الكبير (رقم ١٠٥٥٦) وفى الأوسط (رقم ٤٨٦١) في حديث طويل عن ابن مسعود رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (٣٢٣/٧): "فيه سيف بن مسكين، وهو ضعيف" اهـ.

تمہارا کیا حال ہوگا، جب تم بری چیزوں کے کرنے کا حکم کروگے اور اچھے کاموں کے کرنے سے منع کرنے لگوگے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوجائے گا، حضور نے ارشاد فرمایا بے شک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا، پھر آپ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب نیک کاموں کو برا سمجھنے لگوگے اور ناجائز چیزوں کو اچھا سمجھنے لگوگے۔ (جمع الفوائد) اخیر کے دو جملوں میں یہ فرق ہے کہ کسی برے کام کو کرنا اور چیز ہے اور اس کو اچھا سمجھنا اور چیز ہے۔

عقیدہ کی خرابی عمل کی خرابی سے بہت زیادہ سخت ہے

شریعت کی نگاہ میں کسی برے کام کو کرنا اتنا سخت نہیں ہے، جتنا اس کو اچھا سمجھنا سخت ہے، کہ اس میں عقیدہ کی خرابی ہے اور عقیدہ کی خرابی عمل کی خرابی سے ہمیشہ زیادہ سخت ہوتی ہے، آدمی کتنا ہی بڑے سے بڑا گناہ کرنے لگے وہ کفر نہیں ہے، لیکن اسلام کی کسی معمولی سے معمولی چیز کے جس کا ضروریات دین میں سے ہونا ثابت ہوچکا ہو، استخفاف یا انکار کرنے سے اسلام ہی باقی نہیں رہتا، وہ بالاتفاق کافر ہوجاتا ہے، جب یہ علامات اکثر پائی جارہی ہیں ایسے حالات میں اگر دینیات کو یا علم وعلماء کو برا بھلا کہا جائے، یا برا سمجھا جائے تو کیا بعید ہے اور اس میں کونسی تعجب کی بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم لوگ آج کل ایسے زمانہ میں ہو کہ علماء کی کثرت ہے اور قاریوں کی کمی ہے، قرآن پاک کے حدود کی رعایت بہت زیادہ ہے، حروف کی رعایت اتنی نہیں ہے، سوال کرنے والے کم ہیں، عطا کرنے والے کثرت سے ہیں، نمازیں لمبی لمبی پڑھتے ہیں اور خطبے (وعظ) مختصر مختصر کہتے ہیں اپنے اعمال کو اپنی خواہشات پر مقدم کرتے ہیں؛ لیکن عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں علماء کی قلت ہوگی، قراء کی کثرت ہوگی قرآن کے الفاظ کا اہتمام زیادہ ہوگا اس کے احکام کی رعایت بہت کم ہوگی، سوال کرنے والے بہت ہوجائیں گے اور عطا کرنے والے کم ہوں گے، خطبے (اور تقریریں) لمبی لمبی ہوں گی، نمازیں مختصر ہوجائیں گی، خواہشات اعمال پر مقدم ہوجائیں گی۔ (جمع)

غرض یہ سب چیزیں ہوں گی اور ہوتی جارہی ہیں۔

ذكره في جمع الفوائد (الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ٧٩٠٦) معزوا الى رزين عن علي رضي الله عنه.

أخرجه عبدالرزاق (٣٨٢/٢) عن عبدالله بن مسعود.

علماء ومشائخ کے حق میں سب وشتم ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے

اس سب کے علاوہ قانون الٰہی کا مقتضا بھی ہے، کہ علماء ہوں، یا مشائخ مشاہیر کے لئے سب وشتم بھی ایک قدیمی معمول ہے، کوئی زمانہ بھی اس سے خالی نہیں گذرا، نہ گذرے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح حدیث میں وارد ہے: "اِنَّ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ اَنْ لَّایَرْفَعَ شَیْئًا مِّنْ اَمْرِ الدُّنْیَا اِلَّا وَضَعَهٗ" (كَذَا فِي الْجَامِعِ بروایة البخاری وأبی داود، والنسائی، وأحمد، عن أنس)*

اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ دنیا کی جس چیز کو بلند کرتے ہیں، اس کو پست بھی کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام عالم پر غور کرلو، گذرے ہوئے زمانوں کو دیکھو اور زمانہ حال کو جانچو، جس شخص کی شہرت جس نوع کی پاؤ گے اسی نوع کی اس کی اہانت دیکھو گے، جن لوگوں کی اخبارات واشتہارات میں تعریفیں دیکھو گے، اخبارات واشتہارات ہی میں اہانتیں بھی پاؤ گے اور جن کی مجالس عامہ یا خاصہ میں شہرت دیکھو گے ویسی ہی مجالس میں ان پر سب وشتم بھی پاؤ گے، کبھی کبھی زمانی تقدم تاخر تو ملے گا، مگر اس کا تخلف شاید نہ ملے، اس لئے یہ چیز قابل التفات ہے، نہ قابل خیال، علماء کو نہ اس طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے نہ ازالہ کی فکر کی۔

دیانۃً فیما بین العبد وبین اللہ معاملہ کا درست ہونا کافی ہے

جس چیز کی اصل ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ: دِيَانَةً فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ معاملہ صاف ہونا چاہئے، عزت ووقار کے حاصل کرنے کی غرض سے کوئی قدم نہ اٹھایا جائے، بلکہ جو قدم بھی

* أخرجه أحمد (۱۰۳/۳) والبخاری (الجهاد/ناقة النبی صلی الله علیه وسلم ۲۸۷۲) وابوداود (الادب/ کراهیة الرفع في الأمور ۴۸۰۲) والنسائی (الخیل/السبق ۳۶۱۸) عن انس رضي الله عنه.

اٹھایا جائے وہ اللہ کی رضا اس کے دین کی حفاظت اعلاء کلمۃ اللہ اور اعلاء کلمۃ الحق کی نیت سے ہو، کوئی ساتھ ہو، الحمد للہ نہ ہو، ان کی پاپوش سے، کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے نااہل اور ناحق لوگوں کے ہاتھ سے اذیتیں نہیں اٹھائیں، سب وشتم درکنار، زخم نہیں کھائے، قتل نہیں ہوئے، خود سید الانبیاء اور فخر رسول نے کیا کیا کچھ نہیں سنا، ساحر، مجنون، کاہن، جماعتوں میں تفریق پیدا کرنے والا وغیرہ وغیرہ ناشائستہ الفاظ سے نہیں پکارے گئے غرض کون سی چیز ہوئی جو برداشت نہیں کی گئی، پھر وارثین انبیاء کو اس کا کیا قلق اور گلہ ہوسکتا ہے، جو چیز قابل فکر، قابل اہتمام، قابل لحاظ اور قابلِ خیال ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے واسطے برداشت کیا جائے، محض اس کی رضا مقصود ہو اور اسی کے لئے یہ سب کچھ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ وہ بھی حاصل نہ ہو کہ یہ یقیناً خسران ہے، اور اللہ کی رضا کے بعد جس کا جو دل چاہے کہے بلکہ میں تو بعض اوقات یہ خیال کرتا ہوں کہ مجھ جیسے کم ظرف لوگوں کیلئے تو یہ اللہ کی بڑی مہربانی اور لطف ہے کہ یہ مال دار لوگ اس سے علیحدہ اور مجتنب رہیں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ الحمد للہ اس زمانہ میں دنیادار، فقراء سے تعلق نہیں رکھتے، ورنہ ان کو دقت ہوگی، حضرت خواجہ ہاشم نے، حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ کے مقامات میں لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ خواجہ حسام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا، جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلفاء میں تھے، حاضرین میں سے کسی نے اغنیاء کی شکایت کی کہ وہ فقراء سے تعلق نہیں رکھتے، پہلے امراء جیسا احترام بھی ان کے قلوب میں نہیں ہے، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ برادر من! یہ اللہ کی بڑی حکمت ہے، اسلئے کہ پہلے زمانہ میں فقراء اس قدر یکسو تھے کہ جتنا بھی امراء اس طرف متوجہ ہوتے، وہ ان سے علیحدہ ہی رہتے، اس زمانہ میں ہم لوگ ایسے نہیں ہے، بلکہ اگر یہ لوگ ہم سے تعلقات بڑھائیں، اختلاط پیدا کریں تو ہم لوگ اپنی فقیرانہ وضع داری کو باقی نہیں رکھ سکتے، اس لئے اللہ جل شانہ کا کرم محافظ بن رہا ہے، (کلمات طیبات)

البتہ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ علمائے حق کے درپے آزار ہیں، ان کی اہانت وتذلیل کو فخر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں، وہ غالباً بلکہ یقیناً علماء کی بہ نسبت، اپنا نقصان زیادہ کررہے ہیں، علماء کا زیادہ سے زیادہ یہ نقصان کریں گے کہ دنیوی متاع میں شاید نقصان پہنچا سکیں، بشرطیکہ وہ مقدر میں کچھ کمی کرسکنے پر قادر ہوں یا دنیوی عزت وجاہ کو، جو نہایت ہی بے وقعت اور ناپائیدار چیز ہے، نقصان پہنچا سکیں گے، مگر یہ لوگ اپنے کو برباد کررہے ہیں اور اپنا دینی نقصان کررہے ہیں، نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے۔ (ترغیب)

اس ارشاد نبوی کے بعد علماء کو علی العموم گالیاں دینے والے برا بھلا کہنے والے اپنے کو امت محمدیہ میں شمار کرتے رہیں، لیکن صاحب امت ان کو اپنی امت میں شمار کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو منافق کے سوا کوئی شخص ہلکا (اور ذلیل) نہیں سمجھ سکتا، ایک شخص وہ جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو گیا ہو، دوسرے اہل علم، تیسرے منصف بادشاہ۔ (ترغیب)

"حدیث" چار صفتوں میں سے نکل کر پانچویں صفت اختیار نہ کرے، ورنہ ہلاکت ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اُغْدُ عَالِمًا، اَوْ مُتَعَلِّمًا، اَوْ مُسْتَمِعاً اَوْ مُحِبًّا وَلاتَکُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلِکَ (مقاصد حسنہ، جامع)(۱) کہ تو یا عالم بن یا طالب علم یا علم کا سننے والا یا (علم اور علماء) سے محبت رکھنے والا، پانچویں قسم میں داخل نہ ہونا، ورنہ ہلاک ہو جائیگا۔

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ پانچویں قسم سے مراد علماء کی دشمنی ہے اور ان سے بغض رکھنا۔ ایک حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ تو عالم بن یا طالب علم اور اگر دونوں نہ بن سکے، تو علماء سے محبت رکھنا، ان سے بغض نہ رکھنا۔ (مجمع)

ایک حدیث میں وارد ہے: "حَمَلَةُ الْقُرْآنِ عُرَفَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

أخرجه أحمد (۵/۳۲۳) والحاكم (۱/۱۲۲) عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه وقال المنذري في الترغيب والترهيب (۱/۲۴) اسناده حسن.

أخرجه الطبراني في الكبير (۸/۲۰۲ رقم ۷۸۱۹) عن أبي امامة رضي الله عنه.
وقال الهيثمي في المجمع (۱/۱۲۷):فيه عبيدالله بن زحر وعلى بن زيد، كلاهما ضعيف. اهـ

أخرجه الطبراني في الصغير (۲/۹) والبزار (الكشف ۱۳۴) والبيهقي في الشعب (۱۷۰۹) عن أبي بكرة رضي الله عنه، وقال الهيثمي في المجمع (۱/۱۲۲): رجاله موثقون.

أخرجه الطبراني في الكبير (۸۷۵۲) من طريق عبدالملك بن عمير عن ابن مسعود رضي الله عنه وقال الهيثمي في المجمع (۱/۱۲۲): "رجاله رجال الصحيح الا ان عبدالملك بن عمير لم يدرک ابن مسعود".

(رواه الطبراني عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ كَذَا فِي الْجَامِعِ، وَرَقَمَ لَهُ بِالضُّعْفِ، لٰكِنْ قَالَ الْعَزِيْزِيُ: مَتَنُهُ صَحِيْحٌ) قرآن شریف کے حاملین: یعنی حفاظ اور علماء) قیامت کے دن، جنت والوں کے چودھری ہوں گے۔

دوسری حدیث میں وارد ہے: "حَمَلَةُ الْقُرْآنِ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ، فَمَنْ عَادَ هُمْ عَادَى اللّٰهَ وَمَنْ وَالاهُمْ فَقَدْ وَالَى اللّٰهِ" (رواه الديلمى وابن النَّجَّارِ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ كَذَا فِي الْجَامِعِ وَرَقَمَ لَهُ بالضُّعْفِ)

ترجمه: حاملین قرآن اللہ کے ولی ہیں، جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے، وہ اللہ سے دشمنی کرتا ہے اور جو ان سے دوستی کرتا ہے، وہ اللہ سے دوستی کرتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت پر تین چیزوں سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں کرتا، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ علم والے شخص کو دیکھیں اور اس کو ضائع کر دیں، پروانہ کریں۔ (ترغیب)

امام نووی "شرح مہذب" میں لکھتے ہیں کہ بخاری شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے جو شخص میرے کسی ولی کو ستائے، میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے۔

☆☆☆

أخرجه الطبراني في الكبير (۳/رقم ۸۸۹۹) وقال الهيثمى في المجع (۷/۱۶۱): فيه اسحاق بن ابراهيم بن سعد، وهو ضعيف، ورقم له السيوطى ايضا في الجامع الصغير بالضعف.

أخرجه الديلمي في مسند الفردوس وابن النجار عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما كذا في الجامع الصغير (رقم: ۳۷۶۰) ورقم له السيوطى بالضعف. وقال المناوي في فيض القدير (۳/۳۹۷): "فيه داود بن المحبر، قال الذهبي في الضعفاء: قال ابن حبان: كان يضع الحديث على الثقات، ورواه عنه ابونعيم في الحلية" اهـ

أخرجه الطبراني في الكبير (۳/رقم ۳۴۴۲) عن أبي مالک الاشعرى رضي اللّٰه عنه. فيه محمد بن اسماعيل بن عياش عن ابيه ولم يسمع من ابيه.

أخرجه البخارى (الرقاق /التواضع ۶۵۰۲) عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه، وانظر شرح المهذب (۱/۲۱)

فقہاء (علماء) ہی اللہ کے ولی ہیں اوران کی ایذاء پر سخت وعیدیں

اور خطیب بغدادی نے حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر فقہا (علماء) اللہ کے ولی نہیں ہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔

حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچائے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے اس نے اللہ جل جلالہ کو اذیت پہنچائی، حافظ ابوالقاسم بن عساکر فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ يَا اَخِيْ وَفَّقَنِيَ اللّٰهُ وَاِيَّاكَ لِمَرْضَاتِهٖ —وَجَعَلَنَا مِمَّنْ يَّخْشَاهُ وَيَتَّقِهٖ حَقَّ تُقَاتِهٖ— اَنَّ لُحُوْمَ الْعُلَمَاءِ مَسْمُوْمَةٌ وَعَادَةُ اللّٰهِ فِيْ هَتَكِ اَسْتَارِ مُنْتَقِصِيْهِمْ مَعْلُوْمَةٌ، اِنَّ مَنْ أَطْلَقَ اللِّسَانَ فِي الْعُلَمَاءِ بِالثَّلْبِ بَلَاهُ اللّٰهُ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِمَوْتِ الْقَلْبِ[*].

ترجمہ: میرے بھائی ایک بات سن لے، حق تعالیٰ شانہ مجھے اور تجھے اپنی رضا کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو ان لوگوں میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں اور جیسا کہ چاہئے ویسا تقویٰ کرنے والے ہوں (یہ بات سن لے) کہ علماء کے گوشت (یعنی غیبت) نہایت زہریلے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ داری میں اللہ کی عادت سب کو معلوم ہے (کہ جو علماء کی اہانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں)، جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے اس کے مرنے سے پہلے، حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔

مولانا عبدالحئ صاحبؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

کہ اگر مقصود آن دشنام دہندہ، استخفاف علم وتحقیر علماء من حیث العلم است، فقہا حکم بکفرش می دہند، ورنہ در فاسق وفاجر بودن آنکس مستحق غضب الٰہی، ومستوجب عذاب دنیوی واخروی شدن آں شبہ نیست

ترجمہ: اگر گالیاں دینے والے کا مقصود، علم اور علماء کی تحقیر علم کی وجہ سے ہے تو فقہا اس کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں، ورنہ اگر کسی اور وجہ سے ہے، تب بھی اس شخص کے فاسق وفاجر ہونے میں اور اللہ کے غصہ اور دنیا اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہونے میں شبہ نہیں۔

[*] شرح المہذب للنووی (۱/۲۱)

اس کے بعد فقہاء کے کلام سے، نیز قرآن پاک اور احادیث سے اس مضمون کی تائید نقل فرمائی ہے۔

علماء وصلحاء کی تعظیم کے بارے میں عہد نبوی کسی عالم کے قول کی تردید کب کی جاسکتی ہے

علامہ عبدالوہاب شعرانی جو اکابر صوفیہ میں ہیں انہوں نے ایک کتاب ''عہود محمدیہ'' میں لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فلاں فلاں باتوں پر حضور نے عہد لئے ہیں، اس میں لکھتے ہیں۔

''اُخِذَ عَلَيْنَا الْعَهْدُ الْعَامُّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُكْرِمَ الْعُلَمَاءَ، وَنُبَجِّلَهُمْ، وَنُوَقِّرَهُمْ، وَلَانَرىٰ لَنَا قُدْرَةً عَلٰى مُكَافَاتِهِمْ، وَلَوْ اَعْطَيْنَا هُمْ جَمِيْعَ مَانَمْلِكُ اَوْخَدَمْنَا هُمُ الْعُمُرَ كُلَّهُ، وَهٰذَا الْعَهْدُ قَدْ أَخَلَّ بِهٖ غَالِبُ طَلَبَةِ الْعِلْمِ وَالْمُرِيْدِيْنَ فِي طَرِيْقِ الصُّوْفِيَةِ، حَتّٰى لَانَكَادُ نَرىٰ اَحَداً مِنْهُمْ يَقُوْمُ بِوَاجِبِ حَقِّ مُعَلِّمِهٖ، وَهٰذَا دَاءٌ عَظِيْمٌ فِي الدِّيْنِ، مُؤَذِّنٌ بِاسْتِهَانَةِ الْعِلْمِ، وَبِاَمْرِ مَنْ أَمَرَنَا بِاِجْلَالِ الْعُلَمَاءِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' (لَوَاقِحُ الْاَنْوَارِ الْقُدْسِيَّةِ فِي بَيَانِ الْعُهُوْدِ الْمُحَمَّدِيَّةِ)

وَفِيْهِ اَيْضًا اُخِذَ عَلَيْنَا الْعَهْدُ الْعَامُّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُبَجِّلَ الْعُلَمَاءَ وَالصَّالِحِيْنَ وَالْاَكَابِرَ وَلَوْ لَمْ يَعْمَلُوْا بِعِلْمِهِمْ وَنَقُوْمُ بِوَاجِبِ حُقُوْقِهِمْ، وَنَكِلَ اَمْرَهُمْ اِلَى اللّٰهِ، فَمَنْ أَخَلَّ بِوَاجِبِ حُقُوْقِهِمْ مِنَ الْاِكْرَامِ وَالتَّبْجِيْلِ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ الْعُلَمَاءَ نُوَّابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَمَلَةُ شَرْعِهٖ وَخُدَّامُهٗ، فَمَنِ اسْتَهَانَ بِهِمْ تَعَدّٰى ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذٰلِكَ كُفْرٌ، وَّتَاَمَّلْ مَنِ اسْتَهَانَ بِغُلَامِ السُّلْطَانِ اِذَا أَرْسَلَه اِلَيْهِ كَيْفَ يَسْمَعُ السُّلْطَانُ مِنْ رَّسُوْلِهٖ فِيْهِ وَيَسْلُبُ نِعْمَةَ ذٰلِكَ الَّذِيْ اسْتَهَانَ، وَيَطْرُدُهٗ عَنْ حَضْرَتِهٖ بِخِلَافِ مَنْ بَجَّلَهٗ، وَعَظَّمَهٗ وَقَامَ بِوَاجِبِ حَقِّهٖ، يُقَرِّبُهُ السُّلْطَانُ''.

ترجمہ: ہم لوگوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک عام عہد اس بات کا لیا گیا ہے کہ ہم علماء کا اکرام کریں، اعزاز کریں اور ان کی تعظیم کریں، اور ہم میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان کے (احسانات کا) بدلہ ادا کرسکیں، چاہے ہم وہ سب کچھ دے دیں، جو ہماری ملک میں

ہے اس معاہدہ میں بہت سے طلبہ اور بہت سے مریدین کوتاہی کرنے لگے ہیں، حتی کہ ہم کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا، جو اپنے استاد کے حقوق واجبہ ادا کرتا ہو، یہ دین کے بارے میں ایک بڑی بیماری ہے، جس سے علم کی اہانت کا پتہ چلتا ہے اور اس ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کے ساتھ لاپروائی کا پتہ چلتا ہے، جس نے اس کا حکم فرمایا ہے۔

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ ہم لوگوں سے نبی اکرم ﷺ کی طرف سے یہ عام عہد لیا گیا ہے کہ ہم علماء کی، صلحاء کی اور اکابر کی تعظیم کیا کریں، چاہے وہ خود اپنے علم پر عمل نہ کیا کریں اور ہم لوگ ان کے حقوق واجبہ کو پورا کرتے رہیں اور ان کے ذاتی معاملہ کو اللہ کے سپرد کردیں، جو شخص ان کے حقوق واجبہ، اکرام وتعظیم میں کوتاہی کرتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہے، اس لئے کہ علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں اور ان کی شریعت کے حامل اور اس کے خادم، پس جو شخص ان کی اہانت کرتا ہے، تو یہ سلسلہ حضور اقدس ﷺ تک پہنچتا ہے اور یہ کفر ہے اور تم غور کرلو کہ بادشاہ اگر کسی کو ایلچی بنا کر کسی کے پاس بھیجے اور وہ اس کی اہانت کرے تو بادشاہ ایلچی کی بات کس غور سے سنے گا، اور اپنی اس نعمت کو جو اس اہانت کرنے والے پر تھی ہٹالے گا اور اس کو اپنے دربار سے ہٹادے گا بخلاف اس شخص کے جو ایلچی کی تعظیم وتوقیر کرتا ہے اور اس کا حق ادا کرتا ہے، تو بادشاہ بھی اس کو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔

اس مضمون میں یہ بات کہ چاہے وہ اپنے علم پر عمل کرنے والے نہ ہوں، ایسی ہی ہے جیسا کہ اس خط کے شروع میں حضرت معاذؓ کے کلام میں مفصل گذر چکی ہے اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میری امت، اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے گی، اور بازاروں کی عمارتوں کو بلند اور غالب کرنے لگے گی اور مال ودولت کے ہونے پر نکاح کرنے لگے گی (یعنی نکاح میں بجائے دینداری اور تقویٰ کے مالدار کو دیکھا جائے گا) تو حق تعالیٰ شانہ چار قسم کے عذاب ان پر مسلط فرمادیں گے، قحط سالی ہوجائے گی، بادشاہ کی طرف سے مظالم ہونے لگیں گے، حکام خیانت کرنے لگیں گے اور دشمنوں کے پے در پے حملے ہوں گے۔ (حاکم)

آج کل ان عذابوں میں سے کون سا نہیں ہے، جو امت پر مسلط نہیں، لیکن وہ اپنی خوشی

أخرجه الحاكم (۴/۳۲۵) عن علی رضي الله عنه وصححه ولكن تعقبه الذهبي قائلاً: بل منكر منقطع.

سے ان کے اسباب کو اختیار کریں تو پھر شکایت کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک گھر میں ایک کتیا تھی، جس کے بچہ ہونے کا وقت قریب تھا، ان لوگوں کے یہاں کوئی شخص مہمان ہوا تو کتیا نے خیال کیا کہ آج رات کو مہمان پر شور نہ کروں گی، لیکن بچہ پیٹ ہی میں سے شور کرنے لگا، حق تعالیٰ شانہ نے وحی سے ارشاد فرمایا کہ یہی مثال اس امت کی ہے جو تمہارے بعد آنے والی ہے کہ اس کے بے وقوف اس امت کے عالموں پر غالب ہو جائیں گے۔ (مجمع الزوائد)

فقہ اور فتاوے کی کتابوں میں کثرت سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ علم سے اور علماء سے بغض ونفرت سخت اندیشہ ناک ہے، ''فتاویٰ عالمگیریہ'' میں یہ ''نصاب'' سے نقل کیا ہے ''مَنْ اَبْغَضَ عَالِمًا مِّنْ غَیْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ، خِیْفَ عَلَیْهِ الْکُفْرُ''. جو شخص کسی عالم سے بلا کسی ظاہری سبب کے بغض رکھے، اس کے کفر کا اندیشہ ہے، ظاہری سبب سے یہ مراد ہے کہ اگر کوئی شرعی وجہ اور دلیل اس بات کی ہو تو مضائقہ نہیں ہے، لیکن بلا کسی شرعی وجہ کے ایسا کرنا سخت اندیشہ ناک ہے، ایسی صورت میں کہ جب اندیشہ ناک صورت پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے، کیا ضروری نہیں کہ ہر شخص اس چیز میں خصوصی احتیاط برتے؟

کسی عالم کے قول کی تردید کی جاسکتی ہے
اس کے متعلق چند قابل غور امور

کسی عالم کے قول کو رد کرنے کا حق ضرور حاصل ہے، اس کی تردید ضرور کی جاسکتی ہے، مگر جب ہی، جب اس کے قول کے بالمقابل تردید کا شرعی سامان موجود ہو، اس کے قول کے خلاف نصوص شرعیہ موجود ہوں اور رد کرنے والا نصوص سے استدلال کی صلاحیت رکھتا ہو، یہ میرا مقصود ہرگز نہیں ہے، کہ عالم جو بھی کہہ دے وہ صحیح ہے اور اس کے کسی قول پر رد اور انکار نہ کیا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے، جس کے قول پر رد نہ کیا جاسکے یا اس کے

أخرجه الطبراني في الأوسط (٥٢٠٩) عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنه، وقال الهيثمي في المجمع (١/١٨٣) فيه شعيب بن صفوان، وثقة ابن حبان، وضعفه غيره وقد اختلط.
قلنا: وأخرج نحوه أحمد (٢/١٧٠) من غير هذا الوجه عن عبدالله بن عمرو.

اقوال وافعال میں غلطی کا احتمال نہ ہو، بے شک ہے اور ضرور ہے، لیکن رد کرنے کے واسطے اور غلطی پکڑنے کے واسطے بھی شریعت مطہرہ میں حدود قائم ہیں اس کے درجات ہیں، اس کے قواعد اور آداب ہیں، تاوقتیکہ ان سے واقفیت نہ ہو رد کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں ہے، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ علماء بے عیب ہیں یا ان میں کوتاہیاں نہیں ہیں یقیناً ہیں اور بمقتضائے زمانہ ہونا بھی چاہئیں، مگر ان کی کوتاہیوں کو پکڑنے کے ساتھ ساتھ، چند امور قابلِ غور اور قابل لحاظ ہیں، اہل علم ہی ان چیزوں پر زیادہ اچھی طرح روشنی ڈال سکتے تھے، مگر چوں کہ یہاں معاملہ خود ان کی ذات کا آجاتا ہے، اس لئے اس مسئلہ میں ان کو زیادہ واضح گفتگو کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اپنے وقار کا مسئلہ آجانے کی وجہ سے وہ اس میں وضاحت اور زور سے رد کرنے میں تساہل کرتے ہیں، میں اجمالی طور پر تمہیں ان امور کی طرف متوجہ کرتا ہوں اول تو اس وجہ سے کہ میرا اور تمہارا خصوصی تعلق اس بدگمانی سے بالاتر ہے کہ میں اپنا اعزاز تم سے کرانا چاہتا ہوں، دوسرے اس وجہ سے بھی کہ میرا کچھ زیادہ شمار بھی علماء کی جماعت میں نہیں ہے، ایک کتب فروش ہوں کتابیں بیچتا ہوں اور ایام گذاری کرتا ہوں، تیسرے یہ خط بھی میرا ایک نجی خط ہے، چوتھے اس وجہ سے کہ میرے ساتھ تمہارا، بلکہ میرے سب دوستوں کا جو معاملہ ہے، وہ میری حیثیت سے زیادہ ہے، اس لیے غور سے سنو، یہاں چند امور قابلِ لحاظ ہیں اور عام طور سے ان میں خلط ملط کیا جاتا ہے، یا عمداً ان سے اعراض یا تسامح کیا جاتا ہے اور کہیں ناواقفیت بھی اس کا سبب ہے، بہر حال یہ امور قابل غور ہیں۔

(۱) کیا ہر وہ شخص جو اہل علم کے لباس میں ہو، کسی عربی مدرسہ میں طلباء کے رجسٹر میں نام لکھا چکا ہو، یا تقریر دلچسپ کرتا ہو، یا تحریر اچھی لکھتا ہو، وہ عالم ہے اور علماء کی جماعت کا فرد ہے؟ اس لئے ہر شخص کی بات کو لے کر اور سن کر علماء کی طرف منسوب کر دینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے، کیا کھرا کھوٹا، اصلی، جعلی، واقعی، مصنوعی دنیا کی ہر چیز میں نہیں ہے؟ دیکھو دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز، سونا چاندی اور جواہرات ہیں اور ضروری سے ضروری اور ہر شخص کا محتاج الیہ پیشہ حکیم وڈاکٹر کا پیشہ ہے، تو پھر کیا دونوں قسمیں ایسی نہیں ہیں، جن میں کھرے سے کھوٹا زیادہ اور اصلی سے نقلی زیادہ نہ ملتا ہو یا واقعی سے مصنوعی بڑھے ہوئے نہ ہوں تو پھر کیا حکیموں اور ڈاکٹروں کو اس وجہ سے گالیاں دی جاتی ہیں کہ ان کے لباس میں مصنوعی اور خطرہ جان طبیب زیادہ ہیں یا ہر سونے چاندی اور جواہرات کو اس وجہ سے پھینک دیا جاتا ہے کہ وہ نقلی اور مصنوعی زیادہ ملتے ہیں؟؟ نہیں نہیں بلکہ ان چیزوں میں یہاں تک افراط کی جاتی ہے کہ جہاں مشہور اور واقف طبیب میسر نہیں ہوتا وہاں

جان بوجھ کر ایسے ہی طبیبوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، یہ کیوں؟ اس لئے کہ ضرورت سخت ہے اور طبیب حاذق کے پاس فوراً پہنچنا مشکل ہے، مصنوعی سونا دیدہ دانستہ خریدا جاتا ہے کیوں کہ ضرورت کو پورا کرنا ہی ہے اور اصلی سونا اس وقت ملنا دشوار ہے، یا گراں ہے کہ تحمل نہیں ہوسکتا، لیکن علماء سب ہی گردن زدنی ہیں، اس لئے کہ ان کے لباس میں جھوٹے بہت ہیں۔

دین کی ضرورت کا احساس اور علماءِ دین کی شان ومثال

تم نے غور کیا کہ یہ فرق کیوں ہے، اس لئے کہ وہ ضرورت کی چیزیں سمجھی جاتی ہیں اور یہ بے ضرورت ہے، ان کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے اور یہ بے کار آمد ہے، ان میں اچھے سے اچھے طبیب کی تلاش ہے، لیکن اس وقت تک کہ اچھا طبیب ملے جو بھی موجود ہو وہ نہایت مغتنم ہے اور اس کی رائے پر عمل نہایت اہم اور ضروری ہے اور یہاں حقیقی ملتے نہیں ہیں اور جو ملتے ہیں وہ ہمارے نزدیک کامل نہیں ہیں، اس لئے لغو وبے کار ہیں، حالاں کہ اگر غور کیا جائے اور دینی ضرورت کو ضرورت سمجھا جائے، دین کا اہتمام اور اس کی فکر قلوب میں کم از کم اتنی ہو جتنی ایک عزیز کے بیمار ہونے کی یا بیٹی کے نکاح کرنے کی، تو عالم کامل کی تلاش میں طبیب حاذق کی تلاش سے زیادہ سرگرداں ہوں، اگر دین کا فکر ہو تو حقیقی ضرورت یہی ہے، عزیز کی بیماری کا منتہا موت ہے جس کے بغیر چارہ نہیں، حاذق سے حاذق اور ماہر سے ماہر طبیب یہاں بے بس ہے اور وہ اپنا ہی کچھ نہیں بنا سکتا تو دوسرے کا کیا کرسکتا ہے، بیٹی کی شادی میں زیور نہ ہی میسر آسکا تو کیا بگڑ گیا، اتنا ہی ہوا کہ برادری کے لوگ، عزیز واقارب طعن وتشنیع کریں گے، وہ ابھی کب چھوڑ دیں گے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اب چار سنائیں گے، اس وقت آٹھ سنا دیں گے، لیکن علماء کی ضرورت دین کے لئے ہے، جس کے بغیر زندگی بے کار ہے، دنیا میں آنا بے کار ہے، آدمی صرف دین ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے: "**وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن**" (الذاریات) حق سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے کہ میں نے آدمی اور جن صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ جب یہی اصل غرض آدمی کی پیدائش سے ہے، تو اس کے لئے جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہوگی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علماء کی مثال زمین میں ایسی ہے، جیسا کہ آسمان پر ستارے جن کے ذریعہ سے جنگل کے اندھیروں اور سمندروں کے سفر میں راستہ پہچانا جاتا ہے،

اگر ستارے بے نور ہو جائیں تو اقرب ہے یہ بات کہ رہبرانِ قوم راستے سے بھٹک جائیں۔ (ترغیب)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نبوت کے درجہ سے بہت قریب جماعت ایک علماء کی ہے، دوسرے مجاہدین کی، اس لئے کہ علماء اس چیز کا راستہ بتاتے ہیں، جو اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں اور مجاہدین اپنی تلواروں سے اس طرف متوجہ کرتے ہیں۔ (احیاء)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خیر کی بات سکھانے والے کے لئے اللہ جل شانہ رحمت بھیجتے ہیں، فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور ہر وہ چیز جو آسمان و زمین میں ہے، حتی کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں سمندر میں اس کے لئے دعا خیر کرتی رہتی ہیں۔ (ترمذی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی عالم مر جاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا رخنہ پیدا ہو جاتا ہے، جس کو کوئی اس کا نائب ہی بھر سکتا ہے۔ (احیاء)

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ایک ہزار عابد، جو شب بیدار ہوں اور دن بھر روزہ رکھتے ہوں ان کی وفات ایک ایسے عالم کی وفات سے زیادہ سہل ہے، جو حلال وحرام سے واقف ہو۔ (احیاء)

دنیا کے ہر کام میں اہل فن ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے

(۲) دوسری یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دنیا کے ہر کام میں اہل فن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، مکان بنانا ہے تو مستری بغیر چارہ نہیں اور قفل درست کرانا ہے تو لوہار بغیر گذر نہیں، مقدمہ کرنا ہے، آپ لاکھ سمجھ دار ہوں ہوشیار ہوں، لیکن وکیل بغیر مفر نہیں، آپ لاکھ قابل ہوں، لیکن تعمیر مستری ہی کرے گا، مگر علم دین ایسا ارزاں ہے کہ ہر شخص جو ذرا بھی بولنا یا لکھنا جانتا ہے وہ واقف اسرارِ شریعت ہے، محقق ملت ہے، اس کی محققانہ تحقیق کے خلاف قرآن شریف اور احادیث نبویہ

أخرجه أحمد (۱۵۷/۳) عن انس رضي اللّٰه عنه، وقال الهيثمي في المجمع (۱۲۱/۱) فيه رشد بن سعد، واختلف في الاحتجاج به، وابو حفص صاحب انس مجهول اهـ

احياء العلوم (۴/۱) ط: نول كشور

(۲) أخرجه الترمذي (العلم/ماجاء في فضل الفقه على العبادة رقم ۲۶۸۵) عن ابى امامة رضي اللّٰه عنه، وقال: حسن غريب صحيح.

احياء العلوم (۵/۱) ط: نول كشور.

احياء العلوم (۶/۱) ط: نول كشور.

بھی قابل قبول نہیں، پھر علماء بیچاروں کا تو ذکر ہی کیا ہے اور چوں کہ اس کے مقابل اگر کوئی آواز اٹھتی ہے تو وہ علماء کی جانب سے ہوتی ہے، اس لئے جتنا بھی یہ روشن دماغ علماء کے خلاف زہر اگلیں اور علما کے خلاف جھوٹ یا سچے الزام لگا کر، عوام کو ان سے بدکائیں، وہ قرین قیاس ہے کہ ان کی غلط باتوں کی اور دین میں تحریف کی پردہ دری علماء ہی سے ہوتی ہے، وہ مخالف بھی بنیں گے، وہ دشمن بھی بنیں گے اور جو کچھ کر سکتے ہیں، سب ہی کچھ کریں گے، مگر کیا ہوسکتا ہے۔

زبان کے ماہر منافق سے خطرہ

ایسے لوگوں کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ مجھے اپنے بعد سب سے زیادہ خوف تم پر ہے ہر اس منافق کا، جو زبان کا ماہر ہو۔ (ترغیب)

کہ یہ لوگ اپنی شستہ تقریر و تحریر سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کر گمراہ کرتے ہیں اور دین کے ہر جز کا، استہزاء و مذاق کرتے ہیں حالانکہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں دین کے اجزا کے متعلق بھی ہر فن کے خواص کو ممتاز فرما دیا تھا چناں چہ ایک مرتبہ جابیہ میں خطبہ (وعظ) فرمایا جس میں یہ اعلان فرمایا کہ جو شخص کلام اللہ شریف کے متعلق کوئی بات معلوم کرنا چاہے وہ ابی بن کعب کے پاس جائے اور جس شخص کو فرائض کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو وہ زید بن ثابت کے پاس جائے اور جس شخص کو فقہ کا کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے، البتہ جس شخص کو (بیت المال سے) کچھ مال طلب کرنا ہو وہ میرے پاس آئے کہ مجھے اللہ نے والی اور مال کی تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔ (مجمع الزوائد)

اور پھر حضرات تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں تو، ہر شعبہ کی مستقل جماعتیں قائم ہوگئیں تھیں، محدثین کی جماعت علیحدہ، فقہا کی علیحدہ، مفسرین کا گروہ مستقل، واعظین مستقل، صوفیہ مستقل، لیکن ہمارے زمانہ میں ہر شخص اس قدر جامع الاوصاف اور کامل مکمل بننا چاہتا ہے کہ وہ معمولی سی عربی عبارت لکھنے لگے، بلکہ صرف اردو کی عبارت دلچسپ لکھنے لگے، یا تقریر برجستہ کرنے لگے تو پھر وہ تصوف میں مستقل اہل الرائے ہے، فقہ میں مستقل مجتہد ہے، قرآن پاک کی

أخرجه البزار (الكشف ١٧٠) والطبراني في الكبير (١٨/رقم ٥٩٣) عن عمران بن الحصين قال الهيثمي في المجمع (١/١٨٧) رجاله رجال الصحيح.

أخرجه الحاكم (٣/٢٧١) وصححه ووافقه الذهبي وصححه ابن حجر أيضا في الفتح (١٢٦/٧)

تفسیر میں جو نئی سے نئی بات دل چاہے گھڑے، نہ اس کا پابند کہ سلف کا یہ قول ہے یا نہیں، نہ اس کی پروا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس کی نفی تو نہیں کرتے، وہ دین میں، مذہب میں جو چاہے کہے، جو منہ میں آئے بکے، کیا مجال ہے کہ کوئی شخص اس پر نکیر کر سکے، یا اس کی گمراہی کو واضح کر سکے، جو یہ کہے کہ یہ بات اسلاف کے خلاف ہے، وہ لکیر کا فقیر ہے، تنگ نظر ہے، پست خیال ہے، تحقیقات عجیبہ سے عاری ہے، لیکن جو یہ کہے کہ آج تک جتنے اکابر نے، اسلاف نے جو کچھ کہا، وہ سب غلط ہے اور دین کے بارے میں نئی نئی باتیں نکالے وہ دین کا محقق ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہے، اگر وہ صحیح بھی ہو، تب بھی اس نے خطا کی۔ (مجمع الزوائد)

مگر یہ لوگ قرآن پاک کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر، نئی بات پیدا کرتے ہیں۔

اور صریح ظلم یہ ہے کہ علماء کو ہر شخص مشورہ دیتا ہے کہ وہ تفریق نہ کریں، تفسیق نہ کریں، تکفیر نہ کریں، لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ روشن دماغ دین کی حدود سے نہ نکلیں، یہ نبوت کا انکار کر دیں، یہ قرآن وحدیث کا انکار کر دیں، یہ نماز روزہ کو لغو بتادیں، یہ حضور کی شان میں گستاخیاں کریں، صحابہ کرام کو گالیاں دیں، ائمہ مجتہدین کو گمراہ بتادیں، فقہ اور حدیث کو ناقابل عمل بتادیں، دین کے ہر ہر جز سے انکار کریں، دین کی ہر بات کا استہزاء اور مذاق اڑائیں، لیکن یہ پھر بھی مسلمان رہتے ہیں، پکے دین دار رہتے ہیں اور جو ان کے خلاف آواز اٹھائے، وہ دین کا دشمن ہے، مسلمانوں کا بدخواہ ہے، وہ کافر بنانے والا ہے، حالاں کہ اگر غور کیا جائے، تو علماء کافر نہیں بناتے ہیں، اس لئے کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کر دے، وہ اپنی رضا اور رغبت اور اپنی روشن خیالی یا اپنے جہل سے کافر تو خود ہی بن چکا ہے، خواہ اس کو کوئی کافر بتائے یا نہ بتائے، اور اگر وہ اب تک کافر نہیں بنا تو کسی کے کافر بتانے سے کافر نہیں بنتا اور اگر بن چکا ہے تو کسی کے کافر نہ بتانے سے مسلمان نہیں رہ سکتا، اگر غور سے دیکھا جائے تو کافر بتانے والے کا تو احسان ہے کہ وہ اس پر تنبیہ کر رہا ہے متنبہ کر رہا ہے، کہ جو چیز تم نے اختیار کی ہے، وہ اسلام سے

أخرجه أبوداود (العلم/الكلام في كتاب الله بلاعلم ٣٦٥٢) والترمذى (تفسير القرآن/ماجاء في الذى يفسر القرآن برأيه ٢٩٥٢) والنسائى في الكبرى (١٦٧٢/٣) عن جندب رضي الله عنه قلنا: رقم له السيوطى بالحسن، وقال المناوي في الفيض (١٩١/٦): رمز المؤلف لحسنه ولعله لاعتضاده، والا ففيه سهيل بن عبيد الله بن أبي حزم، تكلم فيه أحمد، والبخارى، والنسائى وغيرهم انتهىٰ وقال الحافظ في التقريب: ضعيف.

نکال دینے والی چیز ہے، اور کفر میں داخل کر دینے والی چیز ہے، اگر دین کی فکر ہے، تو اس تنبیہ پر متنبہ ہونا چاہئے، کہنے والے کے قول پر اعتماد نہیں، تو خود تحقیق کر لینا چاہئے، کہ کہنے والے کا قول صحیح ہے، یا غلط ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ غلط ہوگا اور مجھے اس سے بھی انکار نہیں، کہ بعض اوقات غلط بھی ہوتا ہے، لیکن یہ بھی صحیح نہیں کہ ہمیشہ ہی غلط ہوتا ہے، اس لئے یہ نظریہ کہ مغربی تعلیم کے زیر اثر، یا دین سے ناواقفیت کے سبب کہنے والا جو چاہے کہہ گذرے، اس کو ہرگز کافر نہ کہا جائے، دنیا کے ساتھ خیر خواہی نہیں، یہ ناواقفوں کو اوران لوگوں کو جو ناواقفیت سے اس آفت میں مبتلا ہوجانے والے ہیں، کافر بنانا ہے، اس لئے حقیقت میں کافر بنانے والے وہ لوگ ہیں، جو یہ چاہتے ہیں کہ کفر کی باتوں پر تنبیہ نہ کی جائے، ان کو واضح اور ظاہر نہ کیا جائے، لوگوں کا یہ خیال کہ کفر آج کل ایسا سستا ہوگیا ہے، کہ ہر شخص کافر ہے، اوراس خیال سے کفریات سے متاثر نہ ہونا، یہ خود دین سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد سے، فقہائے امت کے اقوال سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

آنے والے فتنے اور کفر کی ارزانی کا اعتراض

بلاتردد آج کل جہالت کی وجہ سے کفر بہت سستا ہے، کفریات کا علم لوگوں کو ہے نہیں، اس لئے ان میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خود ہی صاف طور سے اس پر دال ہیں کہ کفر بہت سستا ہوجائے گا، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ (نیک) اعمال میں جلدی کرو، مبادا (وہ وقت آجائے جس میں) ایسے فتنے واقع ہوں، جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں (کہ حق ناحق کا پہچاننا مشکل ہوجائے) ان میں صبح کو آدمی مسلمان ہوگا، شام کو کافر ہوگا، شام کو مسلمان ہوگا، صبح کو کافر ہوگا، معمولی سے دنیوی نفع کے عوض دین کو فروخت کر دیگا۔[*]

(مشکوۃ بروایۃ مسلم)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک فتنہ ایسا آنے والا ہے، کہ ہر طرف سے جہنم کی طرف

[*] أخرجه مسلم (الايمان/الحث على المبادرة بالأعمال قبل تظاهر الفتن رقم ۱۱۸) والترمذی (الفتن/ماجاء ستكون فتنة كقطع الليل المظلم ۲۱۹۵) واحمد (۲/۳۰۴) عن أبي هريرة رضي الله عنه وقال الترمذي: حسن صحيح.

لے جانے والے بلا رہے ہوں گے۔ (مشکوۃ بروایۃ ابی داود)

ایک حدیث میں ارشاد ہے عنقریب ایسے فتنے آنے والے ہیں کہ ان میں آدمی صبح کو مومن ہوگا، شام کو کافر، مگر وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہ علم کی بدولت زندہ رکھے۔ (دارمی)

علم کی بدولت زندہ رکھنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ وہ کفر وایمان کی حدود سے واقف ہو، وہ اس چیز کو جانتا ہو کہ کس چیز سے آدمی مسلمان بنتا ہے اور کس بات سے کافر ہوجاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے قریب ایسے سخت (پریشان کن) فتنے ہوں گے، جیسا اندھیری رات کے ٹکڑے، صبح کو آدمی ان میں مسلمان ہوگا، شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا، صبح کو کافر، ان میں بیٹھنے والا آدمی کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے، اس وقت اپنے گھروں کی ٹاٹ بن جانا (یعنی ٹاٹ کی طرح گھر کے ایک کونے میں پڑے رہنا) (مشکوۃ بروایۃ ابی داوٗد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک ایسا سیاہ فتنہ آنے والا ہے، جس کے اثر سے اس امت کا کوئی بھی آدمی نہ بچے گا، جب یہ سمجھا جائے کہ اب ختم ہوگیا، پھر کوئی اور شاخ نکل آئے گی، صبح کو آدمی اس میں مسلمان ہوگا، شام کو کافر ہوگا، شام کو مسلمان ہوگا، صبح کو کافر، حتی کہ دو جماعتیں ایسی بن جائیں گی کہ ایک جماعت خالص مسلمانوں کی جن میں ذرا بھی نفاق نہ ہوگا، ایک خالص منافقوں کی، جن میں ذرا بھی ایمان نہ ہوگا، اس وقت دجال کا ظہور ہوگا۔ (مشکوٰۃ بروایۃ ابی داوٗد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ

أخرجه البخاري (الفتن/كيف الأمر اذا لم تكن جماعة ٧٠٨٤) ومسلم (الامارة/ وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن ١٨٤٧) وأبوداود (الفتن/ذكر الفتن ودلائلها ٤٢٤٦) عن حذيفة رضي الله عنه، مطولاً وفيه: "فتنة عمياء صماء عليها دعاة على أبواب النار"

أخرجه ابن ماجه (الفتن/مايكون من الفتن ٣٩٥٤) والدارمي (المقدمة/فضل العلم والعالم ٣٣٨) عن أبي أمامة رضي الله عنه، وقال البوصيري اسناده ضعيف.

أخرجه أحمد (٤٠٨/٤) وأبوداود (الفتن/النهي عن السعي في الفتنة ٤٢٦٢) والحاكم (٤٤٠/٤) عن أبي موسىٰ وقال الحاكم: صحيح الاسناد وسكت الذهبي.

أخرجه أبوداود (الفتن/ذكر الفتن ودلائلها، رقم ٤٢٤٢) وأحمد (١٣٣/٢) والحاكم (٤٦٤/٤) عن ابن عمر رضي الله عنهما، وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

اسلام میں فوجیں داخل ہورہی ہیں، لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اسی طرح فوجیں کی فوجیں اسلام سے خارج ہونے لگیں گی۔ (در منثور بروایة الحاکم وصححه عن أبي هريرة، وبرواية ابن مردويه عن جابر اهـ قلت: صححه الحاكم واقره عليه الذهبي، دارمي، مجمع الزوائد)

آخر یہ کفر کی ارزانی مولویوں کی پیدا کی ہوئی تو نہیں ہے، یہ تو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہی ارشاد فرما گئے، ایسی صورت وحالت میں کیا یہ ضروری نہیں کہ دین کے باب میں نہایت احتیاط سے کام لیا جائے، محض یہ کہہ دینے سے کہ فلاں جماعت فلاں کو کافر کہتی ہے، فلاں جماعت فلاں کو کافر کہتی ہے، اس لئے اب کسی کا بھی اعتبار نہیں، ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس صورت میں ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس لئے کہ اس حالت میں خود اپنے اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کہ جن وجوہ سے ایک جماعت دوسری جماعت کو کافر کہتی ہے، ان وجوہ کو علم دین سے تحقیق کیا جائے، کہ ان امور سے واقع میں کفر ہوجاتا ہے، یا نہیں اگر واقع میں کفر ہوجاتا ہے، تو ان سے اپنے کو، اور دوسروں کو بچانا، خود اپنی ذمہ داری بن جاتی ہے، صرف کوئی مزاحیہ فقرہ کہہ دینے سے، یا اس بات کے کہہ دینے سے کہ آج کل کفر بہت سستا ہے، خلاصی نہیں ہوتی، جس امر کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حتمی فیصلہ نافذ ہوچکا ہے، اس کے انکار کرنے سے، یا اس کا مذاق اڑانے اور استہزا کرنے سے، دین جیسا باقی رہ سکتا ہے کلام اللہ شریف اس کا فیصلہ خود ہی کرچکا ہے، اور ایک جگہ نہیں جگہ جگہ وارد ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

”فَلاَ وَرَبِّکَ لاَیُوْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَیَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا“. (سورہ نساء رکوع ۹)

پس قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے، جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا ہو، اس میں یہ لوگ آپ سے (اور آپ نہ ہوں تو آپ کی شریعت سے) تصفیہ کرائیں، پھر اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکار کی) تنگی نہ پاویں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں۔ (بیان القرآن)

أخرجه الحاكم (۴۹۶/۴) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وصححه، ووافقه الذهبي، وأخرج نحوه أحمد (۳۴۳/۳) عن جابر رضي الله عنه قال الهيثمي في المجمع (۲۸۱/۷): رواه أحمد، وجار لجابر لم أعرفه وبقية رجاله رجال الصحيح اهـ وسقط لفظ "جار" من المطبوع.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد احادیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی دلی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو، جو میں لے کر آیا ہوں۔[*]

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، قُلْ أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْل فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰه لَايُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ". (سورہ آل عمران رکوع ۴)

آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے (بزعم خود) محبت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو (کیوں کہ میں خاص اسی تعلیم کے لئے مبعوث ہوا ہوں، جب ایسا کروگے) تو حق تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے، اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے، بڑے عنایت فرمانے والے ہیں، اور آپ یہ (بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور رسول کی، پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ (آپ کی اطاعت سے کہ ادنیٰ اس کا اعتقاد رسالت ہے) اعراض کریں تو (وہ لوگ سن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتے۔

(ماخوذ از بیان القرآن)

عَنْ أَبِىْ رَافِعٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيْكَةٍ يَّاتِيْهِ اَمْرٌ مِنْ أَمْرِىْ، مِمَّا أَمَرْتُ بِهٖ أَوْ نَهِيْتُ عَنْهُ، فَيَقُوْلُ: لَانَدْرِىْ، مَاوَجَدْنَا فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ" (رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَاَبُوْداوٗدَ، وَالتِّرْمِذِىْ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ حَبَّانَ وَالْحَاكِمُ كَذَا فِىْ الدُّرِّ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ پاؤں کہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوا اور اس کے پاس میرا کوئی حکم پہنچے، جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا ہو، یا نہ کرنے کا اور وہ یہ کہہ دے کہ ہم نہیں جانتے، ہم تو جو قرآن شریف میں ہوگا اسی پر عمل

[*] أخرجه البغوى في شرح السنة (۱/۱۸۵ رقم ۱۰۴) والخطيب في التاريخ (۲۵۵۴ ترجمة أحمد بن محمد الاسفرائينى) عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما، قال النووى في "الأربعين" (۱۴): حديث صحيح، رويناه في كتاب الحجة باسناد صحيح اهـ، ونازعه ابن رجب في "جامع العلوم والحكم" (۳۹۴) وقال: "ان تصحيحه بعيد، لانفراد نعيم به، وهو ضعيف لكثرة روايته المناكير، وقد اختلف في اسناده، كما أن عقبة بن أوس مجهول ملخصًا . اهـ

کریں گے۔

اس قسم کا مضمون کئی احادیث میں آیا ہے، جس میں ان لوگوں پر رد کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عمل کے لئے صرف قرآن شریف کافی ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مجھ کو قرآن شریف دیا گیا ہے اور اس جیسے دوسرے احکام بھی دیئے گئے ہیں، عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ایک شکم سیر آدمی اپنی مسند پر بیٹھ کر کہے گا کہ بس عمل کے لئے اس قرآن شریف کو پکڑ لو، جو اس میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو، حالاں کہ اللہ کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز ایسی ہی ہے جیسا کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز ہے۔ (مشکوۃ)

ان حدیثوں میں شکم سیر اور مسند پر بیٹھنے کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ایسے لغو اقوال، پیسہ ہی سے نظر آتے ہیں، چار پیسے پاس ہوں، تو دین میں اصلاح کی تجویزیں خوب سمجھ میں آتی ہیں اور غربت میں ایسی باتیں دل میں بھی نہیں آتیں، اللہ کا خوف غالب رہتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ ہم حضر کی نماز اور خوف کی نماز تو قرآن شریف میں پاتے ہیں؛ لیکن سفر کی نماز قرآن شریف میں نہیں پاتے، انہوں نے فرمایا بھتیجے! اللہ جل شانہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور ہم کچھ نہیں جانتے تھے، اس لئے جو ہم نے ان کو کرتے دیکھا وہی کرتے رہیں گے۔ (شفا)

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ لوگ تم سے قرآن شریف کی آیتوں سے جھگڑا کریں گے، تو احادیث سے ان کا جواب دینا کہ احادیث والے کتاب اللہ سے زیادہ واقف ہیں۔ (شفا)

امام زہری جو اکابر علماء میں سے ہیں اور مشہور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سے پہلے علماء (یعنی صحابہ کرامؓ) سے سنا ہے کہ سنت (یعنی حضور کے طریقہ) کو مضبوط پکڑنے میں

أخرجه أبوداود (السنة/ في لزوم السنة ۴۶۰۵) والترمذی (العلم/ماینهی عنه، رقم ۲۶۶۳) وابن ماجه (السنة ۱۳) وأحمد (۶/ ۱۰) والحاکم (۱/ ۱۰۸) عن أبي رافع رضي الله عنه، وقال الترمذي: حسن صحيح، قلنا: ولم نجده في صحيح ابن حبان مع بذل الجهد المستطاع والله اعلم.

أخرجه أبوداود (السنة/في لزوم السنة ۴۶۰۴) وأحمد (۴/ ۱۳۱) وابن حبان في صحيحه (۱۲) عن المقدام معديكرب رضي الله عنه مطولاً ومختصراً.

كتاب الشفاء للقاضی عياض (۲/ ۱۱) مطبوعة عثمانية.

الشفاء (القسم الثانی ۲/ ۱۱)

نجات ہے اور علم بہت جلد اٹھ جانے والا ہے، علم کی قوت میں دین اور دنیا کا ثبات ہے اور علم کے جاتے رہنے میں اس سب کی اضاعت ہے۔

عبداللہ دیلمی- جو بڑے تابعی ہیں اور بعض نے ان کو صحابی بھی بتایا ہے- فرماتے ہیں کہ مجھے اکابر سے یہ بات پہنچی ہے کہ دین کے جانے کی ابتداء سنت کے چھوٹنے سے ہوگی، ایک ایک سنت اس طرح چھوڑی جائے گی جیسا کہ رسی کا ایک ایک بل اتارا جاتا ہے۔ (دارمی)

حضرت سعید بن جبیر نے ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کی، کسی نے عرض کیا کہ یہ حدیث قرآن پاک کی فلاں آیت کے خلاف ہے، انہوں ے فرمایا کہ میں حضور کا ارشاد نقل کرتا ہوں، تو اس کا قرآن سے مقابلہ کرتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مطلب کو زیادہ سمجھنے والے تھے۔ (دارمی)

یعنی یہ کہ قرآن شریف کے مضامین بسا اوقات مجمل ہوتے ہیں، حدیث اس کی تفسیر ہوتی ہے، اس لئے کسی حدیث کو قرآن شریف کے خلاف کہہ دینے میں جلدی نہ کرنا چاہئے، بہت غور کرنا چاہئے، اور غور کے بعد اگر مخالف ہو تو پھر یہ بھی تحقیق ضروری ہے کہ قرآن شریف کی وہ آیت منسوخ تو نہیں ہے، حدیث کے درجہ میں کمی ثبوت کے اعتبار سے ہے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ایسی ہی سخت ہے جیسی اللہ جل جلالہ کی نافرمانی ہے۔

حق سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے:

"وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ". (س نساء ع ۲)

اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا (یعنی پابندی کو ضروری بھی نہ سمجھے گا اور یہ حالت کفر کی ہے) اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے، اس طرح کہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے (بیان القرآن)۔

أخرجه الدارمي (۱/۳۴ اتباع السنة ۹۶)

المصدر السابق (۹۷)

أخرجه الدارمي في (المقدمة/السنة قاضية على كتاب اللّٰهِ رقم ۵۹۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ''یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضَ وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا'' (سورۂ نساء رکوع ٦)
اس دن (یعنی قیامت کے دن) وہ لوگ جنہوں نے (دنیا میں) کفر کیا ہوگا اور رسول کی نافرمانی کی ہوگی، اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش آج ہم زمین کے پیوند ہوجائیں (کہ اس رسوائی اور مصیبت سے بچ سکیں) اور کسی بات کا بھی (جو جو دنیا میں کیا ہے) اللہ سے اخفا نہ کرسکیں گے۔

ایک جگہ ارشاد ہے ''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ'' (س نساء ع ۹) اور ہم نے تمام رسولوں کو اسی واسطے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے (جو رسولوں کی اطاعت کے بارہ میں وارد ہوا ہے) ان کی فرمانبرداری کی جائے۔

ایک جگہ وارد ہے: ''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَا اَرْسَلْنَاکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا'' (س نساء ع ۱۱) جس شخص نے رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی (وہ اس کو خود بھگتے گا آپ رنج نہ کریں) ہم نے آپ کو ان کا نگراں مقرر کر کے نہیں بھیجا (آپ کا کام سمجھا دینے کا ہے)۔

عمل کے لئے صرف قرآن کافی نہیں
اصل دین اتباع رسول ہے

اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل دین حضور کا اتباع ہے، وہی دین ہے، وہی شریعت ہے، وہی اللہ جل شانہ کی فرماں برداری ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، بالخصوص خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس اتباع سے ذرا سا دور ہونا بھی سخت مشکل اور شاق تھا۔

صحابہ کرام کی دین پر پختگی کا حال

اور ترک صلوٰۃ پر کفر کا فتویٰ

چناں چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کی ابتدا میں جب کہ ہر طرف سے ارتداد کا زور تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور دین پر مر مٹنے والے شخص نے بھی استدعا کی کہ تھوڑی سی نرمی فرمادیں تو حضرت صدیق اکبر نے حضرت عمرؓ کو ڈانٹا اور فرمایا: أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ کیا زمانہ جاہلیت میں متشدد اور زمانہ اسلام میں نامرد بزدل؟

یہ حضرت عمرؓ پر طعن تھا کہ ہمیشہ کی ضرب المثل شجاعت اور بہادری کے بعد یہ بزدلانہ مشورہ اور ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم جو شخص ایک بکری کا بچہ زکوۃ کا حضور کے زمانہ میں دیتا تھا اور اب نہ دے گا اس سے بھی قتال کروں گا۔

بعض حدیثوں میں ہے کہ اگر ایک رسی بھی زکوۃ کی اس وقت دیتا تھا اور اب نہ دے گا تو اس سے قتال کروں گا۔

یہ تھی دین پر پختگی اور دین کا تحفظ، ورنہ ایسے سخت وقت میں جب کہ ارتداد کا اتنا زور ہو، ایک فرض سے تسامح معمولی سی بات تھی، مگر ان حضرات کے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے ذرا سا ہٹنا بھی یقینی طور سے اپنی ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں نے اپنے گھروں میں مسجدیں بنالی ہیں، اگر تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھنے لگو گے اور مسجدوں کو چھوڑ دو گے تو تم حضور کی سنت کو چھوڑ دو گے، اور اگر تم حضور کی سنت کو چھوڑ دو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ (ابوداؤد)

أخرجه الاسماعيلي عن عمر رضي الله عنه والدينوري في المجالسة وأبوالحسن بن بشر ان في فوائده، واللالكائي في السنة عن ضبة بن محصن العنزي، كذا في حياة الصحابة (اهتمام أبي بكر رضي الله عنه بقتال أهل الردة ۲/۲۵) وانظر تاريخ الخميس (۲/۲۲۴)

أخرجه البخاري (الزكاة/ وجوب الزكاة ۱۴۰۰) والنسائي (الجهاد/ وجوب الزكاة رقم ۳۰۹۴) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

أخرجه البخاري (الاعتصام/الاقتداء بسنن النبي صلى الله عليه وسلم ۷۲۸۵) ومسلم (الايمان/الأمر بقتال الناس/۲۰) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

أخرجه أبوداود (الصلاة/التشديد في ترك الجماعة ۵۵۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مسافر کی نماز دو رکعتیں ہیں جو حضور کی سنت کے خلاف کرے وہ کافر ہے۔ (شفا)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا۔

حضرت جابرؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی حضرات صحابہ کرام وتابعین سے یہی نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے دیدہ ودانستہ نماز کے چھوڑنے والے پر کفر کا فتوی دیا ہے، علماء نے تو حقیقت میں تکفیر میں تنگی کی ہے اور بہت احتیاط برتی ہے، کہ انہوں نے دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے ان سب حضرات کے اقوال کو انکار کے ساتھ مقید فرمایا ہے، اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کر دے وہ کافر ہے اور یہ بھی درحقیقت اللہ کا احسان ہے کہ صحابہ میں اس بارہ میں اختلاف ہو گیا تھا، ورنہ اگر خدانخواستہ ان کا یہ اجماعی مسئلہ بن جاتا ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ کافر ہے تو آج تم ہی غور کرو کہ دنیا کا کتنا بڑا حصہ ہے، جو دیدہ ودانستہ نماز نہیں پڑھتا، وہ آج کفر کے گڑھے میں پڑا ہوا ہوتا، بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے، یہ مولویوں کا کام ہے کہ وہ ساری دنیا کو کافر بنادیں، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کلمہ گویوں کو قتل کیا جو ایک رکن شریعت زکوۃ کا انکار کرتے تھے، حضرت دیلم میریؓ فرماتے ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگ ٹھنڈے ملک کے رہنے والے ہیں اور مشقت کے کام بھی بہت کرنا پڑتے ہیں، اس لئے گیہوں کی شراب بنالیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے کام کی مشقت میں قوت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور سردی سے بھی حفاظت رہتی ہے، حضور نے دریافت فرمایا کہ وہ شراب نشہ آور ہوتی ہے، میں نے عرض کیا بیشک نشہ آور تو ہوتی ہے، ارشاد فرمایا کہ اس سے احتراز کرو، میں نے عرض کیا کہ لوگ اس کو چھوڑیں گے نہیں (کیوں کہ عادی بھی ہیں اور ضرورت بھی ہوتی ہے) ارشاد فرمایا کہ اگر وہ نہ

الشفاء للقاضی عیاض (۲/۱۱) مطبوعة عثمانيه.

أخرجه ابن ابی شيبة (۶۳۹۷) و (۳۰۴۲۷) عن علي موقوفاً.

أخرجه محمد بن نصر المروزی وابن عبدالبر موقوفاً، كما في الترغيب والترهيب (۱/۲۱۷)

أخرجه ابن عبدالبر موقوفاً كما في الترغيب. (۱/۲۱۷)

چھوڑیں تو ان سے قتال کرو۔ (ابوداؤد)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ امانت کا ذکر فرمایا کہ آہستہ آہستہ کم ہوتی جائے گی، یہاں تک نوبت آجائے گی کہ یوں کہا جائے فلاں قوم میں ہے ایک شخص جو امانت دار ہے، آدمی کی تعریف یہ رہ جائے گی کہ فلاں شخص بڑا سمجھ دار ہے، بڑا ظریف اور خوش مزاج ہے، کیسا بہادر آدمی ہے، لیکن رائی کے دانہ کے برابر بھی اس میں ایمان نہ ہوگا۔ (مشکوۃ)

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا اور منجملہ ان کے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو گمراہیوں کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ (مشکوۃ)

حضورؐ کا فیصلہ نہ ماننے والے کے ساتھ حضرت عمرؓ کا طرز عمل

دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قصہ پہنچا، حضور نے ایک شخص کے حق میں فیصلہ فرما دیا، جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے درخواست کی کہ اس قصہ کو عمرؓ کے سپرد فرما دیجئے، حضور نے قبول فرمالیا، حضرت عمرؓ کے یہاں قصہ پہنچا اور پورا واقعہ معلوم ہوا، مکان میں تشریف لے گئے اور تلوار نکال کر اس شخص کو قتل کر دیا جو ان کے یہاں مرافعہ لے کر گیا تھا، اور فرمایا کہ جو شخص حضور کے فیصلہ کو قبول نہ کرے اس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے۔ (در)

أخرجه أبوداود (الأشربة/ ماجاء في السكر ۳۶۸۳) وأحمد (۴/۲/۳۳۲) وقال المنذري في المختصر (۳/۲۲/۴): "في اسناده محمد بن اسحاق، وقد تقدم الكلام عليه: قلنا: وقد تابعه عبدالحميد بن جعفر عند أحمد وهو من رجال مسلم، وروى له تعليقاً.

أخرجه البخاري (الرقاق/رفع الامانة رقم ۶۴۹۷) ومسلم (الايمان/رفع الأمانة (۱۴۳) عن حذيفة رضي الله عنه.

أخرجه أحمد (۵/۴۰۳) والطيالسي (۴۴۳) عن حذيفة وأخرج نحوه البخاري ومسلم وتقدم تخريجه (ص: ۱۶۱)

أخرجه ابن ابي حاتم وابن مردويه، والحافظ دحيم في تفسيره والحكيم الترمذي في نوادر الأصول من طرق مرسلاً كذا في الدر المنثور (۲/۳۲۲ في تفسير قوله تعالىٰ: فلاوربک لايومنون الآية) وابن كثير في تفسيره (۱/۴۷۲)

لیکن آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے، آج حضور کے کتنے ارشادات کے خلاف طبع آزمائی ہو رہی ہے، حضور کی کتنی سنتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، حضور کے زوردار احکام کی کس بے دردی سے مخالفت کی جا رہی ہے، ایک دو ہوتو کوئی گنوا دے، داڑھی اور استنجے کا ذکر نہیں، شراب اور سود کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے، نماز اور زکوۃ کا کیا حشر ہے، روزہ اور حج کے ساتھ کیا برتاؤ ہے، اور پھر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ جن صاحب کو حضرت عمرؓ نے قتل کیا تھا، وہ کلمہ گو بھی تھے، اور اہل قبلہ بھی، مگر آج کسی کلمہ گو کے خلاف کوئی بات قابل سماعت نہیں ہے، وہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور جو چاہے کرے۔

''لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ والكِتَاب وَالنَّبِيِّيْنَ، وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ، وَاَقَامَ الصَّلٰوة، وَآتَى الزَّكٰوةَ، وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا، وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَاسِ، أُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا، وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (پ۲ بقرہ ۲۲)

برّ (یعنی نیکی اور کمال) یہی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف، بلکہ نیک وہ شخص ہے، جو ایمان لائے اللہ پر (یعنی اس کی ذات وصفات پر) اور ایمان لائے آخرت پر، اور انبیاء پر، اور مال دیتا ہو باوجود اس کی محبت کے، رشتہ داروں کو، اور یتیموں کو، اور مسکینوں کو، اور مسافروں کو، اور سوال کرنے والوں کو، اور خرچ کرے گردنوں کے چھڑانے میں (یعنی قیدیوں کے چھڑانے میں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں) اور قائم کرے نماز کو، اور ادا کرے زکوۃ کو، اور جو لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب کوئی (جائز) معاہدہ کر لیں، اور جو لوگ صبر کرنے والے ہوں تنگی اور تکلیف میں، اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں، اور یہی لوگ متقی ہیں۔

عدم تکفیر اہل قبلہ اور اہل قبلہ کی تعریف

حضرت امام اعظمؒ سے بھی یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے: ''لَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ'' ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، لیکن کیا نعوذ باللہ امام صاحب کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ جو قبلہ کی جانب رہنے والے ہیں، خواہ مشرک ہوں، یا کافر، کسی کی بھی تکفیر نہیں کرتے، یا

خدانخواستہ یہ مطلب ہے کہ جوقبلہ کی طرف منہ کر کے کوئی بات کہے یا بیت اللہ کوقبلہ مانتا ہو، یا قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو، پھر وہ چاہے کوئی بھی کام کرے بت پرستی کرے، یا کفریات بکے، ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے، اگر یہی مطلب امام صاحبؒ کا تھا تو پھر انہوں نے جہنم کو ''أُخْرُجْ عَنِّي يَا كَافِرُ'' (اکفار) او کافر میرے پاس سے چلا جا۔ کیوں فرمایا؟ یہ ایک بدعتی گمراہ شخص تھا جو ایک فرقہ کا بانی ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں، کہ میرا حضرت امام اعظمؒ سے چھ مہینہ مناظرہ رہا، آخر ہم دونوں کی رائے اس پر متفق ہوگئی کہ جو قرآن شریف کو مخلوق کہے وہ کافر ہے (اکفار) کیا قرآن شریف کو مخلوق کہنے والے اہل قبلہ نہ تھے، نماز نہیں پڑھتے تھے، روزہ نہیں رکھتے تھے، کلمہ نہیں پڑھتے تھے، اسی طرح روافض کا وہ فرقہ جو یہ کہتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وحی میں غلطی ہوگئی اور بجائے حضرت علیؓ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی پہنچا گئے کیا وہ کلمہ گو نہیں ہے، یا اپنے کو مسلمان نہیں کہتا، یا قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا، کیا قرامطہ کے کفر میں کوئی تردد ہے، جو غسل جنابت کا انکار کرتے ہیں، شراب کو حلال بتاتے ہیں، سال میں صرف دو روزے فرض بتاتے ہیں، اذان میں محمد بن الحنفیہ رسول اللہ کا اضافہ کرتے ہیں۔ (اشاعۃ) اوران کے علاوہ بہت سے اموران کے مذہب میں ہیں، اوراس سب کے باوجود اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، علماء نے تصریح کی ہے اور ایک دو نے نہیں سیکڑوں نے اس کی تصریح کی ہے، کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار نہ کریں۔

علامہ شامی نے لکھا ہے: ''لَاخِلَافَ فِيْ كُفْرِ الْمُخَالِفِ فِي ضُرُوْرِيَاتِ الْإِسْلَامِ وَإِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ الْمواظِبِ طُوْلَ عُمْرِهِ عَلى الطَّاعَاتِ''. اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص ضروریات دین میں مخالف ہو وہ کافر ہے، اگر چہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور عمر بھر عبادت کا اہتمام کرتا رہے''اکفار الملحدین'' میں ''نبراس'' سے نقل کیا ہے:

''أهل القِبْلَةِ فِيْ اصطلاحِ المُتَكَلِّمِيْن من صدَّق بضروريَّاتِ الدِّين أى الأمور التى علم ثبوتها في الشرع واشتهر، فمن أنكر شيئًا من الضروريات، كحدوث العالم، وحشر الأجساد، وفرضية الصلاة والصوم، لم يكن من أهل القبلة، ولو كان مجاهدا بالطاعات، وكذلک من باشر شيئًا من أمارات التكذيب، كسجود الصنم، والاهانة بأمر شرعي والاستهزاء عليه، فليس من أهل القبلة، ومعنى تكفير أهل القبلة أن لايكفر بارتكاب المعاصى، ولا بانكار

الأمور الخفية غير المشهورة، هذا ما حققه المحققون فاحفظه" (۱) (اكفار الملحدين (ص ۱۳) المجلس العلمي)

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو ضروریاتِ دین کا اقرار کرتا ہو، یعنی ایسے امور کا جن کا شریعت میں ثبوت معلوم ومعروف ہے، جیسا کہ عالم کا حادث ہونا، قیامت میں بدن سمیت حشر ہونا، نماز، روزہ کی فرضیت وغیرہ وغیرہ، بس جو شخص ایسی چیزوں کا انکار کرے گا وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے، چاہے وہ عبادات میں کتنی ہی کوشش کرے، اسی طرح سے جس شخص میں علاماتِ تکذیب پائی جائیں جیسا کہ بت کو سجدہ کرنا، یا کسی امر شرعی کی اہانت کرنا، یا اس کا مذاق اڑانا، وہ بھی اہل قبلہ میں سے نہیں ہے، علماء کے اس ارشاد کا مطلب کہ ''اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے یہ ہے کہ کسی گناہ کے کرنے سے کافر نہیں بتاتے اور اسی طرح ایسے امور کے انکار سے جو شریعت میں غیر معروف ہیں'' یہ ہے محققین کی تحقیق، اس کو خوب محفوظ رکھو۔

درحقیقت امام صاحب یا دوسرے حضرات سے جو یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتے، یا اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے، وہ خوارج کے مقابلہ میں ہے جو ہر حرام کے کرنے سے کافر بتاتے ہیں، یا ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو غیر معروف کا انکار کرتے ہیں، خود امام محمدؒ نے ''سیر کبیر'' میں ارشاد فرمایا ہے: مَنْ أَنْكَرَ شَيْئًا مِّنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ فَقَدْ أَبْطَلَ قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' جو شخص شرائع اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کردے، اس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کو باطل کردیا۔ اور اگر یہی بات ہو کہ کلمہ پڑھنے کے بعد آدمی آزاد ہے جو چاہے کرے یا جو چاہے بکے تو پھر اللہ جل جلالہ کے ارشاد میں یہود کی مذمت ہے بے محل ہو جائے گی۔

''أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ''. (سورۂ بقرہ رکوع ۱۰)

''کیا پس ایمان لاتے ہو تم کتاب اللہ کے بعض حصہ پر اور بعض پر ایمان نہیں لاتے، پس نہیں ہے بدلہ اس شخص کا جو ایسی حرکت کرے، بجز اس کے کہ دنیوی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن ایسے لوگ سخت عذاب میں ڈال دیئے جاویں، اور اللہ جل شانہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہیں''۔

شرح السیر (۴/۳۶۵) ط: حیدر آباد)

اسلام حتماً اور قطعاً وہی معتبر ہے جو اپنے تمام ضروری احکام کے ساتھ ہو، کوئی جز بھی اس میں سے خارج نہ ہو، ان اہل کتاب کی تردید فرماتے ہوئے جو اسلام لانے کے بعد تورات کے بعض احکام پر عمل کی خواہش رکھتے تھے اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے:

''يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَّلَاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُو مُّبِيْنٌ، فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَاجَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتِ فَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ''. (سورہ بقرہ رکوع ۲۵)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، وہ حقیقت میں تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، پس اگر تم ان واضح دلائل کے بعد بھی لغزش میں پڑ جاؤ تو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ شانہ زبردست ہیں (جو چاہیں سزا دیں) اور حکمت والے ہیں (کہ جب مصلحت سمجھیں سزا دیں)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل کتاب ایمان لانے کے بعد تورات کے بعض احکام پر عمل کرنے کے خواہش مند تھے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرائع میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور کوئی چیز اس میں سے چھوڑو نہیں۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ بعض مسلمان اہل کتاب نے تورات کے موافق شنبہ کی تعظیم کی درخواست کی تھی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سا برتاؤ فرماتے تھے، اور آج مسلمانوں کو بھی کافر کہا جاتا ہے، یہ صحیح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں منافقین کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سا برتاؤ فرمایا تھا، لیکن کیا قرآن پاک کی آیت: ''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاوٰهُمْ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ''. (سورہ توبہ رکوع ۱۰) اور اس جیسی آیات کے بعد بھی یہی معاملہ رہا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوئے، اور ایک ایک منافق کا نام لے کر مجلس سے نکال دیا، حضرت عمرؓ اس وقت تشرف فرما نہ تھے، وہ آئے تو

أخرجه ابن ابی حاتم في تفسيره (كذا في الدر المنثور ۱/۴۳۳ البقرة رقم الآية ۲۰۸)

أخرجه ابن جرير كما في الدر المنثور (۱/۴۳۳ البقرة رقم الآية ۲۰۸)

ایک شخص نے ان کو مژدہ سنایا کہ آج اللہ نے منافقوں کو رسوا فرمایا۔

حضرت ابومسعود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نے وعظ فرمایا اور ایسا وعظ کہ ہم نے ویسا نہیں سنا اور ارشاد فرمایا کہ میں جن جن کا نام لیتا جاؤں وہ اٹھ جائیں اور چھتیس آدمیوں کو نکال دیا۔ (درمنثور)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ نفاق حضور کے زمانہ میں تھا، آج کفر ہے یا اسلام۔ (بخاری)

اہل شام کے چند افراد نے شراب پی، حضرت یزید بن ابی سفیان اس وقت شام کے حاکم تھے انہوں نے مواخذہ فرمایا، ان لوگوں نے عرض کیا کہ یہ حلال ہے اور قرآن شریف کی آیت: "لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا" الآية (س مائدہ ع ۱۲) سے استدلال کیا، حضرت یزید نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ واقعہ لکھا، حضرت عمرؓ نے تحریر فرمایا: کہ میرا یہ خط اگر دن میں پہنچے تو رات کا انتظار نہ کرو، اور رات کو پہنچے تو دن کا انتظار نہ کرو، ان لوگوں کو قبل ازیں کہ دوسروں کو گمراہ کریں، فوراً میرے پاس بھیج دو، وہ لوگ فوراً حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجے گئے، صحابہ کرام سے مشورہ کیا گیا صحابہ نے فرمایا: کہ ان لوگوں نے دین میں ایسی چیز اختیار کی ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی، اس لئے ان کی گردن اڑا دی جائے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش رہے، حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا تم بھی اپنی رائے ظاہر کرو، انہوں نے عرض کیا کہ ان سے استفسار کیا جائے، اگر انہوں نے حلال سمجھ کر پی ہے تب تو قتل کر دیا جائے، کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو حلال کیا جس کو اللہ جل شانہ نے حرام فرمایا ہے، اور اگر ان لوگوں نے حرام سمجھ کر پی ہے تو اسّی اسّی کوڑے لگائے جائیں۔ (درمنثور)

اے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کفار سے (ہتھیار سے) اور منافقوں سے (زبان سے) جہاد کیجئے اور سختی کیجئے، (دنیا میں تو یہ ہے، اور آخرت میں) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بری جگہ ہے۔ (٣) أخرجه الطبراني في الأوسط (٧٩٢) وابن جرير، وابن أبي حاتم، وابوالشيخ وابن مردويه، عن ابن عباس رضي الله عنهما، كذا في الدر المنثور (٣/٤٨٦ تفسير قوله تعالىٰ ومن حولكم الاية) وقال الهيثمي في المجمع (٧/٣٤): رواه الطبراني في الاوسط وفيه الحسين بن عمرو بن محمد العنقزى، وهو ضعيف.

أخرجه ابن مردويه عن أبي مسعود الأنصاری كذا في الدر المنثور (٣/٤٨٧) التوبة رقم الآية ١٠١)

أخرجه البخاری (الفتن/اذا قال عند قوم شيئًا ثم خرج فقال بخافه......... رقم ٧١١٤) عن حذيفة رضي الله عنه.

أخرجه ابن أبي شيبة وابن المنذر عن معارب بن دثار، كذا في الدر المنثور (المائدة/رقم الآية: ٣٩/٢/٥٦٨)

کیا یہ لوگ کلمہ گو نہ تھے، یا اہل قبلہ نہ تھے کہ صرف ایک شراب کو حلال سمجھنے کی وجہ سے ان سب حضرات نے متفقہ فیصلہ ان کے قتل کا فرما دیا، خیر القرون کے بیسیوں واقعات اس کی تائید میں ہیں کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک جز کا انکار بھی کفر وارتداد ہے، یہاں نہ ان کی تفصیل کا موقع نہ گنجائش، مجھے صرف اس پر متنبہ کرنا ہے کہ جولوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں نہیں کرتے، خواہ وہ کچھ ہی کرے یا کچھ ہی کہے یہ علماء کا کام ہے کہ وہ کافر بتاتے پھریں، کہنے والے خواہ طعن سے کہتے ہوں مگر یہ صحیح ہے کہ صرف علماء کا کام ہے، غیر عالم نہ بتا سکتا ہے کہ کیا چیز کفر کی ہے، نہ سمجھ سکتا البتہ یہ ضروری ہے، بلا کسی شرعی حجت کے کسی شخص کو کافر کہنا ناجائز اور حرام ہے، جیسا کہ میں اس خط کے ۳ کے سلسلہ میں لکھ چکا ہوں، یہ مضمون طبعاً درمیان میں آ گیا تھا، میں یہ لکھ رہا تھا کہ علماء پر سب وشتم کرنے والے ان امور کا بھی لحاظ کریں۔

ذاتی اوصاف وکمالات اور تبحر علمی دو مستقل الگ الگ چیزیں ہیں

اس سلسلہ میں چوتھی بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ذاتی اوصاف، ذاتی کمالات، طبعی اخلاق ایک مستقل جوہر ہے، اور علمی غور وخوض علمی تبحر علمی کمال ایک مستقل کمال ہے، مستقل فن ہے، ان دونوں کو آپس میں خلط کر دینا، ان دونوں میں تلازم سمجھنا غلطی ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جو علمی دریا میں غوطہ زن ہو وہ ذاتی کمالات اور محاسن اخلاق میں بھی کمال کا درجہ رکھتا ہو اگر یہ بات ہوتی تو ہر عالم شیخ وقت ہوتا، حضرات صوفیاء کرام کو درستی اخلاق کے لئے مستقل خانقاہوں کی ضرورت نہ پڑتی، مشائخ طریقت کو اس کے لئے مجاہدات کرانے نہ پڑتے۔

صحابہ کرامؓ میں جامعیت کی شان تھی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حق تعالیٰ شانہ نے جامعیت کی شان عطا فرمائی تھی، اور اس قلیل جماعت کے لیے اس کی ضرورت بھی تھی کہ ہر چیز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر پھیلانے والی وہی ایک جماعت تھی، اور مشکوۃ نبوت سے نور کی ہر نوع کا پھیلنا ضروری تھا، لیکن صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین ہی کے زمانہ سے، ہر نوع کو مستقل طور پر حاصل کرنے کی ضرورت پیش آ گئی،

اوراسی لئے محدثین اور فقہاء، مفسرین اور صوفیہ کی جماعتیں مستقل قائم ہونا شروع ہوگئیں، ان میں بہت سے اللہ کے بندے مختلف صفات کے جامع بھی ہوئے، اور اب تک ہوتے رہتے ہیں، لیکن بہت سے افراد کسی خاص صفت کے ساتھ ممتاز ہوئے اور ہیں، اس لئے یہ سمجھ لینا کہ ہر وہ شخص جو علم کے کسی خاص رتبہ پر فائز ہو وہ اخلاق واوصاف کے بھی اسی رتبہ پر ہوگا، زمانہ کے تدریجی تغیرات سے ناواقفیت ہے یا ذہول ہے، اس میں شک نہیں کہ علم کیلئے کمالات باطنیہ اور اخلاق حسنہ نہایت ضروری اور زینت ہیں، لیکن ان کا حصول نہ علم کے لئے لازم ہے، نہ علم کا ان پر مدار اور توقف ہے، اس کے علاوہ علماء اور مشائخ تصوف کے بعض اخلاق میں بھی فرق ہے۔

مشائخ سلوک اور علماء کی شان جدا جدا ہے

یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ چیز جو مشائخ سلوک کے یہاں کمال سمجھی جاتی ہے وہ علماء کے حق میں بھی کمال ہو، ایک معمولی سی چیز حسن ظن اور تحقیق حال ہی کو دیکھ لو کہ صوفیہ کے یہاں حسن ظن اور مومن کے ساتھ مطلقاً نیک گمان کمال ہے اور علماء جرح وتعدیل اس پر مجبور ہیں؛ اسی لئے صوفیہ کی روایات محدثین کے یہاں اکثر مجروح ہو جاتی ہیں کہ وہ حسن ظن کی بنا پر ہر مومن سے روایت لے لیتے ہیں، اور ان حضرات محدثین کے یہاں جرح وتعدیل مستقل فن بن گیا اور اس کے مستقل ائمہ بن گئے، اسلئے علمی درجہ میں جس چیز کو دیکھنا ہے وہ یہ ہے، کہ جو بات وہ کہہ رہا ہے وہ مذہب کے موافق ہے یا نہیں، قرآن وحدیث کے مطابق ہے یا مخالف، سلف صالحین اور فقہائے معتبرین کے ارشادات سے باہر تو نہیں، اگرچہ علمی درجہ میں اس سے کچھ کوتاہی بھی ہو جاتی ہو۔

بغیر خود عمل کے دوسروں کو امر بالمعروف کی اجازت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کہ ہم لوگ نیک کام کا حکم نہ کریں جب تک خود عمل نہ کرلیں، اور بری بات سے کسی کو نہ روکیں جب تک خود اس سے بالکل نہ رک جائیں، حضور نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ نیک کاموں کا حکم کیا کرو اگرچہ خود عمل نہ کرسکو اور بری باتوں سے روکا کرو اگرچہ خود اس سے نہ رک سکو۔ (جمع الفوائد وحکم

أخرجه الطبراني في الأوسط (۶۶۲۸) والصغير (۸۲/۲) وقال الهيثمي في المجمع (۲۷۷/۷) رواه الطبراني من طريق عبدالسلام بن عبدالقدوس بن حبيب عن أبيه وهما ضعيفان.

عليه بالضعف وفي الجامع الصغير رقم له بالحسن)

پانچویں چیز یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ تغیر زمانہ کا عام اثر دنیا کی ہر چیز پر ہے، تو اہل علم اس سے باہر کہاں جاسکتے ہیں، زمانہ جتنا بھی زمانہ نبوت سے دور ہوتا جائے گا، اتنے ہی فتنے وشرور اس میں بڑھتے جائیں گے، لیکن ہم لوگ اپنے اندر ہر قسم کے ضعف وانحطاط کو تسلیم کرتے ہیں، مگر اہل علم کے لئے وہی پہلا منظر چاہتے ہیں اور اسی معیار پر جانچنا چاہتے ہیں۔

جب قوائے جسمانیہ کا ذکر آجائے ہر شخص کہتا ہے: ''اجی وہ قوتیں اب کہاں رہیں'' لیکن جب قوائے روحانیہ، مجاہدات علمیہ کا ذکر آئے تو ہر شخص جنید، شبلی، بخاری، غزالی کے اوصاف کا طالب اور خواہش مند بن جاتا ہے۔

دینی انحطاط کی حدیث میں پیشین گوئی

حالاں کہ دینی انحطاط کی پیشین گوئی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے حضور کا ارشاد ہے۔

''لَايَأتِیْ عَلَيْكُمْ عَامٌ وَلَايَوْمٌ، اِلَّا وَالَّذِیْ بَعْدَهٗ شَرٌّ مِّنْهُ، حَتّٰی تَلْقَوْا رَبَّكُمْ'' كَذَا فِی الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ بِرِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالْبُخَارِیْ وَغَيْرِهِمَا وَرَقَمَ لَهٗ بِالصِّحَّةِ.

تم پر کوئی سال اور کوئی دن ایسا نہیں آئے گا،[●] جس سے بعد والا سال اور دن اس سے زیادہ برا نہ ہو، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو۔

مناوی کہتے ہیں کہ: یہ دین کے اعتبار سے اور اکثریت کے لحاظ سے ہے، یعنی بعض افراد کا اس سے خارج ہونا موجب اشکال نہیں، علقمی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی دن بھی ایسا نہ آئے گا جو علم کے اعتبار سے گذشتہ دن سے کم نہ ہو اور جب علماء نہ رہیں گے اور کوئی نیک باتوں کا[☠] حکم کرنے والا اور بری باتوں سے روکنے والا نہ رہے گا، تو اس وقت سب ہی ہلاک ہوجائیں گے۔(جامع الصغیر)

[●] أخرجه البخاري (الفتن/لاياتی زمان الا الذی بعده شر منه ۷۰۶۸) وأحمد (۱۱۷/۳) عن أنس بن مالک رضي الله عنه.

[☠] أخرجه يعقوب بن شيبة من طريق الحارث بن حصيرة، عن زيد بن وهب، عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه، كذا في "فتح الباری" الفتن/باب لايأتی زمان الخ ۲۶/۱۳، ولم نجده في الجامع الصغير.

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ صلحاء ایک ایک ہوکر اٹھ جائیں گے اور لوگ ایسے رہ جائیں گے جیسے کہ خراب جو (بجھے ہوئے) اور خراب کھجور (کیڑا لگی ہوئی) کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی ذرا بھی پروانہ کریں گے۔ (مشکوۃ بروایۃ البخاری)

اس لئے دین اور دینی امور کا انحطاط، کمی، ضعف تو سب ہی کچھ ہوکر رہے گا، ایسی حالت میں صلاح وفلاح کی سعی کرتے ہوئے جو کچھ موجود ہے، اس کو مغتنم سمجھنا ہی ضروری ہے کہ اس کے بعد اس سے کمی ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، اس زمانہ میں جن آنکھوں نے اکابر کو دیکھا ہے، ان کے فیوض وعلوم سے تمتع حاصل کیا ہے وہ ان کے بعد والی نسلوں کو ان جیسا نہ پاکر اعراض اور روگردانی کرتے ہیں۔

اسلاف کے مقابلے میں مشائخ وقت کو نظر میں نہ لانا سخت محرومی ہے

میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد، حضرت کے اجلہ خلفاء حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہم کی طرف بھی متوجہ نہ ہوئے اور محروم رہ گئے، حالاں کہ یہ حضرات ہدایت کے آسمانوں کے آفتاب تھے، اور ان سے تعلق رکھنے والے بہت سے ان کے جانشینوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے کہ وہ ان بعد والوں کا مقابلہ ان سے پہلے والوں کی ساتھ کرنا چاہتے تھے اور چوں کہ یہ حضرات بالکل ویسے نہیں ملتے، اس لئے ان کی نگاہوں میں نہیں جمتے، لیکن اس کا اثر اور نتیجہ کیا ہوا، خود ان لوگوں کی محرومی ہوئی کہ وہ اپنے اس تخیل کی وجہ سے ترقیات سے محروم رہ گئے، حالاں کہ یہ نہیں سوچتے کہ جو جا چکے ہیں وہ واپس نہیں آئیں گے اور جو آنے والے ہیں وہ ان جیسے بھی نہ ہوں گے، ہاں یہ ضرور دیکھیں کہ یہ شخص ضروریات دین پر بھی عمل کرتا ہے یا نہیں کہ ان کا انکار کرنے والا تو سرے سے اسلام ہی میں نہیں ہے، اس کے بعد جو شخص جتنا زیادہ اتباع سنت کا دل دادہ ہے اتنا ہی ہدایت یافتہ ہے، کہ اصل ہدایت طریقہ سنت ہے۔

چھٹی چیز یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اہل علم آخر ہم ہی لوگوں میں سے پیدا ہوں گے اور ہوتے ہیں، کہیں باہر سے دوسری مخلوق نہیں آتی؛ اس لیے جس قسم کے لوگوں سے وہ تیار ہوں گے، اکثر

أخرجه البخاري (المغازي/غزوة الحديبية ۴۱۵۶) عن مرداس الأسلمي رضي الله عنه.

ویسے ہی اثرات اپنے میں رکھیں گے، جیسا لوہا ہوگا ویسی ہی تلوار بن سکے گی، اور جیسی مٹی ہوگی ویسا ہی برتن ڈھلے گا، جیسا تانبا ہوگا ویسی ہی اس پر قلعی ہوگی۔

"خيار كم في الجاهلية خيار كم في الاسلام" (الحديث)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا"۔ (مشکوۃ بروایۃ الشیخین) تم میں سے جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بہترین شمار ہوتے ہیں وہی اسلام میں بھی بہترین ہیں، بشرطیکہ فقیہ اور عالم بن جائیں۔

اب بھی یہی بات ہے کہ جو لوگ ذاتی شرافتوں کے ساتھ علم دین حاصل کرتے ہیں وہ اخلاق حسنہ کے منتہا پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، اور کچھ علم دین کے ساتھ مخصوص نہیں، دنیاوی علم میں دیکھ لو کہ ذاتی شرافت سے عاری لوگ جب دنیوی علوم پڑھ کر اعلیٰ عہدوں پر پہنچتے ہیں تو وہ کس قدر رشوت ستانی اور مظالم سے خلق خدا کی اذیت کا سبب بنتے ہیں، اس لئے اگر عام طور سے مسلمانوں کے بہترین دماغ علوم دینیہ کی طرف متوجہ نہ ہوں تو یہ علماء کا قصور ہے یا خود ان کا قصور ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں شمار کرایا ہے کہ: بڑے لوگوں میں فواحش کی کثرت ہو جائے گی، اور حکومت چھوٹے لوگوں میں اور علم کم حیثیت جماعتوں میں ہوگا، اچھے لوگ دین کے بارے میں مداہنت کرنے لگیں گے۔ (اشاعۃ) ایک حدیث میں آیا ہے کہ علم چھوٹے لوگوں کے پاس سے حاصل کیا جائے گا۔ (اشاعۃ)

أخرجه البخاري (الأنبياء/قوله تعالیٰ: أم كنتم شهداء الأية رقم ٣٣٧٤) ومسلم (الفضائل/فضائل يوسف ٢٣٧٨) عن أبي هريرة، وأحمد (١٠١/٤) عن معاوية رضي الله عنه نحوه.

أخرجه ابن ماجة (الفتن/باب قوله تعالیٰ: يايها الذين امنوا عليكم الآية رقم ٤٠١٥) وأحمد (١٨٣/٣) والبيهقي في الشعب (٧٥٥٥) عن أنس رضي الله عنه، وقال البوصيري: اسناده صحيح رجاله ثقات، وانظر الاشاعة في أشراط الساعة (١١٠)

أخرجه الطبراني في الكبير (٢٢/رقم٩٠٨) عن أبي أمية اللخمي وقال الهيثمي في المجمع (١٣٥/١) فيه ابن لهيعة وهو ضعيف قلنا: ولكن قال ابن حجر في التقريب: صدوق خلط بعد احتراق كتبه، ورواية بن المبارك وابن وهب عنه أعدل من غيرهما انتهى وحديثنا هذا هو من رواية ابن المبارك عنه، فعلى هذا ليس اسناده أقل من مرتبة الحسن. والله اعلم.

یعنی بڑے آدمیوں کو حب مال اور حب جاہ کی بدولت علوم دینیہ حاصل کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی، کس قدر ظلم ہے کہ جو لوگ فارغ البال ہیں، کچھ آسودگی رکھتے ہیں، وہ اپنی قیمتی عمروں کو کس قدر بے کار ضائع ہو جانے والی، فنا ہو جانے والی کوششوں میں تلف کر دیتے ہیں، کیا ان حضرات کے پاس اللہ کے یہاں جواب دہی کے لئے کوئی معقول عذر ہے۔

''قیامت کے دن پانچ باتوں کی جواب دہی لازم ہوگی (الحدیث)''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: آدمی کے دونوں قدم قیامت کے دن اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک پانچ باتوں کی جواب دہی نہ کرے گا؛ اپنی عمر کو کس چیز میں خرچ کیا اپنی جوانی کو کس جگہ صرف کیا، (یعنی اس جوانی کی قوت وطاقت کو رضاالٰہی میں خرچ کیا یا ناراضی میں) اور اپنے مال کو کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، (یعنی مال کے کمانے کے ذرائع جائز اختیار کیے یا ناجائز طریقہ سے حاصل کیا، مثلاً رشوت سود اور دوسرے ناجائز معاملات، اسی طرح جہاں خرچ کیا وہ جائز تھا یا ناجائز تھا، اسراف اور بخل کے درمیان تھا یا کسی ایک جانب بڑھا ہوا تھا) اور جو کچھ علم حاصل کیا اس پر کیا عمل کیا، (علم حاصل کرنا مستقل فریضہ ہے اور جو کچھ حاصل کیا اس پر عمل کرنا مستقل امر ہے، لاعلمی سے کسی معصیت میں مبتلا ہونا ایک گناہ ہے، اور علم کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا اور گناہ میں مبتلا ہونا اور بھی زیادہ سخت ہے) (مشکوۃ)[*]

اس لئے جو لوگ اپنی عمروں کو اور اس زندگی کو جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کسی چیز میں ضائع کر رہے ہیں، وہ خود ہی جواب دہی کی فکر کر لیں، اس بارگاہ میں نہ تو کسی کی وکالت اور بیرسٹری کام آنے والی ہے، نہ لسانی اور جھوٹے گواہ کچھ مدد کر سکتے ہیں، ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ ان پانچ باتوں کے جواب کی تیاری رکھے، بڑی عدالت میں جواب دہی کرنا ہے۔

---

[*] أخرجه الترمذي (صفة القيامة، رقم ۲۴۱۷) عن أبي برزة رضي الله عنه وقال: حسن صحيح.

علوم دینیہ کی تحصیل بمد مجبوری سمجھنا

میرا مقصود تو اس طرف توجہ دلانا ہے کہ ذاتی اور نسبی اوصاف اثر رکھتے ہیں، اس لئے حضور نے ”الائمة من قريش“ ارشاد فرمایا۔

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ شب کو مدینہ طیبہ کی پاسبانی فرما رہے تھے، پھرتے پھرتے تکان کی وجہ سے ایک دیوار سے سہارا لگا کر تھوڑی دیر کے لئے کھڑے ہو گئے، ایک بڑھیا کی آواز آئی جس نے اپنے لڑکی کو آواز دے کر کہا کہ دودھ میں پانی ملا دے، لڑکی نے عذر کیا کہ امیر المومنین کی طرف سے اس کی ممانعت کا اعلان ہو چکا ہے، ماں نے کہا کہ امیر المومنین کیا یہاں بیٹھے دیکھ رہے ہیں، لڑکی نے کہا یہ تو بہت ہی ناموزوں ہے کہ سامنے تو امیر کی اطاعت کریں، اور پس پردہ نافرمانی، یہ نہیں ہو سکتا، حضرت عمرؓ نے اس مکان کو ذہن نشین فرما لیا اور صبح ہوتے ہی اپنے صاحبزادہ حضرت عاصمؓ کی منگنی اس لڑکی سے بھیج دی، اس لڑکی کی اولاد سے حضرت عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ (ازالۃ الخفا ۲/ ۷۸)

ذاتی اوصاف کا اثر اور حدیث ”الائمۃ من قریش“

ساتویں چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ قوم کی طرف سے علمی مشاغل اور دینی خدمات کے لئے علی العموم کن افراد کو چنا جاتا ہے، آپ خاص طور سے دیکھیں گے کہ جس شخص کے کئی بیٹے ہیں، ان کو اول خاص طور سے دنیاوی علوم میں لگایا جائے گا، اسی کی سعی کی جائے گی، انتھک کوشش کی جائے گی، جب اس سے مایوسی ہو جائے گی تب وہ دینی مدرسہ کے سپرد کیا جائے گا، کیا یہ دین اور علم دین پر سخت ظلم نہیں؟ کیا اللہ کے یہاں اس کا جواب دینا نہیں، بہت کم خاندان ایسے ملیں گے، جہاں دینی علوم کے حاصل کرنے کو مستقل مقصود اور اصل سمجھا جاتا ہو، ورنہ عام طور سے مجبوری کی کا نام صبر ہے، بالعموم عربی کے حاصل کرنے والے وہی افراد ملیں گے جو اپنے مربیوں کی غربت وافلاس سے دنیوی علوم حاصل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ایسی صورت میں وہ یقیناً ضرورت مند بھی ہوں گے، وہ سوال کی طرف بھی مضطرب ہوں گے اور حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو ان کا

أخرجه أحمد (۳/ ۱۲۹) والحاكم (۴/ ۵۰۱) عن أنس رضي الله عنه وصححه الحاكم ووافقه الذهبي.

سوال کی طرف مضطرب ہونا ان کی بے غیرتی نہیں ہے ان لوگوں کی بے عزتی ہے، جو خود ان کی ضروریات کی فکر اپنے ذمہ نہیں سمجھتے، جب یہ لوگ ان کی دینی ضروریات کا تکفل کرتے ہیں، تو کیا شرعاً عقلاً، عرفاً ان کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ان کو ضروریات بشریہ سے سبک دوش رکھیں یہی وجہ ہے کہ اس دور انحطاط میں عام طور سے جو افراد علوم دینیہ کو حاصل کرتے ہیں اور وہ کسی درجہ میں ذی استعداد، ذی فہم ہوجاتے ہیں، وہ اس زندگی کو جو دنیا داروں کی نگاہ میں ذلت ہے، اکثر خیر باد کہہ کر یا طب پڑھتے ہیں، یا پھر کسی ڈگری وغیرہ کی فکر میں لگ کر دنیوی مشاغل ملازمت تجارت وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں، اور رفتہ رفتہ اپنے ان علوم سے جن کو محنت ومشقت سے حاصل کیا تھا بیگانہ ہوجاتے ہیں، اول تو ان علوم دینیہ کی طرف آمد ہی کم تھی، اور آنے کے بعد بھی پھر معظم حصہ اس سے نکل جاتا ہے، یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ الزام کس پر ہے، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ چند بھائیوں کی جائیداد ہو اور وہ خود ملازم پیشہ ہوں، تو اپنے میں سے کسی ایک کو جائداد کے انتظام کے واسطے منت سے، سماجت سے، لجاجت سے، خوشامد سے اس پر راضی کیا جائے گا، کہ وہ اپنی ملازمت کو خیر باد کہے اور سب کی جائیداد کی خبر گیری کرے، اپنی تنخواہ اس مشترک کھاتے سے نکالے اور اس ایثار پر اس کا احسان مند ہونا پڑے گا وہ بھی دس نخرے کرے گا، یہ سب کیوں ہے اس لئے کہ جائیداد کی حفاظت کی ضرورت ہے سخت مجبوری ہے، وہ ضائع نہ ہوجائے، لیکن گھرانے کے چند بھائی نہیں، سارے محلّہ کے متمول نہیں، پورے گاؤں، پورے قصبہ اور تمام شہر کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہاں دین سے واقف مسائل سے واقف ضروریات دین کا پورا کرنے والا کوئی شخص ہو یہ کیوں اس لئے کہ دین کی ضرورت نہیں ہے اس کے ضائع ہونے سے کچھ نقصان نہیں ہے ہر شخص اردو کے چند رسائل دیکھ کر خود عالم بن سکتا ہے اور بن جاتا ہے، حالاں کہ حق تعالیٰ شانہ نے جہاد جیسی عظیم الشان اور ضروری چیز میں بھی اس کی رعایت کا حکم فرمایا، کہ سب کے سب جہاد میں نہ چلدیں بلکہ علم سیکھنے کے لئے بھی ایک جماعت باقی رہے، چناں چہ سورہ توبہ کے اخیر میں ”فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ“ الآیۃ میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر فرقہ میں ایک فقہاء کی جماعت رہنا چاہئے۔

آٹھویں چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ ہر شخص کا مقابلہ علم کے بعد اس کی حیثیت سے ہوسکتا ہے، یہ ظلم محض ہے کہ ایک جانب دین یا دنیا کے اعتبار سے اعلیٰ طبقہ لے لیا جائے اور دوسری جانب ادنیٰ طبقہ شمار کیا جائے، ہر شخص کے متعلق یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر یہ علم کے ساتھ متصف نہ ہوتا

تو اپنے ماحول کے اعتبار سے، یا اپنی حیثیت کے اعتبار سے کن اخلاق واوصاف اور کن مشاغل کا اختیار کرنے والا ہوتا، اس کے بعد اب غور کیا جائے کہ علم نے کتنی اصلاح کی ہے، مثال کے طور پر میں نے چند امور ذکر کئے ہیں، غور سے اور بھی بہت سے امور کا اس میں اضافہ ہوسکتا ہے، میں نے تو جو کچھ لکھا ہے وہ بھی بجبوری لکھا ہے۔

کہنا پڑا مجھے پئے اِلزام پند گو
وہ ماجرا جو قابل شرح وبیاں نہیں

علماء حق اور علماء سوء کا فرق

اس سب کے بعد مجھے اس چیز سے بھی انکار نہیں ہے کہ علماء سوء اور علماء حق دو مستقل علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں، علماء سوء کے متعلق احادیث میں بڑی سخت سے سخت وعید وارد ہوئی ہیں، جہنم میں سب سے پہلے جانے والے طبقہ میں بھی ان کو شمار کیا ہے، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا بھی ان کو بتایا ہے، حضور کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس سے دنیا کمائے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا''۔ (ترغیب) حضور کا ارشاد ہے کہ: جو علم اس لئے حاصل کرے کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ اور مائل کرے وہ جہنم میں داخل کیا جائے گا''۔ حضور کا ارشاد ہے کہ: ''بدترین لوگوں کے، بدترین علماء ہیں''۔ (ترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: علم دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ علم ہے جو صرف زبان پر ہو (دل میں اس کا کچھ بھی اثر نہ ہو) وہ اللہ کی حجت ہے مخلوق پر (کہ اللہ جل شانہ نے اپنی حجت تمام فرمادی) اور ایک علم وہ ہے جو دل میں ہو، وہی علم نافع ہے۔ حضور اقدس صلی

أخرجه أبوداود (العلم/طلب العلم لغير الله ۳۶۶۴) وابن ماجة (المقدمة / الانتفاع بالعلم ۲۵۲) والحاكم (۱/ ۵۸) عن أبي هريرة رضي الله عنه وصححه الحاكم، ووافقه الذهبي.

أخرجه ابن ماجة (المقدمة/الانتفاع بالعلم والعمل به رقم ۲۵۳) عن ابن عمر رضي الله عنه وقال البوصيرى: اسناده ضعيف وأيضا (۲۵۴) عن جابر نحوه، وضعف البوصيرى اسناده أيضا، قلنا: ولكن يشهد له أحاديث أنس، وأم سلمة ومعاذ بن جبل، وعبد ابن مسعود، وغيره انظر مجمع الزوائد ۱/ ۱۸۴)

أخرجه البزار (الكشف ۱۶۷) عن معاذ بن جبل رضي الله عنه وقال المنذري في الترغيب والترهيب(۱/ ۷۴) : فيه الخليل بن مرة، وهو ضعيف.

اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''آخیر زمانہ میں عابد لوگ (یعنی صوفی) جاہل ہوں گے اور عالم فاسق''۔

حضور کا ارشاد ہے کہ: ''علم اس لئے نہ سیکھو کہ علماء کا اس سے مقابلہ کرو، اور بے وقوفوں سے اس کے ذریعہ سے جھگڑو، اور لوگوں سے جھگڑو اور لوگوں کو اس کی وجہ سے اپنی طرف متوجہ کرو، جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا''۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ: ''میں اس امت پر سب سے زیادہ خائف منافق عالم سے ہوں، لوگوں نے عرض کیا کہ منافق عالم کیسا ہوتا ہے، ارشاد فرمایا کہ زبان کا عالم اور دل کا جاہل''۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ تو ایسا نہ بن کہ علماء کے علم کا حامل ہوکر اور حکما کی (تحقیقات) نادرہ کا واقف ہوکر بے وقوفوں کے سے عمل کرنے لگے۔ ابراہیم بن عیینہ سے کسی نے پوچھا کہ: ''سب سے زیادہ نادم کون شخص ہے، انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں شرمندہ وہ عالم ہے جو حدود سے بڑھ جائے''۔ حضرت حسن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: ''علماء کا عذاب دل کی موت ہے اور دل کی موت یہ ہے کہ آخرت کے عمل سے دنیا کمانے لگے''۔

أخرجه الدارمي (۱/۰۷ رقم ۳٦۴) وابن أبي شيبة (۳۴۳۵۰) عن الحسن البصرى مرسلاً.
قلنا: وقد ضعفه ابن الجوزى في العلل المتناهية (۱/۸۲) من أجل جد يحيى بن يمان، ولكن قال ابن حجر في التقريب فيه: "صدوق عابد يخطئ كثيراً وقد تغير" وعلى هذا، فليس اسناده أقل من أن يكون حسناً.

أخرجه الحاكم (۴/۳۱۵) عن أنس رضي الله عنه، وسكت عنه، وقال الذهبي: يوسف بن عطية، –الراوى فيه هالک–.

أخرجه ابن ماجه (المقدمة/الانتفاع بالعلم والعمل به، رقم ۲۵۹) عن حذيفة رضي الله عنه، قال البوصيرى في الزوائد (ص٦۸): "اسناده ضعيف"

وأخرجه ابن ماجه أيضا في الموضع المذكور (رقم ۲۵۴) وابن حبان في صحيحه (رقم ۷۷) والحاكم في المستدرک (۱/۸٦) عن جابر رضي الله عنه نحوه، قال البوصيرى في الزوائد (ص٦۷): "رجاله ثقات"

أخرجه مسدد، وجعفر الفريابى في صفة المنافق (كما فى موسوعة آثار الصحابة لأبى عبدالله سيد كسروى (۱/۲۰۵)

احياء العلوم للامام الغزالى (۱/۳۵،ط نول كشور)

المصدر السابق (۱/۳۵)

أخرجه البيهقي في الشعب (باب ۱۸، رقم ۱۸۳۷).

یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ: "علم وحکمت سے جب دنیا کمائی جاتی ہے تو ان کی رونق جاتی رہتی ہے"۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ: "جب تم کسی عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو تو اپنے دین کے بارہ میں اس کو متہم سمجھو، اس لئے کہ ہر چیز کا محبت کرنے والا اسی میں گھل مل جاتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے"۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے پہلی کتابوں میں لکھا دیکھا ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں جب کوئی عالم دنیا سے محبت کرنے لگتا ہے تو کم سے کم معاملہ میں اس کے ساتھ یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات کی حلاوت اسکے دل سے نکال دیتا ہوں۔ (احیاء)

یہ سب ارشادات اوران جیسے بہت سے فرامین یقیناً علماء سوء کے بارے میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں، لیکن یہ بات کہ فلاں شخص یا فلاں جماعت علمائے حق میں ہے اور فلاں شخص اور فلاں جماعت علمائے سو میں ہے، اپنے اختیار میں نہیں ہے، یہ بھی شریعت ہی کی میزان سے معلوم ہوسکتی ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ جو شخص ہماری رائے کے موافق کہے وہ علمائے حق سے ہے اور جوں ہی وہ کوئی بات ہماری رائے کے خلاف کہہ دے وہ فوراً علماء سوء کی فہرست میں داخل ہوکر گردن زدنی بن جائے، کل تک ہماری رائے فلاں سیاسی جماعت کے موافق تھی، لہٰذا جتنے علماء اس کے موافق تھے وہ سب علمائے حق تھے اور آج ہماری رائے اس کے خلاف ہوگئی تو جتنے علماء اس پہلے خیال پر باقی ہیں آج سے سب علمائے سوء کی کالی فہرست میں داخل ہوگئے، علمائے حق اور علماء سوء ہونے کا دارومدار صرف قرآن وحدیث کے موافق علم وعمل پر ہے اور بس؛ لیکن ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اپنی فہم نارسا اور جذبات یا کفار کے زیر اثر ایک مسئلہ خود ہی گھڑ لیتے ہیں، اس کے بعد جو شخص اس کے موافق ہے وہ بڑا علامہ ہے، واقفِ اسرار ملت ہے، رموز شریعت کا ماہر ہے خواہ وہ کتنا ہی جاہل اور بے علم ہو، قرآن وحدیث سے ذرا بھی مس نہ ہو، اور جو اکابر ہماری اس رائے کے خلاف ہیں، خواہ وہ کتنے ہی علوم کے ماہر ہوں حقیقۃً رموز شریعت کے ماہر ہوں اور صحیح معنی میں واقف اسرار ملت ہوں، لیکن ہم لوگ ہر برے سے برے لفظ کے ساتھ ان کا مضحکہ اڑانے کے لئے، ان

احیاء العلوم (۱/۳۶)

احیاء العلوم (۱/۳۶)

احیاء العلوم (۱/۳۶)

کوذلیل کرنے کے لئے تیار ہیں، حالانکہ سلف صالحین نے صوفیہ کرام کو بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی قلبی معرفت سے، اپنے باطنی علوم کی روشنی سے کوئی ایسی بات اختیار کرلیں جو علمائے ظاہر کے خلاف ہو، اہل فن کے اقوال، ان کی کتابیں، اس مضمون سے لبریز ہیں۔

علماء ظاہر کی موافقت میں

حضرت مجدد الف ثانی کے ارشادات

حضرت اقدس مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں جو مولانا امان اللہ فقیہ کے نام تحریر فرمایا ہے کہ سالک کے لئے سب سے اول وہ اعتقاد ضروری ہے جس کو علمائے اہل سنت والجماعت نے قرآن وحدیث اور آثار سلف سے استنباط فرمایا ہے، نیز قرآن وحدیث کا ان معانی پر حمل کرنا بھی ضروری ہے جو علمائے حق نے کتاب وسنت سے سمجھے ہیں، اگر بالفرض اس کے خلاف کوئی معنی کشف یا الہام سے ظاہر ہوں ان کا ہرگز اعتبار نہیں اور ایسے معنی سے پناہ مانگنا چاہئے اور اللہ جل جلالہ سے دعا کرنا چاہئے کہ اس گرداب سے نکال کر علمائے حق کی صائب رائے کے موافق امور کو ظاہر فرمادے، ان کی رائے کے خلاف کوئی چیز بھی زبان سے ظاہر نہ کرے اور اپنے کشف کو ان معانی کے موافق بنانے کی کوشش کرے جو ان حضرات نے سمجھے ہیں، اس لئے کہ جو معانی ان حضرات کے سمجھے ہوئے معنی کے خلاف دل میں آئیں وہ ہرگز بھی قابل اعتبار نہیں، بالکل ساقط ہیں، کیوں کہ ہر گمراہ شخص اپنے معتقدات کو قرآن وحدیث ہی سے ثابت کرنا چاہتا ہے، ”یُضِلُّ بِهٖ کَثِیْراً وَّیَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْراً“ اور یہ بات کہ ان حضرات ہی کے سمجھے ہوئے معانی صحیح ہیں، اس لئے ہے کہ ان حضرات نے ان معانی کو صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے آثار سے سمجھا ہے اور ہدایت کے ستاروں کے انوار سے اخذ کیا ہے، لہٰذا نجات ابدی ان کے ساتھ مخصوص ہے اور دائمی فلاح ان کا ہی حصہ ہے۔ ”اُوْلٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“. (یہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں اور اللہ کی جماعت ہی فلاح یافتہ ہے) اور اگر بعض علما باوجود صحیح العقیدہ ہونے کے مسائل میں کچھ سستی کرتے ہیں، یا اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں، اور تقصیرات کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس وجہ سے مطلقاً علماء کی جماعت پر انکار کرنا، یا سب کو مطعون کرنا کمال بے انصافی ہے، بلکہ اکثر ضروریاتِ دین کا انکار ہے، اس لئے

کہ ضروریات دین کے بتانے والے یہی لوگ ہیں اور یہی حق ناحق کو پرکھنے والے ہیں۔

''لَوْلاَ نُوْرُ هِدَايَتِهِمْ لَمَا اهْتَدَيْنَا، وَلَوْلاَ تَمِييْزُهُمُ الصَّوَابَ عَنِ الْخَطَاءِ لَغَوَيْنَا، وَهُمُ الَّذِيْنَ بَذَلُوْا جُهْدَهُمْ فِيْ اِعْلاَءِ كَلِمَةِ الدِّيْنِ الْقَوِيْمِ وَأَسْلَكُوْا طَوَائِفَ كَثِيْرَةٍ مِّنَ النَّاسِ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ، فَمَنْ تَابَعَهُمْ نَجٰى وَأَفْلَحَ وَمَنْ خَالَفَهُمْ ضَلَّ وَأَضَلَّ''. (دفتر اول حصہ پنجم مکتوب ۲۸۶)

اگر ان لوگوں کی ہدایت کا نور نہ ہوتا تو ہم لوگ ہدایت یافتہ نہ ہوتے، اور ان لوگوں کا غلط اور صحیح کو ممتاز کردینا نہ ہوتا تو ہم گمراہ ہوجاتے، یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی کوشش کو دین متین کے بلند کرنے میں خرچ کیا۔ اور بہت سی جماعتوں کو صراط مستقیم پر چلایا، پس جو شخص ان کا اتباع کرے گا کامیاب ہوگا، اور نجات پائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

دوسری جگہ ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''فَاعْلَم أَنَّ كَلاَمَهُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ مُطَابِقًا بِأَحْكَامِ الشَّرِيْعَةِ فَلاَ اِعْتِبَارَ لَهُ اَصْلاً، فَكَيْفَ يَصْلُح لِلْحُجَّةِ وَالتَّقْلِيْدِ وَاِنَّمَا الصَّالِحُ لِلْحُجَّةِ أَقْوَالُ الْعُلَمَاء مِنْ أَهْلِ السُنَّةِ فَمَا وَافَقَ أَقْوَالَهُمْ مِنْ كَلاَمِ الصُّوْفِيَةِ يُقْبَلُ وَمَا خَالَفَهُمْ لاَيُقْبَلُ''. (مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم ص ۲۸۹)

اس بات کو جان لے کہ صوفیہ کا کلام اگر شریعت کے احکام کے موافق نہیں ہے تو اس کا کچھ بھی اعتبار نہیں، وہ دلیل اور قابل تقلید کیسے ہوسکتا ہے، دلیل اور تقلید کے قابل صرف علمائے سنت کے اقوال ہیں، صوفیہ کے اقوال میں سے جو قول علماء کے اقوال کے موافق ہوگا وہ معتبر ہوگا، جو اس کے خلاف ہوگا وہ غیر مقبول ہے۔

جب اکابر صوفیہ کا یہ حال ہے کہ جن کے قلوب حقیقۃً روشن ہیں، اللہ جل جلالہ کی عظمت اور دین کا احترام، دینیات کی وقعت اور احکام شرعیہ پر مرمٹنا ان کی جان ہے جب ان کے اقوال بھی علماء کی موافقت کے بغیر ناقابل احتجاج ناقابل تقلید ناقابل بیان ہیں تو پھر ان لوگوں کے اقوال وافعال کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے، جنہیں نہ دین کی خبر ہے، نہ قرآن پاک اور احادیث اور اقوال سلف کی ہوا لگی ہے، کلام اللہ شریف کا ترجمہ دیکھا اور ایک مطلب سمجھ لیا، اس کے بعد پھر وہ مستقل مجتہد ہیں اور اس کے خلاف کوئی عالم، بلکہ سارے علماء مل کر بھی جو کہیں وہ سب لغو وبے کار

ہے، حالاں کہ قرآن وحدیث کا مطلب وہی ہے جو صحابہ کرامؓ فرما گئے اور عمل کر کے بتا گئے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ آیَاتِنَا لَایَخْفُوْنَ عَلَیْنَا" الآیة (سورہ سجدۃ رکوع ۵) بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم پر مخفی نہیں، بھلا جو شخص آگ میں ڈال دیا جائے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے ساتھ آئے، تم جو چاہے اعمال کرو حق تعالیٰ شانہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں، درمنثور میں متعدد صحابہ اور تابعین سے الحاد کی تفسیر نقل کی گئی ہے کہ قرآن پاک کی آیات کو کسی دوسرے محمل پر محمول کیا جائے، سیکڑوں احادیث میں سلف کے اتباع کا حکم ہے۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ قَالَ: "صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ، ثُمَّ أُقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ، فَوَعَظْنَا مَوْعِظَةً بَلِیْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، فَقَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعَظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِیْنَا فَقَالَ: اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَاِنْ کَانَ عَبْداً حَبْشِیًّا فَاِنَّهٗ مَنْ یَّعِیْشُ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْراً، فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ، تَمَسَّکُوْابِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ رواه أحمد وأبوداود والترمذی وابن ماجة كذا في المشكوة.

"ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صبح کی) نماز ہم کو پڑھائی، اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر وعظ فرمایا، جو ایسا بلیغ تھا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور دل خوف سے لرزنے لگے، کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! "یہ تو ایسا وعظ ہے گویا الوداعی (اور آخری وعظ) ہو، پس ہم کو کوئی وصیت فرما دیجئے" (یعنی کوئی ایسی پختہ بات فرما دیجئے جس کو مضبوط پکڑے رکھیں) ارشاد فرمایا: میں تم کو اس کی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ کرتے رہنا اور امیر کی اطاعت، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، میرے بعد جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ

أخرجه أحمد (۱۲۶/۴، ۱۲۷) وأبوداود (السنة/لزوم السنة، رقم ۴۶۰۷) والترمذي (العلم/الاخذ بالسنة واجتناب البدعة، رقم ۲۶۷۶) وابن ماجه (المقدمة/اتباع سنة الخلفاء الراشدين، رقم ۴۲، ۴۳) وابن حبان في صحيحه (رقم۵) والحاكم في المستدرك (۹۵/۱) عن العرباض بن سارية رضي الله عنه، وقال الترمذي: "حديث حسن صحيح" وصححه الحاكم أيضا ووافقه فيه الذهبي.

بڑے اختلافات دیکھے گا، پس میرے طریقہ کو اور خلفائے راشدین کے، جو کہ ہدایت یافتہ ہیں، طریقہ کو مضبوط پکڑے رہنا، اسی کا اتباع کرنا اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، نئی نئی باتوں سے احتراز رکھنا کہ (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔

سنت کے اہتمام میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک اہم خط

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک نہایت اہم خط سنت کے اہتمام اور صحابہ کرامؓ کے اتباع کے بارے میں لکھا ہے جو ابوداؤد شریف میں مذکور ہے، اس کا ہر ہر حرف قیمتی ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں: "فَمَا دُوْنَهُمْ مِنْ مُقَصِّرٍ، وَمَا فَوْقَهُمْ مِنْ مُحَسِّرٍ وقد[1] قصر دُوْنَهُمْ فَجَفَوْا وَطَمَحَ عَنْهُمْ اَقْوَامٌ فَغَلَوْا، وَاِنَّهُمْ بَيْنَ ذٰلِكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ"

ان کے اتباع میں کوتاہی کرنا تقصیر ہے اور اس سے آگے بڑھنا تکان ہے، ایک جماعت نے اس سے کوتاہی کی تو ظلم کیا، اور دوسرے اس سے آگے بڑھ گئے انہوں نے غلو کیا، صحابہ کرام اسی افراط وتفریط کے درمیان میں سیدھے راستہ پر ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے خلفاء نے جو طریقے جاری کئے ہیں ان کو اہتمام سے پکڑنا ہی اللہ کی کتاب کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے اور دین کی قوت ہے نہ کسی کو ان کی تبدیلی کا حق ہے، نہ تغیر کا، نہ ان کے مخالف کی رائے قابل غور ہے، جو ان کا اتباع کرے وہ ہدایت یافتہ ہے، اور جو ان چیزوں سے مدد حاصل کرے وہ منصور ہے، جو ان کے خلاف کرے اور مومنین کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرے اللہ جل شانہ اس کو اپنے[2] اختیار کردہ راستہ پر عمل کرنے دیں گے اور جہنم میں پھینک دیں گے جو نہایت ہی برا ٹھکانا ہے۔ (شفا)

حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم لوگ ان اسلاف کے قدم بقدم چلتے رہیں۔ وَمَا

[1] أخرجه أبوداود (السنة/من دعا الى السنة، رقم ۴۶۱۲)

[2] "الشفاء بتعريف حقوق المصطفى" للقاضي عياض (ص ۱۲۹) القسم الثاني/الباب الاول، نول كشور.

ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز.

اس ساری تحریر سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ علمائے حق کا اتباع اور احترام نہایت ضروری اور نہایت اہم ہے، ان کا احترام نہ کرنا اپنی بربادی ہے، اپنی ہلاکت ہے، ان کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سمجھ کا قصور ہے، ہاں! ان کی بات محقق طور پر شرع کے خلاف ہو تو اس بات کا لینا جائز نہیں ہے، مگر اس کی وجہ سے ان سے دوری اپنے بقیہ امور دینیہ کا نقصان ہے، جیسا کہ میں خط کے شروع میں حضرت معاذ کی وصیت سے لکھ چکا ہوں، اس کے بالمقابل علمائے سوء کی بات نا قابل التفات ہے، نا قابل عمل ہے، وہ قابل احتراز ہیں، قابل دوری ہیں، البتہ اگر کوئی بات ان کی شریعت کے موافق ہو تو وہ قابل عمل ہے اور ضرور لی جائے، لیکن اس کا پہچاننا کہ یہ بات شریعت کے موافق ہے اور یہ شریعت کے خلاف ہے، خود شریعت سے واقفیت پر موقوف ہے، محض اپنی رائے سے نہ کسی بات کو شریعت کے موافق کہا جا سکتا ہے، نہ شریعت کے خلاف جیسا کہ کسی غیر شرعی چیز کو شریعت بنا لینا گناہ ہے اور قابل رد ہے، اسی طرح کسی شریعت کی بات کو رد کر دینا بھی سخت معصیت ہے اور جس چیز میں اشتباہ پیدا ہو اس میں احتیاط کی جانب عمل کرنا چاہئے۔

''الحلال بین والحرام بین'' الحدث

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَايَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ، وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِيْ يَرْعى حَوْلَ الْحِمٰى، يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ، اَلَا! وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمٰى، اَلَا اِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ، اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ''. كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ بِرِوَايَةِ الشَّيْخَيْنِ.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''حلال کھلا ہوا ہے اور حرام ظاہر ہے، اور ان

أخرجه البخاري (الايمان/فضل من استبرأ لدينه، رقم ۵۲، والبيوع/الحلال بين الخ، رقم ۲۰۵۱) ومسلم (المساقات/أخذ الحلال وترک الشبهات، رقم ۱۵۹۹) عن النعمان بن بشير رضي الله عنه.

دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے آدمی نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین کو اور آبرو کو (عیب سے) پاک صاف رکھا، اور جو شبہ کی چیزوں میں پڑا وہ حرام میں بھی مبتلا ہو جائے گا، جیسا کہ وہ چرواہا کہ باڑ (علاقہ ممنوعہ) کے قریب اپنے جانوروں کو چرائے، قریب ہے کہ جانور باڑہ کے اندر بھی چرنے لگیں گے، خبردار ہو کہ ہر بادشاہ کے لئے ایک باڑہ (یعنی ممنوعہ علاقہ) ہوتا ہے اللہ کا ممنوع علاقہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں خبردار ہو کہ بدن میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جب وہ درست رہتا ہے، تو سارا بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے اور وہ ٹکڑا دل ہے"۔

ایک دوسری حدیث میں: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلأَمْرُ ثَلٰثَةٌ: اَمْر بَيِّنٌ رُشْدُهٗ فَاتَّبِعْهُ، وَاَمْرٌ بَيِّنٌ غَيُّهٗ فَاجْتَنِبْهُ، وأمر اُخْتُلِفَ فِيْهِ فَكِلْهُ اِلَى اللّٰهِ" رواه أَحْمَدَ كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ.*

حضور کا ارشاد ہے کہ: امور تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ امر ہے جس کا حق ہونا کھلا ہوا ہو اس کا اتباع کرو، ایک وہ امر ہے جس کی گمراہی واضح ہو اس سے پرہیز کرو، ایک وہ امر ہے جس میں اختلاف ہو (اور حق ناحق واضح نہ ہو) اس کو اللہ کے سپرد کرو"۔

اللہ کے سپرد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی رائے سے بے دلیل کوئی حکم نہ لگاؤ، یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ مذہب اسلام نقلی مذہب ہے اس کی ہر بات کے لئے اور ہر مسئلہ کے لئے نقل کی ضرورت ہے، اللہ جل جلالہ اور اس کے سچے رسول نے کوئی دین کا جز ایسا نہیں چھوڑا، جس کے باب میں اصولی یا فرعی کوئی حتمی فیصلہ اور قطعی فیصلہ نہ فرما دیا ہو؛ اس لئے ہر بات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور عمل اور اسی طرح صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال کے بغیر چارہ کار نہیں ہے؛ اسی وجہ سے علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض کیا گیا ہے کہ بغیر علم کے دین کے احکام کا پتہ نہیں چل سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی دینی ضروریات سے خود واقف بنے اور اگر یہ نہ ہو سکتا ہو تو دوسرے درجہ میں لامحالہ کسی عالم کی طرف

---

* كذا ذكره في "المشكاة" (الاعتصام بالكتاب والسنة/الفصل الثانی) معزوًا الى احمد، ولم نجده عند أحمد في مسنده، وأخرجه الطبراني في الكبير (۱۰/رقم ۱۰۷۷۴) عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما بعد عزوه الى الطبراني في الكبير: "اسناده لاباس به، اهـ
وقال الهيثمي في المجمع (۱/۱۵۷) وهو عزاه الى الطبراني أيضاً: "رجاله موثقون"

رجوع کرنا ضروری ہے، جو لوگ نہایت بے فکری سے کہہ دیتے ہیں کہ آج علماء ایسے ہی ہیں اور چناں وچنیں ہیں، ہم علماء کی مانتے ہی نہیں، وہ اپنے کو زیادہ مشکلات میں پھنسا رہے ہیں کہ اگر واقعی ان کو علما پر اعتماد نہیں ہے تو ان کو اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے کہ دین کا علم خود سیکھیں، تاکہ شریعت کے موافق احکام پر عمل کر سکیں، اللہ جل شانہ کے یہاں اس کی کوئی پوچھ نہ ہوگی کہ دنیوی وجاہت کے لئے اتنی اتنی ڈگریاں حاصل کی تھیں، یا بنک میں جمع کرنے کے لئے اتنا اتنا مال کمایا تھا وہاں جس قدر وقعت اور پوچھ ہے وہ صرف دین کی ہے اور اسی کے لئے ہماری پیدائش ہے، قرآن پاک کا قطعی فیصلہ ہے۔

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ، مَا أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ أَنْ يُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوْالْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ“. (سورہ الذریات رکوع ۳)

میں نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں، نہ میرا مقصود ان سے یہ ہے کہ وہ (مخلوق کو) روزی دیا کریں، نہ یہ کہ وہ مجھے کھلایا کریں، اللہ تعالیٰ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والے ہیں اور قوت والے نہایت قوت والے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا، لَانَسْئَلُكَ رِزْقًا، نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوىٰ“. (سورہ طٰہٰ رکوع ۸)

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہئے، ہم آپ سے روزی (کموانا) نہیں چاہتے، روزی تو ہم دیں گے اور بہترین انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

میں روپیہ جمع کرنے یا کمانے کو نہیں روکتا، میرا مقصود یہ ہے کہ ہم لوگوں کی پیدائش صرف دین کے لئے ہے، اللہ کی عبادت کے لئے ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کے لئے ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ہماری کم ظرفی ناصبری کی وجہ سے ہے اور غیر مقصود ہے اس لئے مقصود اور غیر مقصود میں فرق ہونا تو ضرور چاہئے نہ یہ کہ آج کل کے رواج کے موافق ڈاڑھی سے مونچھ بڑھ جائے، اس لئے میں تم کو ایک خاص وصیت اور نصیحت کرتا ہوں کہ جب رات کو سب مشاغل سے نمٹ کر سونے لیٹا کرو تو تھوڑی دیر یہ غور کر لیا کرو کہ آج کے تمام دن میں کتنا وقت عبادت اور دین میں خرچ کیا جو اصل مقصود تھا اور کتنا وقت دنیا کے لغو دھندوں میں خرچ کیا، اور پھر دونوں وقتوں کا موازنہ کیا کرو کہ دونوں میں کیا نسبت ہے، اگر دینی مشاغل کا وقت دنیوی مشاغل سے بڑھے

نہیں تو کم از کم برابر تو ہونا چاہئے، اور جب دین اصلی غرض، اصلی مقصد ہے، تو اس کی جتنی ضروریات ہوں گی، وہ مقصود ہی کے حکم میں ہوں گی۔

علم کی وہ مقدار جس کا سیکھنا ضروری ہے

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ: ہر شخص پر جتنے علم کا وہ اپنے دین کے تحفظ میں محتاج ہے، اتنا سیکھنا فرض ہے۔ (درمختار)

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ منجملہ اسلام کے فرائض کے علم کی اس مقدار کا سیکھنا بھی فرض ہے، جس کا وہ اپنے دین کی حفاظت اور بقاء میں محتاج ہے، لہٰذا ہر مکلّف پر اصول دین کے سیکھنے کے بعد وضو، غسل، نماز، روزہ کے احکام سیکھنا فرض ہے اور جو مال دار ہو اس کو زکوۃ کے مسائل کا سیکھنا بھی فرض ہے اور جس کے پاس کچھ مال زیادہ ہو اس کو حج کے احکام کا سیکھنا بھی فرض ہے، اسی طرح سے ہر وہ شخص جو کسی پیشہ کو اختیار کئے ہوئے ہو اس پیشہ کے مسائل کا سیکھنا اس پر ضروری ہے۔

''تبیین المحارم'' میں لکھا ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آدمی کے لئے اسلام کے پانچوں ارکان کا سیکھنا ضروری ہے اور اخلاص کا سیکھنا بھی ضروری ہے کہ اعمال کی صحت اس پر موقوف ہے، اور حلال وحرام کا جاننا بھی ضروری ہے، اور ریا کاری کی حقیقت کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے؛ اس لئے کہ آدمی ریا کاری کی وجہ سے اپنے اعمال کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے، نیز حسد اور خود بینی کا علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے؛ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں نیک اعمال کو اس طرح کھا لیتی ہیں جیسا آگ ایندھن کو کھاتی ہے، اور خرید وفروخت، نکاح وطلاق کے مسائل کا جاننا بھی اس شخص کے لئے ضروری ہے جس کو ان چیزوں سے سابقہ پڑتا ہو، نیز ایسے الفاظ کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے، جن کا استعمال حرام ہے، یا کفر تک پہنچا دینے والا ہے اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں اس چیز کا سیکھنا بہت ہی مہتم بالشان ہے، اس لئے کہ عوام کفریہ الفاظ زبان سے نکال دیتے ہیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا کہہ دیا (شامی) اور جب ان سب چیزوں کو معلوم کرنا اور سیکھنا ضروری ہے تو اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے کہ یا آدمی ان سب کو خود حاصل کرے کہ یہ اصل ہے، لیکن اگر یہ حاصل نہ ہوسکتا ہو تو پھر کسی معتبر اور معتمد دین دار عالم کا دامن پکڑ لے اور ہر بات میں اس کے مشورہ کو، اس کی رائے کو اصل قرار دے کر، اس کا اتباع

کرے اور جو شخص دونوں باتوں میں سے کوئی چیز اختیار نہ کرے گا اس کا جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے، کہ قوانین سے جہل کسی جگہ بھی عذر نہیں تو قانون شریعت سے جہل کیا معتبر ہو سکتا ہے اور بغیر علم کے رائے زنی گمراہی کے سوا اور کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَايَقْبِضُ الْعِلْمُ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يُّقْبَضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَالاً، فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوْا وأَاَضَلُّوْا" [1] مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: حق تعالیٰ شانہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ سینوں سے کھینچ لیں؟ بلکہ علم اس طرح اٹھے گا کہ علماء کا انتقال ہوتا رہے گا، (اور دوسرے لوگ علم حاصل نہ کریں گے) جب علما نہ رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، وہ بغیر علم کے فتاوے جاری کریں گے، جن سے خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اور یہ حقیقت واضح ہے کہ کوئی بھی کام بغیر سیکھے نہیں آتا اور علم کے متعلق تو متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے [2]۔ (انما العلم بالتعلم)

کہ علم سیکھنے سے ہی آتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف سے مجھے بھی اس کی توفیق عطا فرمائے اور تمہیں بھی۔

---

[1] (ا) أخرجه البخاري (العلم/كيف يقبض العلم، رقم ۱۰۰) ومسلم (العلم/رفع العلم وقبضه، رقم ۲۶۷۳) عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما.

[2] أخرجه الطبراني في الكبير (۱۹/رقم ۹۲۹) عن معاوية رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (۱/۱۲۸): "فيه رجل لم يسم، وعتبة بن أبي حكيم، وثقه أبوحاتم، وأبوزرعه، وابن حبان، وضعفه جماعة" اهـ

وأخرجه الطبراني في الأوسط (رقم ۲۶۶۳) وأبونعيم في الحلية (ترجمة رجاء بن حيوة، ۵/رقم ۶۸۱۴) عن ابى الدرداء رضي الله عنه، قال الهيثمي في المجمع (۱/۱۲۸) : فيه محمد بن الحسن بن ابى يزيد، وهو كذاب" اهـ

وأخرجه البزار في مسنده (رقم ۲۰۵۵) عن ابن مسعود رضي الله عنه موقوفاً عليه، ورجاله موثقون كما في المجمع (۱/۱۲۹)

مسائل میں علماء کا اختلاف

رحمت اور موجب سہولت ہے

جواب نمبر ۷: میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی، میرا تو خیال ہے کہ علماء کا اختلاف اللہ کی بڑی رحمت ہے، تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تو حدیث کے اسباق میں بھی اپنے اس خیال کا متعدد بار اظہار کیا؛ کہ جس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف مل جاتا ہے مجھے اس میں بڑی سہولت معلوم ہوتی ہے، کہ فی الجملہ عمل کی کچھ گنجائش مل گئی، جو حسب قواعد شرعیہ اپنی جگہ پر ثابت ہے اور جس مسئلہ میں اختلاف نہیں ملتا حق اسی میں منحصر ہوگیا، اس لئے کہ امت محمدیہ کا اجتماع ضلالت پر نہیں ہوسکتا، علمائے امت نے اس خیر الامم کی خصوصیات میں اس چیز کو شمار کیا ہے کہ گمراہی پر اس کا اجتماع نہیں ہوسکتا، جس چیز پر بھی علمائے امت کا اجماع ہوگا وہ اللہ کے نزدیک بھی ایسی ہی ہوگی، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میری امت کا اجتماع ضلالت (گمراہی) پر نہیں ہوسکتا۔ متعدد صحابہ نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے، اس کے علاوہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ شانہ سے یہ دعا کی کہ میری امت کا ضلالت پر اجتماع نہ ہو، حق تعالیٰ شانہ نے اس کو قبول فرمالیا۔

أخرجه الترمذي (الفتن/لزوم الجماعة، رقم ۲۱۶۷) والحاكم في المستدرك (۱/۱۱۶) عن ابن عمر رضي الله عنه، وقال الترمذي: "حديث غريب من هذا الوجه" اهـ

قال المناوي في فيض القدير (۲/۲۷۱): "ورواه عنه أيضا الضياء في المختارة بلفظ: ان الله لا يجمع هذه الأمة على الضلالة أبدا .... قال ابن حجر في تخريج المختصر: حديث غريب، خرجه أبو نعيم في الحلية، واللالكائى في السنة، ورجاله رجال الصحيح، لكنه معلول، فقد قال الحاكم: "لو كان محفوظاً حكمت بصحته على شرط الصحيح، لكن اختلف فيه على معتمر بن سليمان على سبعة أقوال، فذكرها، وذلك مقتضٍ للاضطراب والمضطرب من أقسام الضعيف، قلنا: واخرجه الحاكم ايضا (۱/۱۱۶) عن ابن عباس رضي الله عنهما.

أخرجه احمد (۶/۳۹۶) والطبراني في الكبير (رقم ۲۱۷۱) عن ابى بصرة الغفارى صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال الهيثمي في المجمع (۱/۱۷۷): "فيه رجل لم يسم" اهـ

وأخرجه الحاكم في المستدرک (۱/۱۱۷) عن أنس رضي الله عنه، قلنا: فيه مبارك بن سحيم، قال الحافظ في التقريب: "متروک" اهـ قال الحاكم: انه ممن لايمشي في مثل هذا الكتاب، لكني ذكرته اضطرارا" اهـ

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ جل جلالہ نے تم کو تین چیزوں سے محفوظ فرمادیا، منجملہ ان کے یہ ہے کہ تمہارا اجماع گمراہی پر نہیں ہوگا۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ یہ اجماع عام ہے کہ اقوال میں ہو، یا افعال میں، یا اعتقاد میں، امور شرعیہ میں ہو، یا لغویہ میں۔

ایسی حالت میں تم ہی سوچو کہ جو روشن خیال اپنی روشن خیالی میں کوئی ایسی بات شریعت میں پیدا کردیتے ہیں، جو اسلاف میں کسی کا قول بھی نہ ہو، بلکہ ان سب کا اجماع اس کے خلاف پر ہو چکا ہو وہ سراسر گمراہی نہیں تو اور کیا ہے، اس کے بالمقابل جس امر میں اہل حق کا اختلاف رہ چکا ہو، اس میں فی الجملہ وسعت وسہولت پیدا ہوگئی ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

أخرجه أبوداود (الفتن/ذكر الفتن ودلائلها، رقم ۴۲۵۳) والطبراني في الكبير (۳/رقم ۳۴۴۰) عن ابى مالك الأشعرى رضي الله عنه، قال المنذري في "المختصر" (۴/۹۱): "فيه محمد بن اسماعيل بن عياش الحمصي، عن أبيه، قال أبوحاتم الرازي: "لم يسمع من أبيه شيئًا، حملوه على أن يحدث عنه، فحدث: وأبواسماعيل بن عياش: قد تكلم فيه غير واحد" اهـ

قلنا: لعل المصنف أراد به ماروى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: "اختلاف أمتى رحمة للناس" وفي بعض الروايات اختلاف اصحابي لكم رحمة" رواه نصر المقدسى في الحجة، والبيهقي في الرسالة القشرية معلقا بغير سند بقوله: "رُوى"، وأورده الحليمى، والقاضى حسين، وامام الحرمين، وغيرهم، كلهم باللفظ الاول، كما في الجامع الصغير وشرحه فيض القدير (۱/۲۰۹، ۲۱۲، رقم ۲۸۸) قال السيوطى: "ولعله خرج في بعض كتب الحفاظ التى لم تصل الينا" اهـ وقال السبكى: وليس بمعروف عند المحدثين، ولم أقف على سند صحيح ولا ضعيف ولا موضوع اهـ نقله عنه المناوي في فيض القدير.

ورواه البيهقي في المدخل من طريق جوير عن الضحاك، عن ابن عباس مرفوعاً باللفظ الثانى، ومن هذا الوجه أخرجه الطبراني، والديلمى، قال السخاوى في المقاصد الحسنة (ص۲۷): "وهو ضعيف جدا، والضحاك عن ابن عباس منقطع.

قال وعزاه العراقى لآدم بن أبي اياس في كتاب العلم والحكم، وقال: وهو مرسل ضعيف.

ثم قال السخاوى: وقد قرأت بخط شيخنا (الحافظ ابن حجر): انه حديث مشهور على الألسنة، وزعم كثير من الأئمة أنه لا أصل له، لكنه ذكره الخطابى في غريب الحديث مستطرداً، وأشعر بأن له اصلا عنده" اهـ ملخصًا.

وانظر التذكرة (ص۶۴، رقم ۲۳) وأسنى المطالب (۷۵) والأسرار المرفوعة للقاري (رقم۱۷) وكشف الخفاء (۱/۶۶، ۶۸، رقم ۱۵۲) قوله: "اختلاف أمتي" قال المناوي: أى مجتهدي أمتي في الفروع التي يسوغ الاجتهاد فيها، فالكلام في الاجتهاد في الأحكام، قوله: "رحمة للناس" قال المناوي: اى اختلافهم توسعة على الناس بجعل المذاهب كشرائع متعددة بعث النبى صلى الله عليه وسلم بكلها لئلا تضيق بهم الامور" اهـ فيض القدير (۱/۲۰۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیز، جن کا لقب عمر ثانی ہے اور ان کی خلافت خلافت راشدہ کے گویا برابر سمجھی جاتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”مَا سَرَّنِیْ لَوْ أَنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْتَلِفُوْا، لِأَنَّهُمْ لَوْ لَمْ یَخْتَلِفُوْا لَمْ تَکُنْ رُخْصَةٌ.

(مجھے اس بات سے مسرت نہ ہوتی کہ حضور کے صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا، اس لئے کہ ان میں اگر اختلاف نہ ہوتا تو گنجائش نہ رہتی (زرقانی علی المواہب)

دارمی نے بھی اس قسم کا مقولہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نقل کیا ہے، اور اس کے بعد لکھا ہے کہ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی سلطنت میں یہ احکام بھیج دیئے کہ؛ ہر قوم اس کے موافق عمل کرے جو وہاں کے علماء کا فتویٰ ہو۔

عون بن عبداللہ تابعی، جو بڑے قراء اور بڑے عابدین میں ہیں، کہتے ہیں کہ: مجھے یہ بات پسند نہیں کہ حضرات صحابہ کرام میں اختلاف نہ ہو؛ اس لئے کہ اگر وہ حضرات کسی چیز پر مجتمع ہوں اور پھر کوئی شخص اس کے خلاف کرے تو وہ تارک سنت ہے، اور اگر ان میں اختلاف ہو پھر کوئی شخص ان کے اقوال میں سے کسی پر عمل کرلے تو وہ حدود سنت سے نہیں نکلتا۔ (دارمی)

عبداللہ بن مبارکؒ جو جلیل القدر امام ہیں، کہتے ہیں کہ: قرآن وحدیث کے مقابلہ میں کسی کا قول معتبر نہیں، نہ صحابہ کے اجماعی قول کے مقابلہ میں، ہاں! جس چیز میں صحابہ میں اختلاف ہے اس میں ہم اس چیز کو اختیار کریں گے جو قرآن وحدیث کے زیادہ قریب ہوگی۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں صحابہ کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے۔ (مقدمۃ اوجز)

”درمختار“ اور ”شامی“ میں لکھا ہے کہ: مجتہدین کا اختلاف رحمت ہے اور جتنا بھی اختلاف زیادہ ہوگا رحمت زیادہ ہوگی، اور میں پوچھتا ہوں کہ علما کا اختلاف کب نہیں ہوا کون سا دور کونسا وقت ابتداء اسلام، بلکہ ابتدائے عالم سے ایسا گذرا ہے جس میں علماء کا اور اہل حق کا اختلاف نہیں ہوا، خود حق جل وعلا نے سارے ہی انبیاء پر کیا ایک ہی دین اتارا، اصول دین میں اتحاد رہا اور

أخرجه البيهقي في المدخل (كما في التذكرة للزركشي ص٦٤، ٦٥) والمقاصد الحسنة ص٢٧) عنه رحمه الله.

أخرجه الدارمي في مقدمة سننه (رقم ٦٢٨) عنه رحمه الله

أخرجه الدارمي في مقدمة سننه (رقم٦٢٩) عنه رحمه الله.

مقدمة أوجز المسالک للمصنف (الباب الرابع/الفائدة التاسعة ١/١٩١)

فروع میں ہمیشہ اختلاف رہا، کیا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہما السلام کے متعدد فیصلوں میں اختلاف نہیں ہوا، اور باوجود اس اختلاف کے حق تعالیٰ شانہ نے دونوں کی مدح نہیں فرمائی ہے، چناں چہ ارشاد ہے: ”فَفَهَّمۡنَاهَا سُلَيۡمَانَ وَكُلًّا آتَيۡنَا حُكۡمًا وَّعِلۡمًا“ (سورہ انبیاء رکوع ۶) (ہم نے اس کھیت والے مقدمہ کو جس کا اوپر سے ذکر ہو رہا ہے) سلیمانؑ کو سمجھا دیا اور دونوں کو (حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو) حکمت اور علم عطا فرمایا تھا (یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلاف شرع نہ تھا۔ (بیان القرآن)

اس کے علاوہ سنو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: آسمان میں دو فرشتے ہیں، ایک سختی کا حکم کرتے ہیں، دوسرے نرمی کا، اور دونوں صواب پر ہیں، ایک جبرئیل علیہ السلام، دوسرے میکائیل علیہ السلام، اور دو نبی ہیں ایک نرمی کا حکم کرتے ہیں، دوسرے سختی کا، اور دونوں صواب پر ہیں، ایک ابراہیم علیہ السلام، دوسرے نوح علیہ السلام اور میرے دو ساتھی ہیں، ایک نرمی کا حکم کرتے ہیں اور دوسرے سختی کا۔ ایک حضرت ابوبکرؓ دوسرے حضرت عمرؓ (کذا فی الجامع الصغیر)

اس کلیہ کے تحت میں علمائے امت اور صوفیہ ملت، نیز ہر دور کے اکابر کا بیشتر و اکثر امور اختلاف رہا ہے کہ طبیعت کے اختلاف کی وجہ سے بہت سے امور میں ایک عالم باعمل محقق کی راء سختی کی طرف مائل ہوئی، اس نے بہت سے امور میں میں سخت گیری کو ضروری سمجھا، دوسرے نے نرمی کو ضروری سمجھا، چناں چہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین کا اختلاف اسی شدت و نرمی کے رنگ کا اثر تھا۔

(كذا في الجامع الصغير برواية الطبراني وابن عساكر عن ام سلمة ورقم له بالضعف لكن قال العزيزي باسناد صحيح تشرف)

بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کا اختلاف

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب بدر کے قیدی لائے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ لوگ آپ کی قوم ہیں، آپ کے قرابت دار ہیں، ان کو

أخرجه الطبراني في الكبير (۲۳/رقم ۵۱۷) وابن عساكر في تاريخه (ترجمة عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم ۱۰۳۹۴) عن أم سلمة رضي الله عنها، قال الهيثمي في المجمع (۹/ ۵۱): رواه الطبراني، ورجاله ثقات، وانظر الجامع الصغير (رقم۵۹۲۸)

زندہ چھوڑ دیجئے، کیا بعید ہے کہ یہ توبہ کرلیں اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، ان کی گردنیں اڑا دیجئے، لوگوں میں اختلاف تھا، کہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر عمل ہوگا، یا حضرت عمرؓ کی، حضورؐ نے سکوت فرمایا، اندر تشریف لے گئے، پھر باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ بعض لوگوں کے دل نرم فرما دیتے ہیں، حتیٰ کہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہوجاتے ہیں اور بعض لوگوں کے دلوں کو سخت فرماتے ہیں، حتیٰ کہ پتھر سے زیادہ سخت ہوجاتے ہیں، ابوبکر تمہاری مثال حضرت ابراہیم جیسی ہے، جنہوں نے فرمایا: ''فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْم'' (س ابراہیم ع ۶) جو میری راہ پر چلے گا تو وہ میرا ہے ہی اور اس کی مغفرت کا وعدہ ہے) اور جو میرا کہنا نہ مانے تو آپ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں، اور تمہاری مثال (اے ابوبکر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے فرمایا: ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم'' (س مائدہ ع ۱۶) اگر آپ ان کو سزا دیں (جب بھی آپ مختار ہیں کیوں کہ) یہ آپ کے بندے ہیں (اور آپ مالک ہیں اور مالک کو حق ہے کہ بندے کو ان کے جرائم پر سزا دے) اور اگر آپ معاف فرمادیں (تب بھی مختار ہیں کہ) آپ قدرت والے حکمت والے ہیں، اور عمرؓ تمہاری مثال حضرت نوحؑ جیسی ہے جنہوں نے فرمایا: ''رَبِّ لَاتَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّاراً.'' (سورہ نوع رکوع ۲) اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی نہ چھوڑ (کیوں کہ اگر آپ ان کو چھوڑ دیں گے تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کردیں گے) اور عمر تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے فرمایا: ''رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَایُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُ الْعَذَابَ الْاَلِیْم''. (سورہ یونس رکوع ۹) اے ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو نیست نابود (اور ملیا میٹ) کردیجئے اور ان کے دلوں کو (زیادہ) سخت کردیجئے (جس سے ہلاکت کے جلد مستحق ہوجائیں) پس وہ ایمان نہ لاویں (بلکہ اپنے کفر میں بڑھتے رہیں) یہاں تک کہ دکھ دینے والے عذاب کو دیکھیں۔ (دربروایة الترمذي، وحسنه الحاکم، وصححه وغیرهما) اسی طرح حضرات شیخینؓ میں اور بھی امور میں

● أخرجه أحمد (۱/۳۸۳، ۳۸۴) والترمذي (الجهاد/ماجاء في المشورة، رقم ۱۷۱۴) والتفسیر/الأنفال رقم ۳۰۸۴) والحاکم في المستدرک (۳/۲۱، ۲۲) والطبراني في الکبیر (رقم ۱۰۲۶۰) من طریق أبي عبیدة بن عبدالله، عن أبیه عبدالله بن مسعود رضي الله عنه، وقال الترمذي: حدیث حسن، وابوعبیدة لم یسمع من أبیه'' اهـ وصححه الحاکم ووافقه الذهبي.

اختلاف ہوا، مانعین زکوۃ سے قتال میں اختلاف ہوا۔ اور پھر قتال کے بعد ان لوگوں کے اموال کو غنیمت اور اہل وعیال کو باندی اور غلام بنانے میں اختلاف ہوا۔ اسامہ کے لشکر کو بھیجنے میں اختلاف ہوا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی میں اختلاف ہوا، بالآخر حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے زمانہ میں باوجود حضرت عمر کے اصرار کے معزول نہ کیا اور حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہوتے ہی معزول کردیا۔ جمع قرآن پر اختلاف ہوا۔ دادا کی میراث میں اختلاف ہوا۔ اس چور کے بارے میں اختلاف ہوا جو تیسری مرتبہ چوری کرے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بایاں ہاتھ کاٹا، حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں بایاں ہاتھ کاٹنے سے انکار کردیا۔ ام ولد کی بیع حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک جائز ہے، حضرت عمرؓ کے نزدیک ناجائز ہے۔

غرض بیسیوں مسائل فقہی اور سیاسی ایسے ہیں جن میں ان جلیل القدر خلفاء اور امت کے سرداروں میں اختلاف تھا، تفاصیل کے لئے بڑے دفتر کی ضرورت ہے، ایک خط میں سب کا ذکر مشکل ہے، اسی طرح اور حضرات صحابہ کرامؓ میں بھی بہت سے مسائل میں مشہور ومعروف اختلافات ہیں، ابوجعفر منصور نے حضرت امام مالک سے درخواست کی کہ ایک کتاب ایسی تصنیف کردیجئے جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی سختیاں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی سہولتیں نہ ہوں

أخرجه البخاري (الزكاة/وجوب الزكاة، رقم ١٣٩٩) ومسلم (الايمان/الأمر بقتال الناس حتى يقولوا "لا اله الا الله"، رقم ٢٠) والترمذي (الايمان/ماجاء أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: "لا اله الا الله"، رقم ٢٦٠٦) عن أبي هريرة رضي الله عنه، وقال الترمذي : "حديث حسن صحيح، وانظر البداية والنهاية لابن كثير (٦/٣٠٢، ٣٠٤)

فتح الباري (استتابة المرتدين، رقم الحديث ٦٩٢٤، ٦٩٢٥، ١٢/٣٤٦) اعلاء السنن (١٢/٣٣١)

البداية والنهاية (واقعات سنة ١١، ٦/٢٩٥،٢٩٦)

المصدر السابق (٦/٣١٥)

أخرجه البخاري (فضائل القرآن/جمع القرآن، رقم ٤٩٨٦) والترمذى (التفسير/التوبة، رقم ٣١٠٣) عن زيد بن ثابت رضي الله عنه، وقال الترمذي: "حديث حسن صحيح"

ذكره البخارى تعليقاً (الفرائض/ميراث الجد مع الاب والاخوة) والسنن الكبرى للبيهقى (٦/٢٤٤، ٢٤٦)ونيل الأوطار للشوكانى (٦/٦٦) ط:بيروت.

المغني لابن قدامة (٨/١٨٢، ١٨٣) وبداية المجتهد لابن رشد (٢/٢٦٣)

بداية المجتهد (٢/٥٧٤)

(مقدمہ اوجز)۔

جس سے معلوم ہوا کہ حضرات شیخین کی طرح ان دونوں حضرات میں سختی اور نرمی کے اعتبار سے کلی اختلاف تھا، بالجملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بہت کثرت سے مسائل میں اختلاف رہا ترمذی شریف پڑھنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں، تمہیں معلوم ہے کہ اغلام کی سزا حضرت ابوبکر کے نزدیک یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلادیا جائے، حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس آبادی میں جو سب سے اونچا مکان ہو اس پر سے اوندھے منہ گرایا جائے اور بہت سے صحابہ کے نزدیک قتل کردیا جائے۔

شرم گاہ کے چھونے سے حضرت عمرؓ کے نزدیک وضوٹوٹ جاتا ہے، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔

سمندر کے پانی سے وضو کرنا جمہور صحابہ کے نزدیک جائز ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک مکروہ ہے۔

جمعہ کے دن خوشبو کا استعمال کرنا جمہور صحابہ کے نزدیک مستحب ہے، حضرت ابوہریرہؓ کے نزدیک واجب ہے۔

حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک زندوں کے رونے سے مردے کو عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ اس کا سختی سے انکار کرتی ہیں۔

زہری کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہؓ میں اختلاف تھا کہ رمضان کے روزوں کی قضا کا لگاتار رکھنا ضروری ہے یا الگ الگ رکھنا بھی جائز ہے۔

ایک بڑی جماعت کا صحابہ کرام میں سے مذہب یہ تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے

نيل الأوطار (۷/۱۲۳)

المغني (۱/۱۴۴) ونيل الأوطار (۱/۲۱۶)

الاستذكار لابن عبدالبر (۲/۹۹) ونيل الأوطار (۱/۲۶)

الاستذكار (۳/۲۷۱، ۲۷۲)

صحيح البخارى (الجنائز/رقم ۱۲۸۶، ۱۲۹۰) وصحيح مسلم (الجنائز/الميت يعذب ببكاء أهله، رقم ۹۲۷، ۹۳۲) ونيل الأوطار (۴/۱۱۳)

أخرجه مالک في الموطا (الصيام/ماجاء في قضاء رمضان والكفارات، رقم ۴۶) عنه رحمه الله، وانظر لزاما الاستذكار (۱۰/۱۷۹) ومصنف عبدالرزاق (۴/۲۴۰، ۲۴۲)

وضوٹوٹ جاتا ہے، ان میں حضرت انسؓ، ابو ہریرۃؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ وغیرہ بھی ہیں، لیکن خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مذہب ہے کہ تیمّم میں کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا ضروری ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مذہب ہے کہ پہنچوں تک کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انسؓ کا مذہب ہے کہ نمازی کے سامنے گدھا گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، وغیرہ حضرات کا مذہب یہ ہے کہ نہیں ٹوٹتی۔

اگر صرف دو مقتدی ہوں تو صحابہ کے نزدیک امام کو آگے کھڑا ہونا چاہئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مذہب ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہونا چاہئے۔

حضرت عمرؓ اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہ میں بہت سے مسائل میں اختلاف ہے، حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت ابن عمر وتر کی تینوں رکعتوں کے درمیان سلام پھیرتے ہیں (یعنی دو رکعت علیحدہ اور ایک رکعت علیحدہ پڑھتے ہیں) انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ تینوں رکعتوں کو ملا کر پڑھتے تھے اور وہ ابن عمرؓ سے زیادہ فقیہ تھے۔ (حاشیہ بخاری)

غرض سیکڑوں ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں مسئلے فقہی اور سیاسی ایسے ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے، اس کے بعد ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا مستقل اختلاف تو بارہ سو برس سے مسلسل چلا آرہا ہے، ہر امام کے لاکھوں کروڑوں مقلد اسی اختلاف پر عمل کرتے چلے آئے، چار رکعت نماز میں علماء کے اختلافات ایک مرتبہ تلاش کرنے شروع کئے تھے، ڈیڑھ سو سے زیادہ مسئلے مختلف فیہ مجھ جیسے کوتاہ نظر کو ملے تھے، وسیع النظر لوگوں کے علم میں نہ معلوم کتنے ہوں گے، جمعہ کے دن میں ایک ساعت مبارک ہے جس میں جو دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے، اہل علم کے اس کی تعیین میں تقریباً پچاس قول ہیں، کہ وہ کب ہوتی ہے۔ (اوجز) لیلۃ القدر کی تعیین میں بھی تقریباً پچاس قول علماء کے ہیں، (اوجز) قرآن پاک کی آیت میں تمام نمازوں کے اہتمام کا

الاستذکار (۲/۱۴۲، ۱۴۶)

المغنی لابن قدامۃ (۱/۱۸۷)

شرح معانی الآثار للامام أبي جعفر الطحاوی (الصلاۃ/المرور بین ایدی المصلی، ۱/۲۶۸) ونیل الأوطار (۳/۱۲، ۱۴) وأوجز المسالک (۳/۲۰۲، ۲۰۴) ط: مکۃ المکرمۃ.

نیل الأوطار (۳/۱۹۰) ومصنف عبدالرزاق (۲/۴۰۷، ۴۰۸)

أخرجه الحاكم في المستدرک (۱/۳۰۴) عن حبیب المعلم، وسکت عنه هو والذهبی أیضا.

عموماً اور درمیانی نماز کے اہتمام کا خصوصی حکم ہے، علماء کے اس درمیانی نماز کے تعین میں بائیس قول ہیں، اسی طرح بہت سے مسائل ہیں جن میں علماء کا اختلاف ایک دو قولوں پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ کئی کئی مذہب علماء کے ان میں ہوتے ہیں، اور ہوتے چلے آئے ہیں کیا یہ سب ہی فتنہ تھا اور ہے، کیا ان اختلافات کی وجہ سے امت مصیبت میں گرفتار ہوگئی یا ان کو سہولت نصیب ہوئی؟ قدردانوں کی رائے میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس سے کتنی مسرت تھی، ابوجعفر منصور بادشاہ جب حج کو گئے تو انہوں نے حضرت امام مالک سے درخواست کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ اپنی تصانیف کے متعدد نسخے لکھدیں، میں ان کو سلطنت میں شائع کردوں گا اور حکم دے دوں گا کہ سب اس کے موافق عمل کریں اور اس سے تجاوز نہ کریں، حضرت امام مالکؒ نے اس ارادہ سے روکا اور فرمایا کہ لوگوں کے پاس مختلف روایات حدیث پہنچی ہوئی ہیں اور ہر جماعت نے ان روایات کے موافق عمل درآمد کر رکھا ہے، اس لئے ان کو ان کے مذاہب کے موافق چھوڑا جائے، اس کے بعد امیر المومنین ہارون رشید نے اپنے زمانہ سلطنت میں حضرت امام مالکؒ سے مشورہ کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ موطا مالک کا ایک نسخہ کعبہ میں لکھ دیا جائے اور اعلان کردیا جائے کہ سب اس کے موافق عمل کریں، حضرت امام نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرام کا فروعی مسائل میں اختلاف رہا ہے اور وہ اپنے اجتہادات میں حق پر ہیں، شہروں میں وہ مسائل شائع ہیں، لوگ ان پر عمل کررہے ہیں، ہارون رشید نے اس مشورہ کو پسند کیا۔ (مقدمہ اوجز)

حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف مشہور و معروف ہے اور سیکڑوں ہزاروں مسئلوں میں اختلاف ہے، لیکن امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو فقیہ بننا چاہے اس کو چاہیئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کو چمٹ جائے، میں خود امام محمد کی کتابوں سے فقیہ بنا ہوں۔ (درمختار)

امام اعظمؒ نے اپنے شاگردوں سے خود فرمایا کہ جہاں کہیں میرے قول کے خلاف تمہیں کوئی دلیل مل جائے اس کو اختیار کرلو۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ کا یہ ارشاد اسی پر مبنی ہے کہ (علماء کا) اختلاف رحمت کے آثار سے ہے، جتنا اختلاف ہوگا (بشرطیکہ وہ قواعد کے موافق ہو، اصول کے تحت میں

در مختار (۱/۸، ط: دھلی)

المصدر السابق (۱/۱۴)

ہو) اتنی ہی رحمت زیادہ ہوگی (شامی) ان حضرات کو اختلاف میں ذرا بھی اشکال پیش نہیں آتا تھا، اس سب کے بعد میں پوچھتا ہوں کہ جن چیزوں میں علماء میں اختلاف نہیں ہے، انہیں کا کیا حشر ہو رہا ہے، نماز کے پڑھنے میں کسی عالم کا اختلاف ہے؟ داڑھی، شراب، سود غرض ہزاروں مسئلے ایسے ہیں، جن میں ذرا بھی علماء کا اختلاف نہیں ہے، ان کا حشر تم خود دیکھ رہے ہو۔

اب غور سے سنو، میرے خیال ناقص و نارسا میں ان روز افزوں نزاعات کی اکثر و بیشتر دو وجہیں ہیں، ایک بعض علماء کی طرف سے ہے، دوسری اکثر عوام کی طرف سے، علماء کی طرف سے تو یہ ہے کہ وہ اپنے ان جزوی اختلافات کو علماء تک محدود نہیں رکھتے، بلکہ بعض تو اس کی سعی کرتے ہیں کہ عوام کی مدد اور اعانت ان کے ساتھ ہو اور ان کی اعانت سے وہ دوسرے اہل حق کی توہین و تذلیل کریں، حالاں کہ بہتر یہ تھا کہ وہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں، اس کو بلا خوف لومۃ لائم ظاہر کر دیں اور اس کی پروا نہ کریں کہ ان کے قول پر کوئی عمل کرتا ہے یا نہیں، کسی کے عمل نہ کرنے سے اہل حق کی حقانیت میں کیا فرق آتا ہے، بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ایسے تھے جن پر ایمان لانے والا ان کے کہنے پر عمل کرنے والا، ایک ہی شخص تھا۔* (مشکوۃ)

تو کیا اس کی وجہ سے نبی کی شان میں کوئی نقص پیدا ہو گیا، حضرت ابوذرؓ کی تحقیق جمہور صحابہ کے خلاف یہ تھی کہ مال کا جمع کرنا مطلقاً ناجائز ہے، وہ ہر مجمع میں اپنی تحقیق کا اعلان کر دیتے تھے اور اس کی پروا بھی نہ کرتے تھے کہ کوئی قبول کرتا ہے یا نہیں، بالخصوص ایسی حالت میں کہ عوام ان کے اختلافات کو سمجھنے سے قاصر ہیں، تو ایسی حالت میں ان پر ان چیزوں کا یا اظہار نہ ہوتا، جہاں علماء کا مجمع ہوتا وہاں ظاہر کی جاتیں، یا اگر بضرورت تبلیغ اور بخوف کتمان علم اظہار کیا جاتا تو جب عوام کی عقول ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں تو ان پر اس کا زور نہ دیا جاتا کہ وہ خواہ مخواہ ان کے ہمنوا بنیں، یہ حضرات یہ سمجھ لیتے کہ جب دوسرے اہل حق اس میں خلاف کر رہے ہیں، تو عوام کے لئے عمل کی گنجائش ہے، نہ یہ کہ دوسرے اہل حق کے خلاف عوام کو مشتعل کریں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسروں کے متبعین ان کے خلاف مشتعل ہوں گے اور اس کا جو حشر ہو رہا ہے وہ ظاہر ہے، ہمارے اکابر و اسلاف کا اسوہ اس چیز میں بھی ہمارے سامنے ہے، صحابہ کا معمول وتر کی تین رکعت پڑھنے کا تھا، امیر معاویہؓ نے ایک رکعت وتر کی پڑھی حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ

* مشکاة (بدء الخلق/الفصل الاول) أخرجه مسلم (الايمان/قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: أنا أول الناس یشفع في الجنة، رقم ۱۹۶) عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه.

کریب نے دیکھا، تعجب سے حضرت ابن عباس سے کہا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان سے تعرض نہ کرو، وہ خود فقیہ ہیں۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور جمہور صحابہ کا معمول سفر میں دو رکعت نماز پڑھنے کا تھا، کسی نے ان سے کہا کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں (حالاں کہ وہ مسافر تھے) تو عبداللہ بن مسعود نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا کہ میں نے منیٰ میں حضور کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں حضرت عمرؓ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ خود حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کی خلافت کے شروع زمانہ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ لیکن اس سب کے باوجود ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عثمان کے ساتھ چار رکعتیں پڑھیں، کسی نے عرض کیا کہ آپ نے تو حضرت عثمان پر چار رکعت پڑھنے کا اعتراض کیا تھا، پھر خود بھی چار پڑھیں، انہوں نے فرمایا کہ مخالفت زیادہ سخت ہے۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے نزدیک حضرت عثمان مسافر تھے، اس لئے ابن مسعودؓ نے اپنی تحقیق کو ایک محقق کے مقابلہ میں واجب العمل نہیں سمجھا، حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ کسی شخص کو اپنا خلیفہ ولی عہد بنائیں گے انہوں نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو میرے لئے گنجائش ہے اس لئے کہ حضور نے کسی کو (نصًا) خلیفہ نہیں بنایا اور اگر خلیفہ بنادوں تب بھی گنجائش ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنایا۔

أخرجه البخاری (المناقب/ذکر معاوية رضي الله عنه، رقم ٣٧٦٤، ٣٧٦٥) عن أبي مليكة، وانظر فتح الباری (١٣٠/٧)

أخرجه أحمد (٣٧٨/١) والبخاری (التقصير الصلاة بمنی، رقم١٠٨٤) ومسلم (الصلاة/قصر الصلاة بمنی، رقم٦٩٥) عن عبدالرحمان بن يزيد، عن ابن مسعود .

أخرجه البخاری (التقصير/الصلاة بمنی، رقم ١٠٨٢) ومسلم (الصلاة/قصر الصلاة بمنی، رقم ٦٩٤) عن نافع عن عبد الله بن عمر قال "صليت مع النبی) الخ وفی رواية مسلم: "صلی رسول الله صلی الله عليه وسلم بمنی ركعتين -الی- وعثمان صدرا من خلافته، ثم ان عثمان صلی بعد أربعا" قلنا: فالمصلی مع عثمان في هذا الحديث هو ابن عمر، ابن مسعود، كما يوهمه تعبير المصنف.

أخرجه أبوداود (المناسک/الصلاة بمنی، رقم١٩٦٠) عن معاوية بن قرة، عن اشياخه ان عبدالله صلی أربعا الخ قلنا: وليس فيه تصريح بأنه صلاها مع عثمان رضي الله عنه، والله اعلم.

أخرجه البخاری (الأحكام/الاستخلاف، رقم ٧٢١٨) ومسلم (الأمارة/الاستخلاف وتركه، رقم١٨٢٣) عن ابن عمر رضي الله عنهما.

حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک مانعین زکوۃ سے قتال کے بعد ان کے اموال غنیمت تھے اور ان کے اہل وعیال غلام باندیاں، حضرت عمرؓ کو اس میں اختلاف تھا، صدیقی دور میں حضرت صدیق اکبرؓ کے فتوے پر عمل رہا، اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ نے قبول کیا، فاروقی دور میں حضرت عمرؓ کے فتوے پر عمل تھا اور دوسرے لوگوں نے اس پر عمل کیا۔ (فتح الباری)

حضرت امام شافعی کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت کا پڑھنا سنت ہے، ایک مرتبہ امام اعظمؒ کی قبر پر حاضر ہوئے اور صبح کی نماز وہاں پڑھی اور قنوت نہیں پڑھی، بعض روایات میں ہے کہ بسم اللہ بھی آواز سے نہیں پڑھی (حالاں کہ وہ بھی ان کے نزدیک سنت ہے) کسی نے استفسار کیا تو فرمایا کہ اس قبر والے کے ادب نے روک دیا۔

بعض لوگ اس قصہ پر بہت شور کرتے ہیں کہتے ہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ کسی کی وجہ سے سنت پر عمل چھوڑ دیا جائے، امام شافعیؒ کی شان اس سے ارفع ہے کہ ایک مجتہد کی قبر کی وجہ سے سنت کو چھوڑ دیں، حالاں کہ اس چیز کا تعلق سمجھ سے ہے، امام اعظمؒ کے ادب سے سنت کو نہیں چھوڑا، بلکہ ان کے ادب سے ان کی تحقیق کو اپنی تحقیق پر مقدم سمجھا کہ ان کے نزدیک یہ چیزیں سنت نہیں ہیں، بلکہ سنت قنوت کا نہ پڑھنا ہے اور بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا ہے، ایک شخص اپنی تحقیق سے کسی چیز کو سنت سمجھنے کے باوجود دوسرے محقق عالم کی تحقیق پر عمل کرلے تو کیا حرج ہے، محققین شافعیہ اس قصہ کو قبول فرماتے ہیں چناں چہ علامہ ابن حجر مکی باوجود محقق شافعی ہونے کے، لکھتے ہیں کہ لوگوں نے اس قصہ میں اشکال سمجھ لیا حالاں کہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لئے کہ بسا اوقات سنت کے ساتھ ایسی چیز معارض ہوجاتی ہے جو اس سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے، مثلاً علماء کی رفعت شان کا اظہار کہ وہ امر مؤکد ہے، بالخصوص حاسدوں اور جاہلوں کے مقابلہ میں، بالخصوص ایسی حالت میں کہ یہ امر متفق علیہ ہے اور قنوت اور بسم اللہ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے بالخصوص امام اعظم کے معاملہ میں کہ ان کے حاسد بہت زیادہ تھے جو غلط الزامات ان پر لگاتے تھے، حتی کہ جھوٹے الزام سے ان کی زندگی کو ختم کرادیا گیا، ایسی حالت میں ان کی تعظیم وتکریم کا اظہار از بس ضروری تھا وغیرہ وغیرہ (مقدمہ اوجز)۔

فتح الباری (استتابة المرتدین/قتل من أبی قبول الفرائض، ۱۲/۳۴۶، ۳۴۷)

الخیرات الحسان لابن حجر الہیثمی المکی (ص۵) ط:میمنیہ مصر، وانظر مقدمہ أوجز المسالک (۱/۱۸۸)

ہمارے مشائخ واکابر میں ہمیشہ سے بہت سے مسائل میں اختلاف ہوتا آیا ہے، لیکن کبھی بھی ان حضرات نے اپنے متبعین پر اس کا جبر نہیں کیا کہ ہمارے قول پر عمل کیوں نہیں کرتے۔

حضرت سہارنپوری اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کا چند مسائل میں اختلاف اور طرز عمل

میرے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور میرے والد صاحبؒ میں متعدد مسائل میں اختلاف تھا اور حضرتؒ بعض لوگوں کو خود فرما دیتے تھے کہ میرے نزدیک فلاں چیز جائز نہیں، لیکن مولوی محمد یحییٰ صاحب کے نزدیک جائز ہے، تیرا دل چاہے اوپر جا کر ان سے پوچھ لے، اس کے موافق عمل کرلے، خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرتؒ کے اخیر رمضان المبارک میں شعبان کے چاند کی گڑ بڑے سے یہ بحث شروع ہوئی کہ آج مطلع صاف ہے، تیس روزے ہوجانے کے بعد اگر شام کو رویت نہ ہوئی تو کل روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں، حضرت کا ارشاد مبارک تھا کہ شعبان کے چاند میں جس شہادت پر مدار تھا، بعض وجوہ سے شرعی حجت نہ تھی، اس لئے روزہ ہے اور میرا ناقص خیال تھا، کہ وہ شرعی حجت سے صحیح تھی، اس لئے کل کا روزہ نہیں ہے، دن بھر بحث رہی شام کو چاند نظر نہ آیا، حضرت نے طے فرمادیا کہ میں روزہ رکھوں گا، میں نے عرض کیا میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ میرے اتباع کی ضرورت نہیں، سمجھ میں آگیا ہو تو رکھو، ورنہ نہیں، بالآخر حضرت کا روزہ تھا، اور میرا افطار حضرتؒ کے خدام میں اور بھی متعدد ایسے تھے، جنہوں نے افطار کیا اور متعدد نے روزہ رکھا، حضرت نے ان سے دریافت بھی نہ فرمایا کہ تم نے افطار کیوں کیا، گو مجھے اب تک قلق ہے کہ میں نے اپنی سمجھ کو حضرت کی رائے کے مقابلہ میں کیوں قابل اعتنا سمجھا، مگر حضرت نے ذرا بھی اشارۃً کنایۃً کچھ بھی نہیں فرمایا بلکہ کچھ تصویب ہی فرمائی۔

دوسری وجہ جو اس پہلی وجہ سے بھی زیادہ سخت ہے وہ یہ کہ عوام نے مسائل میں رائے زنی کو خواہ مخواہ اپنا مشغلہ بنالیا، ان کو اہل علم کے اختلاف میں حکم بننے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کے علمی ابحاث، ان کے علمی دلائل سمجھنے کی اہلیت نہیں، لیکن ان میں محاکمہ اور فیصلے یہ حضرات فرمانے لگے، حالاں کہ ان کا کام یہ تھا کہ علمائے حق میں سے جس کے ساتھ حسن عقیدت ہو، تجربہ سے اس کا دین دار، تجربہ کار ہونا، اللہ والا ہونا ثابت ہو چکا ہو، اس کا اتباع کرتے، لیکن یہ تو جب ہوتا

جب عمل مقصود ہوتا، یہاں مقصود ہی نزاع ہے، اس جلسہ اور اس تقریر میں ان کو لطف ہی نہیں آتا، جس میں دوسروں پر سب وشتم نہ ہو، دوسروں پر تنقید نہ ہو، دوسروں کی پگڑیاں نہ اچھالی جاتی ہوں، جس جلسہ میں سیدھی سیدھی دین کی باتیں بیان کی جائیں، وہ جلسہ نہایت پھیکا اور بے مزہ ہے وہ وعظ ہی نہیں، تقریر جانتا ہی نہیں، ماہر تقریر وہی ہے جو مخالفین کو کھری کھری سنائے، حالاں کہ شریعت مطہرہ میں، قرآن وحدیث میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہتمام سے روکا گیا ہے وہ آپس کا جھگڑا ہے، قرآن پاک میں سختی سے اس کی ممانعت کی گئی ہے، ارشاد ہے: ''وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ'' (س انفال ع ۶) اور آپس میں نزاع پیدا نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے (کہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

صحابہ کرام کے اختلاف کی چند مثالیں

بخاری شریف میں ایک قصہ نقل کیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پاک کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جو اس کے خلاف تھی جس طرح کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، میں اس کا ہاتھ پکڑ کر حضور کی خدمت میں لے گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں نے صحیح پڑھا، تم لوگ آپس میں اختلاف نہ کرو، پہلے لوگوں نے بھی آپس میں اختلاف کیا تھا تو وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔

یہاں آپس میں قراءت میں اختلاف ضرور تھا، اس کے باجود حضور نے دونوں کی تصویب فرمائی، گویا وہ اختلاف باقی بھی رکھا جو پہلے سے تھا، لیکن پھر بھی اختلاف کی ممانعت فرمائی اور اس کو ہلاکت کا سبب قرار دیا، تو یقیناً اس سے مراد وہی اختلاف تھا جو جھگڑے کی صورت میں نمودار ہوا۔

اسی قسم کا واقعہ حضرت عمرؓ کو پیش آیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام کو ''سورہ فرقان'' پڑھتے ہوئے سنا، وہ اس کے خلاف پڑھ رہے تھے، جس طرح مجھے حضورؐ نے پڑھائی تھی، (وہ نماز پڑھ رہے تھے، کہ میرے دل میں آیا کہ ان کو نماز پڑھتے ہوئے پکڑ کر حضورؐ کے پاس لے جاؤں، مگر میں نے اتنی دیر صبر کیا، کہ وہ نماز پڑھ چکیں، اس کے بعد میں نے ان کے گلے پر سے چادر پکڑ کر پوچھا کہ اس طرح یہ سورت تم کو کس نے پڑھائی، انہوں نے حضورؐ ہی کا نام لیا، میں نے کہا

أخرجه البخاري (الخصومات/مايذكر في الأشخاص، رقم ۲۴۱۰) والأنبياء/باب بدون ترجمة، رقم ۳۴۷۶) عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه.

جھوٹ ہے، پھر میں ان کو اسی طرح پکڑ کر حضور کی خدمت میں لے گیا اور جا کر عرض کیا کہ یہ اس کے خلاف پڑھ رہے تھے، جس طرح آپ نے مجھے پڑھائی ہے، حضور نے ہم دونوں کا پڑھنا سنا اور دونوں کو صحیح بتایا (درمنثور بروایۃ الشیخین وغیرہما)

ان کے علاوہ سیکڑوں واقعات حدیث کی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں جہاں آپس میں اختلاف ہوا اور حضور نے دونوں کو صحیح فرمادیا، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اپنی تحقیق کے خلاف کوئی بات ہوئی تو اس کا اظہار بھی نہ کرے، اگر وہ اہل تحقیق ہے یا اہل علم ہے، اس کی اہلیت رکھتا ہے تو ضرور مناسب طریقہ سے اس کا اظہار کیا جائے، اسی سورۃ کے بارہ میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ حضور صبح کی نماز میں ''سورہ فرقان'' پڑھ رہے تھے کہ ایک آیت چھوٹ گئی، نماز کے بعد حضور نے دریافت فرمایا کہ جماعت میں ابی بن کعب (جو بڑے مشہور قاری تھے) موجود نہیں؟ انہوں نے عرض کیا حاضر ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا تم نے مجھے متنبہ کیوں نہ کیا، انہوں نے معذرت کی کہ میں یہ سمجھا کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ (در بروایۃ ابن الانباری)

ابوداؤد شریف میں دو قصے اسی نوع کے مذکور ہیں، تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے تنبیہ کا حکم فرمایا تو دوسروں کو تنبیہ میں کیا مضائقہ ہے، شریعت مطہرہ نے تو اس کو اس قدر وسعت دی ہے کہ کلمہ حق کو ظالم بادشاہ کے سامنے اظہار کر دینے کو افضل الجہاد قرار دیا ہے اور ''لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ''۔

اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں کلیہ قرار دے دیا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ مقصود اللہ کی اطاعت ہو، کلمہ حق کا اظہار ہو، اپنی جماعت کی بے جا حمایت نہ ہو جس کو عصبیت اور تعصب کہا ہے، اختلاف میں کوئی مضائقہ نہیں وہ قواعد کے تحت میں ہو تو ممدوح ہے، اس اختلاف کو نزاع بنالینا، اس کو مسلمانوں کے تشتت اور افتراق کا سبب بنالینا مذموم ہے اور دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے، ہم لوگ اس اختلاف کو جو خوبی کی چیز تھی، اپنے لئے خود مصیبت اور سبب

أخرجه البخاري (فضائل القرآن/أنزل القرآن على سبعة أحرف، رقم ۴۹۹۲) ومسلم (فضائل القرآن /ان القرآن أنزل على سبعة أحرف، رقم ۸۱۸) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه.

أخرجه ابن الأنباري في المصاحف (كما في الدر المنثور /أول سورة الفرقان، ۵/۱۱۳) عن حميد بن عبدالرحمن بن عوف.

هذا حديث مرفوع، تقدم تخريجه، ص ۳۶، رقم الهامش: ۳.

ہلاکت بنارہے ہیں۔

حضرت حسن بصری کے ساتھ دو گروہ کا الگ الگ طرز عمل

حضرت حسن بصری جلیل القدر تابعی اور مشہور فقہاء اور اکابر صوفیہ میں ہیں، بعض مرتبہ تحقیق کے زور میں تقدیر کے مسئلہ میں ایسے الفاظ نکل گئے جو جمہور علماء کے خلاف تھے، بڑا شور مچا، بڑے زور بندھے، پھر کیا تھا جھوٹی باتیں بھی ان کی طرف منسوب ہونے لگیں، ایوب کہتے ہیں کہ دو قسم کے آدمیوں نے حضرت حسنؒ پر جھوٹ باندھا، ایک وہ لوگ کہ فرقہ قدریہ میں تھے، وہ اپنی رائے کو رواج دینا چاہتے تھے، تو حسن بصریؒ کو اپنا ہم مسلک ظاہر کرتے تھے، دوسرے وہ لوگ جن کو ان سے ذاتی بغض تھا، وہ ان کے اقوال کو پھیلاتے تھے۔ (ابوداؤد)

بعینہ یہی مثال ہمارے زمانہ میں ہے کہ جن لوگوں کو اپنی رائے کو رائج کرنا ہوتا ہے وہ جماعت کے بڑے کی طرف اس کو منسوب کردیتے ہیں، اور جن لوگوں کو ان سے خلاف ہوتا ہے، وہ ان اقوال کو جا و بے جا جھوٹ نقل کرتے ہیں، جس سے جھگڑے اور مخالفت کی خلیج وسیع ہوتی رہتی ہے حالاں کہ اتباع کا منصب یہ تھا کہ علمائے حق میں جس سے عقیدت ہو، اس کا عالم باعمل ہونا محقق ہوجائے اس کے ارشادات پر عمل ہو، لیکن ہم لوگوں میں باوجود ادعائے محبت وعقیدت عمل تو ندارد ہے، ساری محبت کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے بڑے کی حمایت میں دوسروں کے بڑوں کو گالیاں دیں، کلام اللہ شریف، جس کی تعلیم مسلمان کا ایمان ہے، وہ تو اس بارہ میں اتنا سخت کہ "وَلَاتَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْواً بِغَیْرِ عِلْمٍ" (س انعام ع ۱۳) ارشاد ہے کہ تم گالیاں نہ دو، ان (معبودوں) کو جن کو یہ مشرک اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر پکارتے ہیں، (اور عبادت کرتے ہیں کیوں کہ تمہارے ایسا کرنے سے) پھر وہ لوگ بوجہ جہل کے حد سے گذر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے، قرآن پاک تو دوسروں کے بتوں کو گالیاں دینے کی بھی ممانعت کرتا ہے، لیکن اس کے اتباع کے دعویداروں کا یہ عمل کہ ان کا کوئی جلسہ، کوئی جلوس بھی دوسروں کی بربادی کے نعروں سے، ان کے اکابر پر سب وشتم سے خالی نہیں ہوتا، آج کل ہر جماعت کا معظم عمل بجائے اپنی تعمیر، اپنی تقویت اور عمل کی تدابیر کے دوسروں کی تخریب، ان کو

* أخرجه أبوداود (السنة/من دعا الی السنة، رقم ۴۶۲۲) عن أیوب، وانظر "سیر أعلام النبلاء (۵۷۹/۴)

گالیاں دینا، مردہ باد کے نعرے لگانا بن گیا ہے پھر لطف یہ ہے کہ اس کی شکایت بھی ہر فریق کو ہے کہ مسلمان تباہ ہو گئے برباد ہو گئے، خود ہی ہر فریق دوسرے مسلمانوں کی بربادی کی دعائیں کرتا ہے اور خود ہی اس کا رونا روتا ہے کہ مسلمان برباد ہو گئے۔ فاللہ المستعان۔

اختلاف کی ہر نوع مذموم نہیں ہے

تنبیہ: اس تقریر سے یہ امر واضح ہوگیا کہ ہر اختلاف مذموم نہیں، بلکہ بہت سے اختلافات ممدوح بھی ہیں، البتہ بہت سی انواع اختلافات کی یقیناً مذموم اور قبیح ہیں، لہٰذا مطلق علماء کے اختلاف کو منشأ فساد قرار دینا اصول سے ناواقفیت ہے؛ بلکہ منشاء فساد علمائے حق کے ممدوح اختلاف میں نزاع کا پیدا کرنا ہے خواہ وہ علما کی طرف سے ہو، یا عوام کی طرف سے، جیسا کہ آج کل کثرت سے پیدا ہو رہا ہے، البتہ اختلاف ممدوح کی حقیقت قواعد سے واقفیت پر مبنی ہے، یہ بھی صحیح نہیں کہ ہر شخص جس چیز میں چاہے اختلاف پیدا کر دے اور وہ ممدوح بن جائے، ہر وہ چیز جو شریعت مطہرہ کی طرف سے منصوص طور پر ثابت ہے، استنباط کو اس میں دخل نہیں، اس میں اختلاف کا پیدا کرنا گمراہی ہے، جس کو اللہ جل جلالہ نے کلام پاک میں: ''وَلَاتَكُونُوا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَاجَائَهُمُ الْبَيِّنَاتُ'' (سورہ آل عمران رکوع ۱۱) سے ارشاد فرمایا ہے، اور نہ بن جاؤ تم ان لوگوں کی طرح جنہوں نے آپس میں تفریق پیدا کی اور (دین کے بارہ میں) اختلاف کیا، بعد ازاں کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچ چکے تھے، حضرت سعید بن المسیبؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ عصر کے بعد نفلیں پڑھ رہا ہے، اس شخص نے نماز کے بعد حضرت سعید بن المسیبؒ سے کہا کیا اللہ جل شانہ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب کرے گا، سعید نے فرمایا کہ نماز پر نہیں، بلکہ حضور کے خلاف طریقہ اختیار کرنے پر عذاب فرمائے گا۔ (دارمی)

اس شخص کا مقصود یہ تھا کہ نماز تو بہترین اور افضل ترین عبادت ہے، اس میں کیا ناجائز ہوسکتا ہے، لیکن چوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نفل نماز کو ناجائز فرمایا ہے، اس لئے حضرت سعید نے کہا کہ نماز اگرچہ بہترین چیز ہے، لیکن ناجائز وقت میں پڑھنا تو گناہ کا ہی سبب ہے۔

أخرجه الدارمي (المقدمة/مايتقى من تفسير حديث النبي صلى الله عليه وسلم، رقم ۴۳۶) عن سعيد بن المسيب.

حضرت عبادۃ بن الصامتؓ نے ایک حدیث بیان کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درم (چاندی کا ایک سکہ) کے بدلہ میں دو درم لینے سے منع کیا ہے، ایک شخص وہاں موجود تھا، کہنے لگا میرے خیال میں تو اس میں کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا، حضرت عبادۃؓ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ حضور نے منع کیا ہے اور تو کہتا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، خدا کی قسم میں تیرے ساتھ کبھی بھی ایک مکان میں مجتمع نہیں ہوسکتا۔

تمام فقہاء محدثین نے سلفاً خلفاً اس کی تصریح کی ہے کہ جو چیز اسلام میں قطعیت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے اس کا انکار کفر ہے، قاضی عیاض نے ''شفا'' میں اور ملا علی قاری نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے اس شخص کے کفر پر جو مسلمان کے قتل کو جائز سمجھے، یا شراب پینے کو یا زنا کرنے کو یا کسی ایسی چیز کا انکار کردے جس کا دین ہونا بالتواتر والبداہۃ ثابت ہے، ہاں کوئی نو مسلم ہو کہ اس کو ابھی تک سارے احکام معلوم نہ ہوئے ہوں تو معذور ہے، حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''ازالۃ الخفا'' میں تحریر فرمایا ہے کہ بادشاہ کے خلاف بغاوت تین وجہ سے کی جاسکتی ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ خدانخواستہ ضروریات دین کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جائے، اس صورت میں اس کے خلاف بغاوت واجب ہے اور یہ افضل ترین انواع جہاد ہے، اسی طرح سے ہر وہ چیز جو اختلاف کی حدود سے خارج ہے اس میں اختلاف پیدا کرنا ضلال ہے گمراہی ہے۔

عقائد میں اختلاف گمراہی ہے

علامہ زرقانیؒ ''شرح مواہب'' میں لکھتے ہیں کہ اس امت کا اختلاف ان چیزوں میں جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے، رحمت ہے، بہت بڑی نعمت ہے، بڑی عظیم فضیلت ہے، امت پر وسعت ہے اور یہ سب اقوال ایسے ہوں گے جیسے کہ مختلف شریعتیں ہیں، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب مجموعہ لے کر تشریف لائے، لہٰذا حضرات صحابہ کرام اور ان کے بعد کے علماء نے جو

أخرجه الدارمي (المقدمة/تعجيل عقوبة من بلغه عن النبي صلى الله عليه وسلم حديث فلم يعظمه ولم يوقره، رقم ۴۴۳) عن أبي المخارق، قال: ذكره عبادة بن الصامت رضي الله عنه .... فذكره.

استنباطات حضور کے اقوال وافعال سے کئے ہیں، وہ سب اپنے اختلاف کے باوجود بمنزلہ مختلف شرائع کے ہیں اور یہ بھی حضور کے معجزات میں داخل ہے، لیکن عقائد میں اجتہاد کرنا گمراہی ہے اور حق وہی ہے جس پر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے حدیث میں جس اختلاف کی تعریف ہے اس سے فرعی احکام کا اختلاف مراد ہے، اور جس تفریق کی ممانعت وارد ہوئی اس سے اصول کی تفریق مراد ہے، علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اصول کا اختلاف گمراہی ہے اور ہر فساد کا ذریعہ ہے اور مثال کے طور پر دیکھئے تقدیر کا مسئلہ اصول مسائل میں ہے، شریعت نے اس میں بحث کرنے کی بھی ممانعت فرمادی ہے، اس میں اختلاف پیدا کرنے پر احادیث میں کس قدر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں کہ الامان والحفیظ۔ حضور کا ارشاد ہے کہ فرقہ قدریہ (تقدیر کے انکار کرنے والے لوگ) اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ لوگ بیمار ہوں تو عیادت بھی نہ کرو، مرجائیں تو جنازہ میں بھی شریک نہ ہو۔ (ابوداؤد)

دوسری حدیث میں ہے کہ اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں، ان میں سے جو مرجائے اس کے جنازہ کی نماز میں بھی شریک نہ ہو، جو بیمار پڑ جائے، اس کی عیادت بھی نہ کرو، وہ دجال کی جماعت ہے، حق تعالیٰ شانہ ان کو دجال کی جماعت کے ساتھ شریک کردیں گے۔

یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں کہ میں اور حمید حج یا عمرہ کرنے جارہے تھے، ہمیں تمنا ہوئی کہ حضرات صحابہ میں سے کسی کی زیارت ہو تو ان سے قدریہ فرقہ کے بارہ میں سوال کریں، اتفاق سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہوگئی میں نے ان سے سوال کیا کیا کہ ہمارے نواح میں ایک جماعت پیدا ہوئی ہے جو علم میں بڑی تحقیقات کرتے ہیں، قرآن پاک بھی پڑھتے ہیں، مگر تقدیر کا انکار کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں ان سے بری

أخرجه ابوداود (السنة/باب في القدر، رقم ۴۶۹۱) والحاكم في المستدرك (۱/۸۵) من طريق أبي حازم، عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال المنذري في ا لمختصر (۲۹۲/۴) :هذا منقطع، أبوحازم سلمة بن دينار لم يسمع من ابن عمررضي الله عنه، وقد روى هذا الحديث من طرق، عن ابن عمر، ليس فيها شئي يثبت'' اهـ

أخرجه أبوداود (السنة/باب في القدر، رقم ۴۶۹۲) من طريق عمر مولى غفرة، عن رجل من الأنصار، عن حذيفة رضي الله عنه، قال المنذري في ''المختصر'' (۲۹۳/۴): عمر مولى غفرة: لايحتج بحديثه، ورجل من الأنصار مجهول، وقد روى من طريق آخر عن حذيفة، ولايثبت'' اهـ

ہوں، وہ مجھ سے بری ہیں۔ (ابوداؤد)

اور کثرت سے اس قسم کی روایات ان کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں، ابوبکر فارسی نے ''کتاب الاجماع'' میں نقل کیا ہے کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کی تہمت باندھے وہ باجماع علماء کافر ہے۔ (فتح الباری)

بخاری شریف میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خدمت میں زندیقیوں کی ایک جماعت لائی گئی، حضرت علیؓ نے ان کو آگ میں جلوادیا، حضرت ابن عباسؓ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نہ آگ میں نہ جلاتا، بلکہ قتل کرادیتا۔

متشابہات قرآنیہ میں بحث اور قصہ صبیغ

متشابہات میں کلام کرنے کی ممانعت ہے، صبیغ بن عسل عراقی ایک شخص بصرہ میں رہتا تھا جو متشابہات قرآنیہ میں بحث کرتا تھا، مصر پہنچا وہاں بھی مسلمانوں سے اس میں بحث شروع کی، حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کو اس بارہ میں عریضہ لکھا، انہوں نے اس کو طلب فرمایا، جب مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اس سے سوال کیا کہ تو کون شخص ہے، اس نے کہا اللہ کا بندہ صبیغ ہوں، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ عمر ہوں اور تر و تازہ لکڑیوں (قمچیوں) سے اس کو مارنا شروع کیا جس سے بدن خون سے لبریز ہوگیا، پھر جب وہ زخم اچھے ہونے لگے تو دوبارہ مارنا شروع کیا جس سے بدن اور سر پر خون ہی خون ہوگیا، اس نے عرض کیا اگر آپ میرے قتل کرنے کا ارادہ کرچکے ہیں تو سہولت سے قتل کردیجئے اور اگر میرے دماغ (کے سودا کا) علاج مقصود ہے تو میرے دماغ میں جو چیز تھی وہ نکل چکی ہے، حضرت عمرؓ نے چھوڑ دیا اور بصرہ اپنے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمادی؛ لیکن ایک حکم بھی بھیج دیا کہ کوئی شخص اس کے پاس نہ بیٹھے، ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے ارشاد پر اگر ہم لوگ سو نفر کا مجمع ہوتا تھا اور صبیغ آجاتا تو

أخرجه مسلم (الايمان/الايمان والاسلام (رقم٨) وأبوداود (السنة/القدر رقم٤٦٩٥) والترمذی (الايمان/ماجاء في وصف جبرئيل للنبی صلی اللّٰہ عليه وسلم الايمان رقم٢٦١٠) عن يحيی بن يعمر، وقال الترمذي: "حديث حسن صحيح"

أخرجه البخاری (استتابة المرتدين/حكم المرتد والمرتدة، رقم٢٩٢٢) وأبوداود (الحدود/الحكم فيمن ارتد، رقم ٤٣٥١) والترمذی (الحدود/ماجاء في المرتد، رقم ١٤٥٨) عن عكرمة، وقال الترمذي: "حديث حسن صحيح".

سب اس جگہ سے چلے جاتے، اس کو یہ مصیبت بہت ہی شاق تھی، حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو عریضہ لکھا کہ اب اس کی حالت درست ہوگئی ہے، وہ خیالات بالکل نہیں رہے تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اس سے ملنے جلنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ (دارمی، درمنثور)

اسی طرح سیکڑوں واقعات اس قسم کے ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شریعت میں اختلاف کے حدود قائم ہیں، یہ نہیں ہے کہ تحقیق کے زور میں جس کا جو دل چاہے لکھ مارے اور اس کو علماء کا اختلاف کہہ دیا جائے، شریعت کے احکام کا مذاق اڑایا جائے، اللہ کے محبوب کی سنتوں کا مضحکہ کیا جائے، شریعت کے اہم سے اہم حکم کو لغو بتادیا جائے، قلم لکھنے والے کے ہاتھ میں ہو اور علم سے بے بہرہ، پھر جو چیز اپنی سمجھ میں نہ آئے وہی غلط بن جائے، وہی دین سے باہر کردی جائے، اور اس کو علماء کا اختلاف کہہ دیا جائے، شریعت کے احکام کے درجات ہیں، ان میں بہت سے احکام نہایت اہم ہیں ان کو اپنے درجہ سے گرادینے کا کسی کو حق نہیں ہے، بعض معمولی درجہ کے ہیں ان کو اپنے درجہ سے بڑھادینا کسی کے اختیار میں نہیں ہے، اس کی تحقیق کہ ہر چیز کا کیا درجہ ہے یہ خود علم پر موقوف ہے، قرآن وحدیث کے فہم پر موقوف ہے، قرآن وحدیث سے استدلال کے قواعد پر موقوف ہے جو مستقل تین فن: اصول فقہ، حدیث، اصول تفسیر، کی واقفیت پر مبنی ہے۔

اجتہاد کے لئے کیا کیا علوم ضروری ہیں

فقہاء نے لکھا ہے کہ اجتہاد کے لئے کتاب اللہ کا علم ضروری ہے، اس کے لغوی معانی کا علم ضروری ہے، اس کے شرعی معانی کا علم ضروری ہے، اس کے وجوہ استدلال یعنی خاص، عام، مشترک، مؤول، ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ، حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ، عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص اور ان کے ماخذ اشتقاق، ان کی ترتیب، ان کے معانی اصطلاحیہ، ان کے احکام کہ کونسی چیز قطعی ہے، کونسی ظنی ہے، نیز امر ونہی وغیرہ کے درجات وغیرہ وغیرہ کا معلوم ہونا ضروری ہے اور یہی چیزیں حدیث کے متعلق بھی معلوم ہونے کی ضرورت ہے، نیز احادیث میں ان کے علاوہ ان کی صحت کا حال، ان کے آپس کے درجات، راویوں کے احوال وغیرہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے، الغرض استدلال کے لئے جتنے اصول ہیں

أخرجه الدارمي (المقدمة/من هاب الفتياء الخ، رقم ۱۴۴، ۱۴۸) وذكره السيوطي في الدر المنثور (آل عمران/الآية۸، ۲/ ۱۲).

ان سب ہی سے واقفیت کی ضرورت ہے اور ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ فن سے تو اہل فن ہی واقف ہوسکتا ہے کوئی شخص انجینئری میں بہت زیادہ کمال پیدا کر کے یہ چاہے کہ ڈاکٹری میں بھی رائے زنی کروں، کیوں کہ میں اپنے فن کا بڑا ہوشیار ہوں تو یقیناً بیماروں کی ہلاکت کا سبب بنے گا، متعدد احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب علماء نہ رہیں گے تو جاہلوں کو سردار بنالیا جائے گا جو بغیر علم کے فتاوے دیں گے، خود گمراہ ہوں گے، دوسروں کو گمراہ کریں گے۔

مذہبیات میں رائے زنی کے لئے مذہبیات سے پوری واقفیت کی ضرورت ہے، بغیر واقفیت کے محض عقل سے مسائل حل نہیں ہوتے، مثال کے طور پر دو مسئلے لکھتا ہوں، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قربانی کے لئے جانور خریدے اور وہ گم ہوجائے، اس کے بعد دوسرا جانور اسی نیت سے خریدے اور پھر پہلا جانور بھی مل جائے، اگر یہ شخص غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو اس کے ذمہ دونوں کی قربانی ضروری ہے اور اگر امیر ہے تو صرف ایک جانور کی قربانی کافی ہے، جس جانور کی دل چاہے قربانی کردے اور دوسرے کو بیچ دے یا جو چاہے کرے، مسئلہ بالکل صاف ہے، لیکن اصول سے واقفیت پر مبنی ہے، محض ذہانت اس میں کیا تیر چلالے۔

دوسرا مسئلہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں رکوع کرنا بھول جائے، نماز کے بعد یاد آئے اگر اس نے سنت کے موافق، متقی اور نیک لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے تو فاسد ہوگئی، اس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر خلاف سنت نماز پڑھی ہے، ناواقف لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے، جیسا کہ بہت سے لوگ آج کل پڑھتے ہیں تو نماز ہوگئی، کیا روشن دماغی یا شستہ تقاریر وتحریرات سے بلا واقفیت اصول وحقائق شرعیہ اس نوع کے مسائل میں رائے زنی ہوسکتی ہے، اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو بجائے موزوں کے اوپر مسح کرنے کے موزوں کے نیچے مسح کیا جاتا، لیکن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر کے حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تقدم تخريجه، ص۲۰۹، رقم الهامش: ۱

أخرجه أبوداود (الطهارة/كيف المسح، رقم۱۶۲، ۱۶۳) والنسائي في الكبرى (الطهارة/المسح على الرجلين رقم۱۱۹) عن علي رضي الله عنه، وسكت عنه المنذري في المختصر (۱/۹۶، ۹۷)

اور ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ آدمی جب تک قرآن وحدیث پر عمل کی حدود معلوم نہ کر سکے، مختلف آیات اور مختلف روایات کو جمع کرنے یا ترجیح دینے کے قواعد معلوم نہ کر سکے، وہ کس طرح کسی آیت یا روایت سے استدلال کر سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''ازالۃ الخفاء'' میں لکھا ہے کہ مجتہد کے لئے پانچ علوم کا جاننا ضروری ہے، جو شخص ان پانچ علوم کا جامع نہ ہو وہ مجتہد ہو ہی نہیں سکتا، اول قرآن پاک کی قراۃ اور تفسیر کا علم، دوسرے حدیث کا علم مع اس کی اسانید اور صحت وضعف کے، تیسرے سلف کے اقوال کا علم تا کہ ان سے باہر ہو کر اجماع کے خلاف نہ ہو اور مختلف اقوال میں ان کے اقوال سے باہر نہ جا سکے، چوتھے زبان عرب کی واقفیت لغت اور نحو وغیرہ کے اعتبار سے، پانچویں مسائل کے استنباط کے طریقوں اور مختلف نصوص میں تطبیق اور ترجیح کا علم ہونا ضروری ہے (ازالۃ)

☆☆☆

متعارض حدیثوں میں وجوہِ ترجیح

علامہ حازمی نے ''کتاب الاعتبار في بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار'' میں دو مختلف حدیثوں میں سے ایک کو راجح قرار دینے کے لئے پچاس وجوہ ترجیح مفصل نمبر وار لکھی ہیں، علامہ سیوطی نے ''تدریب الراوی'' میں لکھا ہے کہ حافظ عراقی نے سو سے زیادہ وجوہ ترجیح تحریر فرمائی ہیں، اس کے علاوہ خود وجوہ ترجیح میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے کہ ایک وجہ ترجیح کا مقتضا ایک حدیث کو ترجیح دینا ہے اور دوسری وجہ کا تقاضا ہے کہ دوسری حدیث کو ترجیح دی جائے، اسی طرح دو روایتوں کے تعارض کا قصہ ہے پس اگر دو وجہ ترجیح متعارض ہو جائیں تو ان متعارض وجوہ ترجیح میں سے کونسی وجہ کی رعایت مقدم ہے، یہ مستقل مبحث ہے، مثال کے طور پر حضرت عمرؓ ہی کے دو واقعے دیکھ لیجئے، ایک مسلم اور غیر مسلم میں جھگڑا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کے حق میں فیصلہ فرما دیا، مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ خیال ہو گیا کہ عمرؓ میری رعایت کریں گے، اس لئے درخواست کی کہ عمرؓ کے پاس ہمارا مقدمہ بھیج دیجئے، حضور ﷺ نے قبول فرما لیا یہ دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، غیر مسلم نے عرض کیا کہ حضور نے میرے حق میں فیصلہ کیا تھا اس نے قبول نہیں کیا اور آپ کی خدمت میں مقدمہ لانے کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے مسلمان سے پوچھا کیا یہی بات ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، حضرت عمر اندر تشریف لے

گئے تلوار لائے اور اس مسلمان کی گردن اڑادی اور ارشاد فرمایا کہ جو حضور کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے۔ (درمنثور)

اور انہیں حضرت عمرؓ کا دوسرا قصہ سنئے، قصہ لمبا ہے، مختصر یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنے نعلین شریف بطور علامت کے مرحمت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ باہر چلے جاؤ اور جو تمہیں ملے اور دل سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہو (یعنی منافق وغیرہ نہ ہو) اس کو جنت کی خوشخبری سناؤ، یہ باہر آئے سب سے پہلے حضرت عمرؓ ملے، پوچھا یہ نعلین شریف کیسے؟ انہوں نے حضور کا ارشاد سنا دیا، حضرت عمرؓ نے ان کے سینہ پر اس زور سے دونوں ہاتھ مارے کہ یہ سرین کے بل گر گئے اور ان کو واپس کر دیا یہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زور سے رونا شروع کیا اور حضور کو قصہ سنایا، حضرت عمرؓ خود بھی پیچھے پیچھے حاضر ہوئے، حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ کیوں کیا؟ عرض کیا ایسا ہرگز نہ کیجئے، لوگ اس خوشخبری پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور اعمال چھوڑ دیں گے۔ (مشکوۃ بروایۃ مسلم)

کیا خدانخواستہ یہ واہمہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ارشاد کی بے وقعتی کی یا حضور ﷺ کے خلاف کیا یا حضور کا مقابلہ یا حضورؐ کی مخالفت کی، لیکن اس واقعہ کو اس پہلے واقعہ سے جوڑنا یقیناً علم کی معرفت پر موقوف ہے۔

اس کے علاوہ اور سنئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی لڑائی میں تشریف لے جا رہے تھے ایک شخص جس کی بہادری کا شہرہ تھا جنگ میں شرکت کے خیال سے حاضر ہوا، صحابہ اس کو دیکھ کر مسرور ہوئے، حضور نے دریافت فرمایا کہ میں مشرک سے مدد نہیں لیتا۔

لیکن یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد جنگ خیبر اور

تقدم تخريجه، ص۱۸۴، رقم الهامش: ۴.

أخرجه مسلم (الايمان/الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً، رقم ۳۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

أخرجه مسلم (الجهاد/كراهة الاستعانة في الغزو بالكافر، رقم۱۸۱۷) وأبوداود (الجهاد/المشرک يسهم له، رقم۲۷۳۲) والترمذي (السير/ماجاء في أهل الذمة يغزون مع المسلمين هل يسهم لهم، رقم۱۵۵۸) عن عائشة رضي الله عنها، وقال الترمذي: "حديث حسن غريب" اهـ

غزوۂ حنین میں صفوان بن امیہ مشرک سے جانی اور مالی مدد حاصل فرمائی۔ (کتاب الاعتبار ومغنی)

❁ كتاب الاعتبار للحازمي (ص ۲۲۱) ط: حيدرآباد، والمغني لابن قدامة (۲۸۵/۸).

قلنا: والذى في "الاعتبار" هو أنه صلى الله عليه وسلم استعان بصفوان بن امية في قتال هوازن يوم حنين" "رواه الحازمي عن ابن عباس رضي الله عنهما بغير سند، ثم روى مثله من قول الشافعي، وفيه زيادة "وهو مشرك" وهذا هو الذى ذكره الأمام الشافعي في "الأم" (۲۳۲/۴) وحكاه عنه البيهقي في السنن الكبرى (۳۷/۹) وقال: "شهود صفوان معه حنينا، وصفوان مشرك معروف بين أهل المغازى، اهـ ملخصاً،وليس في "الاعتبار، وكذا في "الام"، و"السنن الكبرى" للبيهقي أنه عليه السلام استعان بصفوان في غزوة خيبر، وانما ذكره ابن قدامة في المغنى، فقال: "روى أن صفوان بن امية خرج مع النبى صلى الله عليه وسلم يوم خيبر، وهو على شركه، فأسهم له وأعطاه" اهـ ولم يذكر من أخرجه من الأئمة، ولا من رواه من الصحابة اوالتابعين،وكلام ابن قدامة يشعر بأن الشافعي استدل على جواز الاستعانة بالمشركين بماذكره ابن قدامة من خروج صفوان معه عليه السلام يوم خيبر، وهو على شركه، وهذا خلاف مافى "الام" للشافعي نفسه، والسنن الكبرى للبيهقي، فليس في واحد منها ذكر ذلک، وانما فيهما وكذا في غيرهما من الكتب ذكر خروجه معه يوم حنين، نعم استعان النبى صلى الله عليه وسلم يوم خيبر بعدد من يهود بنى قينقاع كما ذكره الشافعي في "الام" والبيهقي في الكبرى وغيرهما، ولكن قال البيهقي، : "غزوه بيهود بنى قينقاع لم اجده الا من حديث الحسن بن عمارة، -وهو ضعيف- عن الحكم، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: استعان رسول الله صلى الله عليه وسلم بيهود بنى قينقاع، فرضخ لهم، ولم يسهم" ثم وصله، وأعقبه بقوله: تفرد به الحسن بن عمارة، وهو متروک، ولم يبلغنا في هذا حديث صحيح" اهـ

هذا، وقد أخرجه أبوداود (البيوع/تضمين العارية، رقم۳۵۶۲، ۳۵۶۳، ۳۵۶۴، ۳۵۶۶) و الحاكم في المستدرک (۴۷/۲) والبيهقي في الكبرى (۸۹/٦) وفى "المعرفة" (رقم ۳٦۷۸) عن صفوان بن امية.

وأخرجه الحاكم (۴۷/۲،) عن ابن عباس رضي الله عنهما، وصححه الحاكم على شرط مسلم ووافقه الذهبي، وأخرجه الحاكم (۴۸/۳، ۴۹) عن جابر رضي الله عنهما، وصححه وأقره الذهبي، ولكنه ليس في حديثهم (لافى حديث صفوان، ولافى حديث ابن عباس، ولا في حديث جابر) ذكر خروج صفوان مع النبى صلى الله عليه وسلم لافى غزوة خيبر، ولافى غزوة حنين، وانما في حديثهم "أنه عليه السلام استعار من صفوان يوم حنين ادراعا وسلاحاً، فحسب، وهذا هو الذى ذكره الحافظ ابن حجر في ترجمة صفوان في "الاصابة" والحافظ ابن كثير في "البداية والنهاية"، وابن القيم في "زاد المعاد" ولم يذكر واحد منهم أن صفوان خرج معه عليه السلام في غزوة خيبر، أو غزوة حنين، وهذا كله يدل على أن في ماذكره المصنف هنا نقلاً عن الاعتبار للحازمي، والمغنى لابن قدامة، فيه نظر وكلام طويل.

حالاں کہ جنگ بدر کے وقت مسلمان اپنی قلت وضعف کی وجہ سے خیبر اور حنین کی بہ نسبت زیادہ ضرورت مند تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ میں ایک جگہ تشریف لے جارہے تھے، ایک صحابی روزے کی حالت میں سینگی لگوار ہے تھے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانے والا اور سینگی لگوانے والا دونوں کا روزہ نہیں رہا۔[1] لیکن ۱۰ھ میں حضور نے خود روزہ کی حالت میں سینگی لگوائی[2]۔ اسی طرح سینگی لگانے کے بارہ میں حضور کا ارشاد ہے کہ اس کی اجرت ناپاک ہے[3]۔ لیکن حضور نے خود سینگی لگانے والے کو اجرت مرحمت فرمائی[4]۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی[5]۔

لیکن یہ بھی ارشاد ہے کہ نمازی کے سامنے سے عورت، گدھا، کتا گذر جائے تو نماز قطع ہوجاتی ہے[6]۔

[1] أخرجه أحمد (۱۲۲/۲، ۱۲۳) وأبوداود (الصوم/الصائم يحتجم، رقم۲۳۶۹) عن شداد بن اوس رضي الله عنه، قال المنذري في المختصر (۳۰۴/۲): "قال اسحاق: اسناده صحيح" اهـ

[2] أخرجه البخارى (الصوم/الحجامة والقى للصائم، رقم۱۹۳۸، ۱۹۳۹) وأبوداود (الصوم/ الرخصة في ذلک، رقم۲۳۷۲) والترمذى (الصوم/ماجاء من الرخصة في ذلک،رقم۷۷۵، ۷۷۶) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال ابن عبدالبر وغيره: "جاء في بعض طرقه ان ذلک كان في حجة الوداع" اهـ نقله الحافظ في الفتح (۲۲۳/۴)

[3] أخرجه مسلم (المساقاة/تحريم ثمن الكلب الخ رقم ۱۵۶۸) وابوداود (الاجارة/ كسب الحجام، رقم ۳۴۲۱) والترمذى (البيوع/ماجاء في ثمن الكلب، رقم ۱۲۷۵) عن رافع بن خديج رضي الله عنه، وقال الترمذي: "حديث حسن صحيح".

[4] أخرجه البخارى (الاجارة/خراج الحجام، رقم۲۲۷۸، ۲۲۷۹) ومسلم (المساقاة/ حل أجرة الحجامة، رقم۱۲۰۲) عن ابن عباس رضي الله عنهما.

وفي الباب عن أنس رضي الله عنه عند البخارى (الاجازة/ضريبة العبد الخ، رقم۲۲۷۷) و(۲۲۱۸) ومسلم في الموضع المذكور (رقم۱۵۷۷)

[5] أخرجه أبوداود (الصلاة/من قال: لايقطع الصلاة شئى، رقم۷۱۹) عن أبي سعيد الخدرى رضي الله عنه،قال المنذري في المختصر (۲۵۷/۱):في اسناده مجالد بن سعيد، وقد تكلم فيه غير واحد، وأخرج له مسلم حديثا مقروناً" اهـ

قلنا: قال الحافظ في التقريب: ليس بالقوى، وقد تغير في اخر عمره" اهـ

وفي الباب عن أبي امامة رضي الله عنه عند الدار قطنى في سننه (رقم۱۳۶۸) وفي اسناده عفير بن معدان، وهو ضعيف كما في التقريب.

[6] أخرجه مسلم (الصلاة/قدر ما يستر المصلى، رقم۵۱۰) وأبوداود (الصلاة/مايقطع الصلاة، رقم۷۰۲) والترمذى (الصلاة/ماجاء انه لا يقطع الصلاة الا الكلب الخ، رقم۳۳۸) عن ابى ذر رضي الله عنه،وقال الترمذي: "حسن صحيح"

حضور کا ارشاد ہے کہ جب نماز کا وقت آ گیا ہو اور کھانا بھی تیار ہو تو پہلے کھانا کھالینا چاہئے۔ ☆
لیکن یہ بھی حضور کا ارشاد ہے کہ نماز کو کھانے وغیرہ کی وجہ سے مؤخر نہ کرو۔ ☠
حضور کا ارشاد ہے کہ جو تیری عیادت نہ کرے اس کی عیادت نہ کر۔ ⚐
لیکن یہ بھی حدیث میں وارد ہے جو تیری عیادت نہ کرے اسکی عیادت کر۔ ⚑ (مقاصد حسنہ)
الغرض سیکڑوں ہزاروں احکام ہیں جن میں مختلف وجوہ سے مختلف احکام وارد ہوئے، محض قرآن پاک کے ترجمہ کو دیکھ لینے سے، یا کسی مترجم حدیث کی کتاب میں حدیث کا ترجمہ دیکھ لینے سے، یا صرف عربی زبان کی ڈگری حاصل کر لینے سے، ان ارشادات کی وجوہ، ان میں ترجیح، ان میں تقدم تأخر ان میں اصلی حکم اور کسی عارض کی وجہ سے وقتی حکم کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

دین کے لئے تین شخص آفت ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ✈ کہ دین کے لئے تین شخص آفت ہیں فاجر فقیہ، اور ظالم بادشاہ اور جاہل مجتہد۔ (جامع)

☆ أخرجه البخاری (الأذان/ اذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، رقم ۶۷۱) ومسلم (المساجد/ كراهية الصلاة بحضرة الطعام، رقم ۵۵۸، ۵۶۰) عن عائشة رضي الله عنها.
وفي الباب عن أنس، وابن عمر رضی الله عنهما عند البخاری في الموضع المذكور (رقم ۶۷۲، ۶۷۳) ومسلم في الموضع المذكور (رقم ۵۵۷، ۵۵۹)

☠ أخرجه أبوداود (الاطعمة/اذا حضرت الصلاة والعشاء، رقم ۳۷۵۸) عن جابر رضي الله عنه.
قلنا: في اسناده محمد بن ميمون أبو النضر، قال الحافظ في التقريب: "صدوق، له اوهام" اهـ وبقية رجاله موثقون. ، فالحديث حسن.

⚐ قال السخاوی المقاصد الحسنة (ص:۴۶۳) ابو الطيب الغسولی من جهة ابراهيم النخعی عن جابر فذكر حديثًا وفيه "ومن عاد مرضانا عدناه" وسنده ضعيف اليه ذهب ابن وهب فقال: "لاتعد من لا يعودك" وكذا قال الامام أحمد لابنه وقد قال له يا أبت ان جارنا مرض فلم نعده قال: يا بنی ماعادنا فنعوده ويستانس لهذا الحديث بحديث:
"لاخير في صحبة من لا يرى لك مثل ما ترى له"

⚑ أخرجه الديلمی والحربی في الهدايا كذا في المقاصد الحسنة (ص ۴۶۳) وقال السخاوی: حديث ضعيف.

✈ أخرجه الديلمی في مسند الفردوس (كما في الجامع الصغير ص:۷۸) عن ابن عباس .

یعنی علوم سے ناواقف ہو اور پھر اپنے اجتہاد سے مذہب میں رائے زنی کرتا ہو متعدد احادیث میں وارد ہے کہ جو شخص قرآن شریف (کی تفسیر) میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تجویز کر لے۔

ایک اشکال کہ شرعیات میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے

دین سے ناواقف لوگوں کو یہاں ایک اشکال نے گھیر لیا ہے، ان کو یہ خلجان پیش آیا کہ طبعیات، حسیات، حسابیات وغیرہ امور میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی اختلاف نہیں ہوتا، دو اور دو کے چار ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ شرعیات، مذہبیات میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے، ازل سے لے کر آج تک کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس کے اندر مذہبیات میں اختلاف نہ ہوا ہو، یہ بد دین لوگ اس اشکال میں یہاں تک بڑھے کہ بعض نے سرے سے دین ہی کا انکار کر دیا اور بعض نے دین کا اقرار کرنے کے بعد دینیات سے انکار کر دیا، حالاں کہ ایک ظاہری بات یہ تھی کہ جب خود ان کے اقرار کے موافق ازل سے ہی یہ اختلاف چلا آرہا ہے تو ان کو خود ہی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ یہ ایک فطری چیز ہے اور ضروری، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی ہزاروں برس کے اس طویل زمانہ میں یہ بات مستمراً چلی آتی، حالاں کہ ان میں نہ معلوم کتنے ہزار عقلاء اور حکماء ہر زمانہ میں ہوتے چلے آئے ہیں، درحقیقت یہ اشکال بھی دین سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

دین میں اختلاف کی دو وجہیں ہیں: ایک اصولی درجہ میں، دوسری شرعی حیثیت سے، اصولی درجہ میں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہب حقیقت میں مالک الملک، خالق الکائنات کے ارشادات اور احکامات پر عمل کرنے کا نام ہے اور مالک کے لئے حق ہے کہ وہ اپنی مملوک کے لئے جس وقت جو حکم مناسب اور موافق مصلحت خیال فرمائے نافذ کر دے، اس میں کوئی اشکال کی

أخرجه الترمذي (التفسير/ماجاء في الذى يفسر القرآن برأيه ۲۹۵۱) وأحمد (۱/۲۹۳) والطبراني في الكبير (۱۲۳۹۲) عن ابن عباس رضي الله عنهما، وقال الترمذي: حسن، وقد تقدم تخريجه ص ۱۷۴، رقم الهامش ۱"

بات نہیں، نہ کوئی بے وقوف سا بے وقوف یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں آقا نے اپنے نوکر کو کل یہ کام کرنے کو کہا تھا، آج دوسرا کام کیوں بتادیا، ایک حاکم کا حق ہے کہ وہ اپنی رعایا کی بہبود کے لئے آج ایک قانون تجویز کردے، کل کو اس میں کوئی مناسب ترمیم کردے، مالک الملک نے بھی مختلف امتوں کے لئے مختلف اوقات میں اصول کے اتحاد کے ساتھ مناسب ترمیمات فرمائی ہیں جو ان امتوں کے حسب حال اور ان کے لئے مناسب سمجھیں، اور ان ترمیموں کی وجہ سے مذاہب میں اختلاف لازمی اور ضروری تھا۔

''سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَاوَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ''. (سورہ بقرہ رکوع ۱۷)

ترجمہ: اب تو یہ بے وقوف ضرور کہیں ہی گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے سابق قبلہ سے جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس نے بدل دیا، آپ فرمادیجئے سب مشرق ومغرب اللہ ہی کی ملک ہیں (خدا تعالیٰ کو مالکانہ اختیار ہے، جس سمت کو دل چاہے مقرر فرمادیں، کسی کو منصب علت دریافت کرنے کا نہیں ہے) حق تعالیٰ شانہ نے مختلف ملل کے لئے مختلف احکامات ارشاد فرمائے اور ہر ملت کے لئے جب تک وہ احکام باقی تھے ان پر عمل ضروری تھا، جب دوسرا حکم نازل ہوگیا اب اس کی اطاعت اور فرماں برداری ضروری بن گئی، اس لئے یہ تخیل کہ ایک ہی احکام سب کے لئے ہیں نادانی ہے۔

''لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ يَشَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَا اٰتَاكُمْ''. (س مائدہ ع ۷)

تم میں سے ہر ایک امت کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کو (سب کا ایک ہی طریقہ رکھنا) منظور ہوتا تو سب (یہود ونصاریٰ واہل اسلام) کو (ایک ہی شریعت دے کر) ایک امت بنادیتے، لیکن ایسا نہیں کیا (بلکہ ہر امت کو جدا جدا طریقہ دیا) تاکہ جو جو دین تم کو (ہر زمانہ میں) دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرمائیں۔

دوسری بات فروعی حیثیت سے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ کا صدور اور جزئیات کا ورود کتابی صورت سے نہیں ہوا، بلکہ عملی صورت سے وقتی واقعات کے طور پر ہوا ہے (جس کو ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''الانصاف'' میں تحریر فرمایا ہے اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ میں اپنے مضمون ''اختلاف ائمہ'' میں بھی لکھ چکا ہوں) ان واقعات سے احکام کا استنباط ہوا

ہے اور ظاہر بات ہے کہ سمجھ اور فہم کے اعتبار سے فطرۃً قویٰ بشریہ مختلف ہیں ہر شخص ایک سی سمجھ نہیں رکھتا ایسی حالت میں اپنی فہم اور اپنے اجتہاد کے لحاظ سے احکام میں فرق ضروری تھا اور ہوا، لیکن جب شریعت مطہرہ نے اس اجتہاد کی اجازت اور گنجائش بتادی اور خصوصی قواعد کے ماتحت اس اختلاف کو جائز قرار دے دیا، بلکہ رحمت بتادیا تو پھر کوئی خلجان باقی نہ رہا، تعجب ہے کہ ہم لوگ شب و روز میں بیسیوں مرتبہ اپنے کمسن بچوں سے یہ بات کہتے ہیں کہ تم ابھی بچے ہو، فلاں بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی، جب بڑے ہوجاؤ گے اس وقت سمجھ میں آجائے گی، لیکن ہم لوگ اپنے کو ایسا کامل الفہم، کامل الذہن کامل العقل سمجھتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیات کا مطلب وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں تک (نعوذ باللہ) مشکوٰۃ نبوت کی بھی رسائی نہ ہو، صحابہ اور تابعین کا تو ذکر ہی کیا ہے، حالاں کہ ہم لوگ نہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی برابری ایمان کی پختگی میں کرسکتے ہیں، نہ اعمال کی درستی میں، نہ قرآن شریف کی زبان دانی میں، نہ انوار معرفت میں، پھر کیا پوچھنا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر کا، جہاں تک دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بھی رسائی نہیں ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے "تلبیس ابلیس" میں بالتفصیل وہ صورتیں لکھی ہیں جن میں اس امت پر شیطان کا ایک حملہ ان کی ذکاوت اور عقل اور ذہن کی طرف سے ہوتا ہے اور ثابت کیا ہے کہ بشری قوتیں علوم الٰہیہ کو اجمالی طور سے حاصل کرسکتی ہیں اور اس کے لئے ان کو شرائع کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ گمراہی کے گڑھے میں گر جائیں گی اور اسی وجہ سے بہت سے حکمائے سابق اس بھنور میں پھنس گئے، مفید مضمون ہے دل چاہے تو دیکھ لو۔

اختلاف میں حدود سے تجاوز نہ چاہئے

علاوہ ازیں ایک چیز اور بھی نہایت قابل اہتمام ہے، غور سے سنو کہ اختلافِ رائے خواہ ممدوح ہو یا مذموم، کسی اختلاف میں بھی حدود سے تجاوز کر جانا اور مخالفین کے ساتھ اعتدال سے بڑھ کر معاملہ کرنا اسلامی تعلیم کے منافی ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا" (س مائدہ ع۱) **ترجمہ**: ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اس سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا ہے، وہ بغض تمہارے لئے اس کا باعث بن جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ۔ غور کرو کہ یہاں کفار

کی مخالفت کیسی سخت اور مذموم تھی؛ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو ان کی مخالفت میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت کردی گئی، میں یہ نہیں کہتا کہ اختلاف رائے نہیں ہوتا، یا اختلاف مسائل نہیں ہوتا، یا آپس کا نزاع نہیں ہوتا، یہ سب چیزیں ہمیشہ سے ہوتی آئی ہیں اور رہیں گی، مخالفتیں ممدوح بھی ہوتی ہیں اور مذموم بھی مگر کون سی چیز ہمارے لئے ایسی ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس اسلاف کی رائے، ان کا فعل، ان کا عمل مشعل ہدایت نہیں ہے، آپس کی مخالفت کے قصے دیکھنا ہوں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اختلافات دیکھو کہ وہ آپس میں لڑ کر اس تعلیم کو بھی پورا فرما گئے ہیں، میں مثال کے طور پر چند واقعات کی طرف تمہیں متوجہ کرتا ہوں، مگر اس سے قبل ایک اصولی بات پر بھی متنبہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے معاصی بھی صادر ہوئے اور امور سلطنت وحکومت میں اختلافات اور لڑائیاں بھی ہوئیں، ان میں سے بہت سے امور گو ان حضرات کی شایان شان نہ ہوں، ان کے علو مراتب کے بعض امور خلاف ہوں، لیکن ہمارے لئے وہ امور مشعل ہدایت ہیں اور جو واقعات بھی پیش آئے وہ امت کے لئے راہ عمل اور عمل کے لئے نمونہ ہیں۔

حضور اقدس ﷺ عملی تعلیم کیلئے مبعوث تھے

اور حقیقی بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عملی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی ضرورت نبی کی ہوتی ہے کہ امت کے لئے جو احکام نازل ہوں وہ ان کو عملی جامہ پہنچا کر جاری کر جائے تاکہ بعد میں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان پر عمل کیسے ہوسکتا ہے، ایسی حالت میں قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جن سے شان نبوت انکار نہ کرتی ہو، ان کا صدور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر سے ہوا، یہی وجہ ہے کہ صبح کی نماز کے لئے آنکھ کا نہ کھلنا جو ایک مرتبہ قطعاً پیش آیا اور محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ، دو یا تین مرتبہ پیش آیا، چوں کہ یہ فعل شان نبوت کے منافی نہ تھا، اس لئے حضور ﷺ کی ذات سے صادر ہوا، حالاں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی مشائخ بلکہ معمولی سالکین ایسے ہیں کہ ان کی ہمیشہ خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے، صبح کی نماز تو بڑی چیز ہے تہجد بھی ان حضرات کا قضا نہیں ہوتا، اسی طرح نماز میں سہو ہو جانا متعدد بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا جس کے بارہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اِنِّیْ لَا اَنْسٰی وَلٰکِنْ اُنُسّٰی لِاَسُنَّ" (موطا مالک) **ترجمہ**: میں بھولتا نہیں ہوں، بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت (اور طریقہ) جاری کروں۔

دوسرے وہ احکام جو ایسے امور کے متعلق ہوں جو شان نبوت کے منافی ہیں، جیسے زنا، چوری وغیرہ اور اس نوع کے احکام کا بتانا بھی ضروری تھا اور ان کی حدود کا جاری کرنا بھی، ایسے ہی سلطنت کے مقابلے اور حکومت کرنے اور حکومت لینے کے لئے ضوابط کی ضرورت بھی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں یہ چیز اگر پیش آتی تو جس جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہو جاتا وہ قطعی تھا، خلاف کی گنجائش ہی نہ تھی، اس لئے ضرورت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ چیزیں پیش آئیں اور دونوں جانب کے اصول وضوابط معرض ظہور میں آئیں، اس لئے جو چیزیں ایسی تھیں کہ شان نبوت ان کے منافی تھی صحابہ کرام نے اپنے آپ کو ان چیزوں کے اجراء کے لئے پیش کیا، ان میں سے جو امور ایسے تھے کہ حضورؐ کے زمانہ میں وجود میں آسکتے تھے، جیسے معاصی وہ حضورؐ کے زمانہ میں صادر ہوئے اور جو ایسے تھے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ان کا پیش آنا مشکل تھا، جیسے کہ سلطنت کے نزاعات وہ بعد میں پیش آئے، ایسی حالت میں ہم لوگوں کو ان سب نزاعات اور اختلافات پر بھی ان حضرات کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ممنون احسان ہونا ضروری ہے کہ ہمارے لئے یہ حضرات راستے کھول گئے اور حکومت کرنے اور حکومت کی جائز مخالفت کرنے کے طریقے بتا گئے۔

صحابہ کرام کے نزاعات کے چند نمونے

اب اس تمہید اور اصل کلی کے بعد چند نمونے مخالفت کے بھی لکھتا ہوں، غور کی نگاہ سے دیکھو کہ آپس کی مخالفتوں میں بھی ان حضرات نے کیا نمونہ ہمارے سامنے رکھا ہے، جنگ جمل کتنی سخت لڑائی ہوئی تھی کہ تقریباً بیس ہزار آدمی اس لڑائی میں قتل ہوئے۔ (تاریخ الخمیس)

جب معرکہ شروع ہو رہا تھا اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کو تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ صف سے آگے بڑھے اور مد مقابل جماعت میں سے حضرت زبیرؓ کو آواز

ذکرہ مالک في الموطا (السھو/العمل في السھو رقم۲) بلاغا. قال ابن عبدالبر: "ھو أحد الأربعة التی فی الموطا، التی لاتوجد فی غیرہ مسندة ولامرسلةومعناہ صحیح فی الأصول" اھ (التمھید۱۰/ ۵۶۰)

تاریخ الخمیس (۳۰۸/۲)

دی، وہ بھی اپنی صف سے آگے بڑھے، دونوں نے معانقہ کیا اور دونوں روئے، حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں مقابلہ پر آ گئے، حضرت زبیر نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلہ نے، دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی، یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلواریں نکالے ہوئے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ)

اس کے بعد معرکہ ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت کو فتح ہوئی۔

دوسری جماعت کے بہت سے افراد قید ہوئے، حضرت علیؓ کی جماعت کے بعض افراد نے اصرار کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جائے، حضرت علیؓ نے قبول نہیں فرمایا، بلکہ ان سے دوبارہ بیعت لیتے رہے اور معاف فرماتے رہے، ان مغلوبین کے مال کو غنیمت قرار دیا، لیکن ان کی جانوں کو قیدی بنانے سے انکار فرما دیا، لوگوں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ جب ان کے مال غنیمت بنائے گئے تو جانیں بھی قیدی بنائی جائیں حضرت علیؓ اول انکار فرماتے رہے آخر اپنی جماعت کے اصرار پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہؓ کو باندی بنا کر اپنے حصہ میں لینے پر تم میں سے کون سا تیار ہے، انہوں نے عرض کیا نستغفر اللّٰہ (یعنی ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں، یہ تو نہیں ہوسکتا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: وانا استغفر اللّٰہ" (میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں) کیا ہم بھی اپنے کسی مخالف کا کوئی احترام باقی رکھتے ہیں، دشمنی اور مقابلہ میں تلوار اٹھانا بہت بڑی چیز ہے، کیا ہم معمولی سا اختلاف کرنے والے کا بھی اتنا احترام رکھتے ہیں جتنا یہ حضرات مقابلہ میں تلوار اٹھانے والے کا رکھتے تھے، اس کے بعد دیکھا کہ مقتولین میں محمد بن طلحہ پڑے ہوئے ہیں، حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے، تم بڑے عبادت گذار، شب بیدار تمام رات نماز پڑھنے والے تھے، سخت سے سخت گرمی میں کثرت سے روزے رکھنے والے تھے۔ (کتاب الامامۃ)

اس لڑائی کے خاتمہ پر جب حضرت عائشہؓ کا اونٹ زخمی ہو کر گرا ہے تو حضرت علیؓ نے جلدی سے کہا دیکھو (ام المومنین) کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ (طبری)

الامامة والسیاسة (۱/۶۴/۶۵)

المصدر السابق (۱/۶۴/۶۵)

المصدر السابق (۱/۶۴/۶۵)

تاریخ الأمم والملوک للطبری (۵/۲۱۰) حوادث سنة ۳۶ هجریة.

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر جو حضرت علیؓ کے طرف دار تھے جلدی سے بڑھے، دریافت کیا کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی، اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود ہودج کے پاس تشریف لے گئے فرمایا اماں جان! کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، اللہ جل شانہ تمہاری غلطی کو معاف فرمائے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے۔ (طبری)

یہ تھا مخالفوں کے ساتھ معاملہ اور یہ تھی مقابلین کی عزت افزائی، ہم لوگوں کو اپنے کسی حریف پر تسلط حاصل ہو جائے تو ہمارا کیا برتاؤ ہے، کسی مخالف پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اس کی جان و مال آبرو کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر ہم رحم کر سکتے ہیں۔

امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ ضرب المثل ہے، امیر معاویہؓ کی حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن خیبری نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا، صبر نہ ہوسکا، اس کو قتل کر دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پہنچا، ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا، کیا فیصلہ فرماویں، قاتل کی سزا قصاص، لیکن یہ قتل جن حالات میں صادر ہوا وہ بھی بالکل نظر انداز کرنا مشکل، حضرت معاویہؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے اس بارے میں مسئلہ تحقیق کر کے لکھیں۔ (موطا امام مالک)

کیا ہم بھی اپنے کسی سیاسی مخالف کے سامنے جہل کا اقرار کر سکتے ہیں، کسی مسئلہ میں جو باہمی نزاعی نہ ہو، اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں؟ ہمارے سیاسی مخالف کا نہ کوئی قول معتبر ہے، نہ وہ اس قابل ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں اس کی طرف رجوع کرے، حضرت علیؓ سے ان کے خلیفہ ہونے کے وقت جب مہاجرین وانصار نے بیعت عامہ کی تو ایک جماعت بیعت میں شریک نہیں ہوئی، حضرت علیؓ نے ان پر جبر نہیں فرمایا اور جب آپ سے کسی نے ان لوگوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ حق کا ساتھ دینے سے بیٹھ گئے؛ لیکن باطل کا ساتھ بھی نہیں دیا۔ (خمیس)

مگر آج کوئی شخص یا کوئی جماعت سکوت اختیار کرے تو اس کا کیا حشر ہے، یہ اخبار بینوں سے مخفی نہیں ہے، حضرت امام حسنؓ کو زہر پلایا گیا اور جب وصال ہونے لگا تو لوگوں نے دریافت

تاریخ طبری (۵/۲۱۹)

أخرجه مالک في الموطا (الأقضية/القضاء فيمن وجد مع امرأته رجلاً ۳۸) عن سعيد بن المسيب.

تاريخ الخميس (۲/۳۰۸)

کیا کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ کس نے زہر دیا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ واللہ میں ہرگز نہ بتاؤں گا کہ کس نے پلایا ہے، اگر وہی ہے جس کو میں سمجھتا ہوں تو اللہ جل جلالہٗ کا انتقام بہت کافی ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی بے گناہ کو مارا جائے۔ (خمیس)

لیکن ہمارا کیا عمل ہے، جس شخص سے معمولی اختلاف رائے ہے، ہر برائی اس کے ذمہ ڈالی جاتی ہے، جو اذیت ہم کو پہنچتی ہے اسی کی سازش سمجھی جاتی ہے، کوئی دوسرا شخص کسی قسم کی اذیت پہنچائے تو دیدہ و دانستہ اس اذیت کو اس مخالف رائے کے ذمہ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی، بسا اوقات ہمارا دل کہتا ہے کہ یہ فعل اس کا نہیں ہے، مگر انتقام کا جوش اس کی سعی کرتا ہے کہ اس قصے میں اس کو بے گناہ جاننے کے باوجود اس کو پھانسا جائے، اور سنئے اسی جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی اور حضرت علیؓ کی کس قدر سخت مخالفت تھی کہ اصل جنگ ہی ان دونوں حضرات کی تھی، لیکن جب حضرت حسن بن علیؓ پر زہر کے اثر کا غلبہ ہوا تو اپنے بھائی حضرت حسینؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور اس کی اجازت منگائی کہ میں ان کے گھر میں اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوں، حضرت عائشہؓ نے باوجود اس ساری لڑائی کے بخوشی اس کو قبول فرمایا اس کے بعد حضرت حسن نے حضرت حسین سے فرمایا کہ شاید میری زندگی میں میری شرم ولحاظ کی وجہ سے اجازت دے دی ہو، میرے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت لینا، اگر وہ بخوشی اجازت دیں تو وہاں دفن کر دینا ورنہ عام قبرستان میں دفن کر دینا، حضرت حسین نے بھائی کے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت چاہی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا (نعم وکرامۃ) ہاں ہاں بڑے اکرام کے ساتھ (یہ ہے مسلمانوں کے اسلاف کی لڑائی اور آپس کی مخالفت اس کے بعد کا حال بھی سنو کہ) امراء بنی امیہ نے اس وجہ سے کہ حضرت عثمانؓ کو مخالفین نے وہاں دفن نہ ہونے دیا تھا، مزاحمت کی، اور کہا جب حضرت عثمان کو وہاں دفن نہیں ہونے دیا تو حسن بھی دفن نہیں ہو سکتے، لیکن اس کے باوجود حضرت حسینؓ نے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے امیر مدینہ سعید بن العاصی کو بڑھایا اور فرمایا کہ یہی سنت ہے۔ (خمیس)

کیا ہم بھی سنت کی رعایت میں اپنے دشمن کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں؟ یہاں معمولی سے معمولی اختلافات پر مصلوں سے ہٹا دینا، امامت سے علیحدہ کر دینا، روزمرہ کے معمولات

تاریخ الخمیس (۲/۳۲۶)

تاریخ خمیس (۲/۳۲۷)

ہیں، دو چار واقعہ ہوں تو کوئی گنوائے، جہاں ہزاروں لاکھوں واقعات اسی نوع کے ہوں تو کہاں تک گنوائے جائیں، یہ مسلمانوں کے ساتھ ان حضرات کے معاملات تھے۔

غیر مسلموں کے ساتھ صحابہ کرام کا برتاؤ

ایک نظر غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ پر بھی ڈالتے جاؤ، کفار مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ابتداء اسلام میں کیا کچھ تکلیفیں نہیں پہنچائیں، کونسی ایسی اذیت وتکلیف اور توہین وتذلیل تھی جو ان حضرات کے ساتھ نہیں برتی گئی، ہر مسلمان ان سے واقف ہے، اور عام وخاص کی زبانوں پر یہ واقعات ہیں، کچھ نمونہ دیکھنا چاہو تو ''حکایات صحابہ'' کا یہ باب دیکھو؛ لیکن ان سب کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوتا ہے، سب کفار زیر نگین اور مغلوب ہوتے ہیں، اس وقت ہر شخص اپنے اوپر خائف ہے کہ اپنی عداوتیں سامنے ہیں؛ لیکن حضور کی پاک زبان سے نکلتا ہے: [1]

''لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ'' (درمنثور)

ترجمہ: آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھیں معاف کرے۔

غزوہ بدر میں کس زور وشور سے کفار نے مقابلہ کیا، پھر مغلوب ہوئے، پکڑے گئے، لیکن قیدیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا کہ بعض کو معمولی معاوضہ پر آزادی دی گئی اور بعض غریبوں کو بلا معاوضہ آزادی دے دی گئی۔ (خمیس) اسی طرح جس قدر معرکے حضور کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوئے ہیں تاریخ کے صفحات ان سے پر ہیں، کہ ذمیوں اور قیدیوں کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا تھا وہ آج مسلمانوں کا مسلمانوں سے نہیں ہے، معمولی سے معمولی آدمی عورت اور غلام تک کسی کو امن دے دیتا تھا تو بادشاہ اور امیر کو اس کا پورا کرنا ضروری تھا، آج قوم کے بڑے بھی کسی سے معاہدہ کرلیں تو ساری قوم ان کے خلاف لعنت کا ووٹ پاس کرنے کو تیار ہے، فتح مکہ میں حضرت ام ہانی نے اپنی سسرال کے کسی شخص کو امن دے دیا، حضرت علیؓ نے اس کو رد کرنا چاہا، مگر حضور نے فرمادیا کہ ہم نے امان قبول کرلیا ہے۔ [2]

---

[1] أخرجه البيهقي في الدلائل (۵/۵۷) عن أبي هريرة رضي الله عنه و(۵/۸۷) عن عمرو بن شعيب عن ابيه، عن جده، قلنا: والقصة مشهورة عند أهل السير.

[2] أخرجه البخارى (الجزية/أمان النساء وجوارهن رقم ۳۱۷۱) وأبوداود (الجهاد/فى امان النساء ۲۷۶۳). عن أم هانى رضي الله عنها.

اور ضابطہ بنا دیا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ کا امان دے دینا معتبر ہے۔

ہرمزان کا بار بار بدعہدی کرنا اور پھر امن چاہنا تو اریخ میں مفصل مذکور ہے، اور اخیر میں جب حضرت عمرؓ نے ان کی مکرر، سہ کرر بدعہدی سے قتل فرمانے کا تہیہ کرلیا تھا تو کیسے معمولی حیلے سے امن چاہ کر مسلمان ہوئے کہ اول اپنے پیاسے ہونے کو ظاہر کیا اور جب پانی دیا گیا تو کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ پانی پیتے ہوئے قتل کردیا جاؤں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اندیشہ نہ کرو، پانی پینے تک تم کو امن دے دیا، یہ سن کر گلاس کا پانی گرادیا، حضرت عمرؓ نے دوبارہ پانی منگایا تو کہنے لگے مجھے پانی پینا منظور نہیں ہے، مگر آپ پانی پینے تک امن دے چکے ہیں، اگرچہ یہاں بالکل صاف اور ظاہر مفہوم تھا کہ پانی نہیں پینا تو امن ختم ہے، مگر چوں کہ امن اور ایفاء عہد میں یہ حضرات بہت اونچی چٹان پر تھے، اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کو قبول فرمالیا۔

ان حضرات کے اس علوشان کا تھوڑا سا اندازہ اس تحریر سے ہوتا ہے جو حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو لکھی ہے، جس میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی عجمی، مذاق اور لہو ولعب کے طور پر یا کسی ایسی زبان میں، یا ایسے الفاظ میں کہے جو ان کے یہاں امن سمجھے جاتے ہوں تو تم اس کو امن کے قائم مقام سمجھو، اس لئے کہ امن دینے میں غلطی کر جانا کارآمد ہے اور بدعہدی میں غلطی کر جانا ہلاکت ہے، اور تمہارے ضعف اور دشمن کے قوی ہوجانے کا سبب ہے۔ (اشاعۃ)

ابولؤلؤ جو حضرت عمرؓ کا قاتل ہے نصرانی غلام تھا، حضرت عمرؓ کی زندگی ہی میں ان کو اشارے سے قتل کی دھمکی دی، حتی کہ کچھ عرصہ کے بعد قتل بھی کردیا، حضرت عمرؓ نے خود فرمایا کہ اس نے اس وقت مجھے قتل کی دھمکی دی ہے، لیکن اس کے باوجود کیا کوئی انتقام اس سے لیا۔

بلکہ اس کے بالمقابل اس کے ساتھ احسان کا ارادہ تھا جو کتب احادیث اور تاریخ میں مشہور ہے، اور اس کی عداوت کا یہ حال تھا کہ جب ''نہاوند'' کے قیدی پکڑ کر لائے گئے تو ایک ایک کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور کہتا تھا کہ "اَکَلَ عُمَر کَبِدِیْ" عمرؓ نے میرا جگر کھالیا ہے۔ (اشاعۃ)

ابن ملجم حضرت علیؓ کا قاتل ایک مرتبہ کسی اپنی حاجت کو لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں

البدایة والنهایة (۸۸/۸۷/۷)

الکامل في التاریخ (ذکر ابتداء أمرا القادسیة ۱۷۴/۲)

الکامل في التریخ (۲۶/۳) والبدایة والنهایة (۱۳۷/۷) والخمیس (۲۷۷/۲)

البدایة والنهایة (۱۱۲/۷) اشهر مشاهیر الاسلام (۴۷۴/۱)

حاضر ہوا، آپ نے اس کی حاجت پوری فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ یہ میرا قاتل ہے، کسی نے عرض کیا کہ اس کو آپ قتل کیوں نہیں کرادیتے، آپ نے فرمایا: "فَمَنْ یَّقْتُلُنِیْ" پھر مجھے کون قتل کرے گا۔ (اشاعۃ)

ایک روایت میں ہے کہ ابھی تو اس نے قتل نہیں کیا (تو پہلے سے قصاص کیسے ہوسکتا ہے) جب اس شقی نے آپ پر حملہ کردیا اور پکڑا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ ابھی قتل نہ کرنا، قید میں رکھنا ("وَاَطِیْبُوْا طَعَامَهٗ وَاَلِیْنُوْا فِرَاشَهٗ") اور کھانے کو اچھا دینا اور بستر نرم دینا، اگر میں اس حملہ سے مرگیا تو قصاص میں قتل کردینا، اور اچھا ہوگیا تو میں اپنے معاملہ کا مختار ہوں، چاہے معاف کردوں یا بدلہ لوں۔ (خمیس)

ان واقعات کا احاطہ کسی مختصر تحریر میں کیا ہوسکتا ہے، تواریخ ان سے لبریز ہیں، مجھے تو اس نمونہ سے صرف ادھر متوجہ کرنا مقصود ہے کہ مخالفتیں اور دشمنیاں ہوتی آئی ہیں، مگر دشمنوں کے ساتھ بھی ان پاک نفوس کا جو برتاؤ تھا وہ ہمارا دوستوں سے بھی نہیں ہے، پھر امید باندھے بیٹھے ہیں کہ اسلام اسلام کا نام زبان پر رٹیں اور ثمرات وہی حاصل ہوں جو ان کو حاصل تھے فَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَکٰی.

آخری وصیت

ابھی میرا کچھ اور بھی لکھنے کا خیال تھا، مگر ماہ مبارک قریب آرہا تھا اور اس مبارک مہینے میں مجھے خط لکھنا تو درکنار، پڑھنا بھی دشوار ہے، اس لئے ایک نہایت مختصر مضمون پر اس خط کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس سارے مضمون سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ہماری ساری پریشانیوں کا منشاء اسلامی تعلیمات سے ہماری غفلت اور اس پر عمل نہ کرنا ہے، اس لئے کہ مسلمان کی انتہائی ترقی کا راز صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں مضمر ہے، اس کے سوا کچھ نہیں ہے، لہٰذا ایک آخری نصیحت اور وصیت کرتا ہوں

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جواناں سعادت مند پند پیر دانا را

طبقات ابن سعد (۳/۳۴/۳۵)

تاریخ الخمیس (۲/۲۷۸)

کہ جہاں کہیں کسی ناجائز امر کو دیکھو اور اس کے روکنے پر قدرت ہو، اس میں دریغ نہ کرنا، اور جہاں قدرت نہ ہو وہاں نزاع وفساد پیدا نہ کرنا، یہ دو امر نہایت اہم اور دقیق ہیں، اس میں ہم لوگ بسا اوقات غلطی کرتے ہیں، بہت سے ایسے امور کو جو ہماری قدرت میں ہیں، ہم اپنے تعلقات کے زور میں، اولاد واحباب کی محبت میں، ان پر سکوت کرتے ہیں، حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مَنْ رَایٰ مِنکُمْ مُنکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِہٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ، وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ" رواہ مسلم وغیرہ (رسالہ تبلیغ)

جو شخص تم میں سے کسی ناجائز کام کو ہوتے ہوئے دیکھے، اس کو ہاتھ سے بدل ڈالے، مثلاً کوئی ناجائز چیز بنتے ہوئے دیکھے اگر قدرت ہے تو اس کو توڑ ڈالے، کسی شخص کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے، ہاتھ پکڑ کر لے جائے، اس پر کچھ زور ہو تو مار کر روک دے) اگر اس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے بدل ڈالے (یعنی ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو، تو زبان سے روک دے یا کم از کم زبان سے اس کے ناجائز ہونے کا اعلان کر دے) اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے، دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس سے کم درجہ ایمان کا نہیں ہے۔

اور ظاہر بات ہے کہ جب دل سے بھی اس کو برا نہیں سمجھا ہے تو گویا دل سے اس کو پسند کر لیا، پھر ایمان کا کونسا درجہ رہ سکتا ہے، اسی لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے: "اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" ارشاد فرمایا ہے۔

(افضل ترین جہاد حق بات کا ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا ہے) کہ چوں کہ ہاتھ سے روکنے پر قدرت نہیں ہے اس لئے زبان ہی سے کہہ دے شاید اثر کر جائے، یا کم از کم اس کے علم میں تو یہ بات آجائے کہ میں فلاں کام ناجائز کر رہا ہوں، اپنی جہالت سے ناجائز کو جائز اور باطل کو حق نہ سمجھتا رہے کہ پھر اس سے رکنے کی یا توبہ کرنے کی توفیق ہی نہ ہوگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مَا مِنْ رَجُلٍ یَّکُوْنُ فِیْ قَوْمٍ یَّعْمَلُ فِیْهِمْ بِالْمَعَاصِیْ یَقْدِرُوْنَ عَلٰی اَنْ یُّغَیِّرُوْا عَلَیْهِ وَلَا یُغَیِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتُوْا" رَوَاهُ اَبُوْدَاؤد وَابْنُ حَبَّانَ وَغَیْرُهُمَا (رسالہ تبلیغ) **ترجمہ**: جو شخص کسی جماعت میں ہو اور کوئی ناجائز کام کرتا ہو، اور وہ جماعت اس کے روکنے پر قادر ہو پھر بھی نہ روکے تو ساری جماعت کو مرنے سے پہلے پہلے اس کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

تقدیم تخریجه ص: ۲۰ رقم الهامش ۲

تقدم تخریجه ص: ۵۶، رقم الهامش ۱

أخرجه أبو داود (۴/ ۳۶۱) وابن حبان (۱/ ۲۶۰ رقم ۳۰۲) عن جریر رضي الله عنه.

کس قدر سخت وعید ہے، ہم لوگ اپنی اولاد کو، اپنے چھوٹوں کو علی الاعلان ناجائز امور کرتے دیکھتے ہیں، ہر طرح سے ان پر قدرت ہے، زور ہے، لیکن پھر بھی ان کی محبت کی وجہ سے، یا دین سے غفلت اور لاپروائی کی وجہ سے نہیں روکتے، یہ حقیقت میں نہ ان کے ساتھ خیر خواہی ہے، نہ اپنے ساتھ ان کو بھی مصیبت میں گرفتار کرتے ہیں اور اپنے کو بھی، آج اولاد، ملازم، بیوی، بہن کوئی مالی نقصان کردے، ہماری اپنی شان کے خلاف کوئی بات کہہ دے، اس کی جان کو آجائیں گے، مار پیٹ سے بھی دریغ نہ ہوگا، گالی دینے اور برا بھلا کہنے کا تو ذکر ہی کیا ہے؛ لیکن وہ نماز نہ پڑھتا ہو، جوا کھیلتا ہو، ڈاڑھی منڈاتا ہو، غرض اللہ جل جلالہ اور شریعت مطہرہ کے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی کرتا ہو، تو کچھ مارنا تو درکنار، زبان سے بھی نہیں کہا جاتا ہے، بلکہ دل میں بھی خیال نہیں آتا، کوئی حکومت کا مجرم ہو، اس کا باغی ہو، قتل کا ملزم ہو وہ ہمارے پاس آجائے تو زبان سے اگر کسی سے نہ کہا جائے گا تو بھی دل میں بار بار خیال آئے گا کہ یہ مجرم میرے پاس ہے، کہیں میں اس کے ساتھ نہ پکڑا جاؤں؛ لیکن اللہ کا باغی، اللہ کا نافرمان کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہمارے پاس آتا ہے تو زبان سے کہنا تو بڑی بات ہے، دل میں بھی اس کا وسوسہ نہیں آتا کہ یہ اللہ کا مجرم ہے، کہیں اس کی نحوست میں، میں بھی گرفتار نہ ہو جاؤں، قرآن حکیم اور احادیث بار بار اس چیز کی مذمت کرتے ہیں، اس پر جگہ جگہ تنبیہیں وارد ہیں، اور پھر اللہ جل شانہ جیسا قادر کہ دنیا اور آخرت کی بادشاہت اسی کی ہے، دنیا کے سارے بادشاہ اور حاکم اسی کے قبضہ وقدرت میں ہیں، لیکن ذرا بھی اس مالک کا خوف ہمارے دل میں نہیں آتا اور علی الاعلان اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں تو پھر ہم پر بلائیں اور مصیبتیں کیوں نہ نازل ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَایُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰی یَرَوُا الْمُنْكَرَ بَیْنَ ظَهْرَانِهِمْ وَهُمْ قَادِرُوْنَ عَلٰی اَنْ یُّنْكِرُوْهُ فَلَایُنْكِرُوْا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْعَامَّةَ وَالْخَاصَّةَ“ (مشکوۃ)

ترجمہ: اللہ جل شانہ چند مخصوص لوگوں کے گناہ کرنے سے سب کو عذاب نہیں کرتے، جب تک کہ وہ لوگ ان مخصوص لوگوں کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں، اور جب ایسا ہو کہ وہ روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو پھر عام خاص سب کو عذاب میں مبتلا فرماتے ہیں۔

أخرجه مالك (الكلام/ماجاء في عذاب العامة بعمل الخاصة ۲۳) عن عمر بن عبدالعزيز، وأحمد (۱۹۲/۴) عن عميرة بن فروة رضي الله عنه.

میں اسی مضمون کو اپنے ایک رسالہ میں میں جو''رسالہ تبلیغ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے مفصل لکھ چکا ہوں، اس لئے یہاں مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ جس جگہ آدمی کو قدرت حاصل ہے وہاں نہ روکنا اپنے آپ کو مصائب اور پریشانیوں کے لئے پیش کرنا ہے، اور منجملہ اور پریشانیوں کے اسباب کے، جو آج چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، یہ بھی بڑا سبب ہے کہ ہم دین کی کسی بات پر، کسی مخالف اور دشمن کو تو ضرور اس کی آبروریزی کی نیت سے، اس کا وقار گرانے کی فکر میں ٹوکیں گے، اور کچھ نہ ہو سکے گا تو اظہار حق اور احقاق حق کے نام سے اس کے خلاف ایک فتویٰ لے کر شائع کر دیں گے، لیکن اپنے عزیز کو، اپنے دوست کو، چھوٹے کو کبھی ٹوکنے کا ارادہ نہ کریں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِیْ الدُّنْیَا نَزَعَتْ مِنْهَا هَیْبَةُ الْاِسْلَامِ وَاِذَا تَرَكَتْ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیَ عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ بَرَكَةَ الْوَحْیِ، وَاِذَا تَسَابَّتْ اُمَّتِیْ سَقَطَتْ مِنْ عَیْنِ اللّٰهِ''. (رسالہ تبلیغ)

ترجمہ: جب میری امت دنیا کو عظیم الشان اور اونچی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلامی ہیبت اس سے جاتی رہے گی اور جب نیک کاموں کے کرنے کا حکم اور برے کاموں سے روکنا چھوڑ دے گی تو وحی کی برکتوں سے محروم ہو جائے گی۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ تمہیں دو نشے گھیریں گے، ایک نشہ زندگی کی محبت کا، دوسرا نشہ جہالت کی محبت کا (یعنی علم حاصل کرنے سے پہلو تہی کرنا) اس وقت تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دو گے اور بری باتوں سے روکنا چھوڑ دو گے، اس وقت قرآن و حدیث پر مضبوطی سے جمنے والے ایسے ہوں گے جیسے اونچے درجے کے مہاجرین وانصار۔ (جامع)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی حدود پر قائم ہیں (یعنی دین میں خوب پختہ ہیں) اور جو لوگ ان میں گرنے والے ہیں، (یعنی معاصی میں مبتلا ہیں) ان دونوں کی مثال اس جماعت کی سی ہے جو ایک جہاز میں سوار ہوئی، جس میں کچھ لوگ اوپر کے طبقہ میں ہیں اور کچھ لوگ نیچے کے حصہ میں ہیں، نیچے والے پانی لینے کے لئے بار بار اوپر آتے ہیں وہ اس وقت

أخرجه الحكيم الترمذي، كذا في الجامع الصغير للسيوطي ورقم له بالضعف وقال المناوي: قال العراقي: رواه ابن أبي الدنيا في "كتاب الأمر والمعروف والنهي عن المنكر" معضلاً من حديث الفضيل (فيض القدير ١/٤٠٥)

أخرجه أبونعيم في الحلية (١٣٥٠) عن عائشة رضي الله عنها، ورقم له السيوطي في الجامع الصغير بالضعف.

کی وجہ سے کہ اوپر بار بار جانا پڑتا ہے جس سے ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے جو اوپر ہیں، اس لئے وہ لوگ جہاز کے نیچے کے حصہ میں ایک سوراخ کرنے لگیں تا کہ وہیں سے پانی آنے لگے تو ایسی صورت میں اگر اوپر کے حصہ والے ان کو سوراخ کرنے سے نہ روکیں تو جہاز میں سوراخ ہو جانے سے اندر پانی آئے گا اور دونوں فریق ڈوب جائیں گے۔ (ترغیب عن البخاری)

اس لئے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قدرت کے بعد نہ روکنا صرف گناہ کرنے والے ہی کو نقصان رساں نہیں ہے، اپنے کو بھی عذاب الٰہی میں مبتلا کرنا ہے اور عام عذاب کے لئے تیار ہونا ہے، آج کل جو لوگ دین دار کہلاتے ہیں اور بہت سے ان میں واقعی دین دار ہیں بھی وہ اپنے آپ کو بالکل ہی سبکدوش سمجھتے ہیں "لَايَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ" (جب تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ تو کسی کا گمراہ ہونا تم کو نقصان نہیں پہنچاتا) کا پروانہ اپنے اطمینان کے لئے کافی سمجھتے ہیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے، اللہ تعالیٰ ان پر لاکھوں رحمتیں نازل فرماویں، دین کے کسی جز کو بھی غیر مکمل نہیں چھوڑا ہے، متعدد صحابہ سے اس آیت شریفہ کے بارے میں حضور سے سوال کرنا اور حضور کا جواب میں یہ ارشاد فرمانا تفاسیر میں منقول ہے: "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ عام عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے"۔

اور اس آیت شریفہ کا محمل یہ ہے کہ جب اس کی طاقت نہ رہے اور فتنوں کا دروازہ کھل جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوئے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی، ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس آیت کو بے محل پڑھتے ہو، میں نے خود حضور سے سنا ہے کہ جو لوگ ناجائز کام کو دیکھیں اور اس کو نہ روکیں، قریب ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تشریف فرما تھے، دو آدمیوں میں کچھ نزاع ہوا، پاس بیٹھنے والوں میں سے ایک صاحب نے ارادہ کیا کہ اٹھ کر اس کو روک دیں، دوسرے کسی صاحب نے ان کو اٹھنے سے منع کیا اور یہ آیت تلاوت کی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا

أخرجه البخاری (الشركة/هل يقرع في القسمة والاستهام فيه ٢٤٩٣) والترمذی (الفتن/رقم ٢١٧٣) عن النعمان بن بشير رضي الله عنه وقال: حسن صحيح.

أخرجه أبوداود (الملاحم/الأمر والنهی ٤٣٤١) والترمذی (التفسير/ومن سورة المائدة ٣٠٥٨) عن أبي ثعلبة رضي الله عنه وقال الترمذي: حسن صحيح.

أخرجه أبوداود (الفتن/الأمر والنهی ٤٣٣٨) والترمذی (الموضع السابق) وقال الترمذي: حسن صحيح.

کہ ابھی اس آیت کا وقت نہیں آیا۔ (درمنثور)

الغرض جہاں قدرت ہو وہاں نکیر کرنا نہایت ضروری ہے، اسی طرح دوسری جانب جہاں قدرت نہ ہو، نکیر پر کوئی فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو، کسی دینی مضرت اور نقصان کا خیال ہو، وہاں خواہ مخواہ خم ٹھوک کر نہ کھڑے ہونا، بلکہ اس مجمع سے یکسوئی اختیار کرنا اور لوگ تمہاری یکسوئی پر برا بھلا کہیں، گالیاں دیں، طعن و تشنیع کریں، اس کو برداشت کرنا، ہمت ہو تو ان کے لئے دعائے خیر کرنا۔ **اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَایَعْلَمُوْنَ.**

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر پاک اور اونچا اسوہ ہے۔

لیکن یہ نہ ہو سکے تب بھی ایسے مواقع میں جھگڑے سے علیحدہ رہنا، اصلاح کی فکر میں نہ لگنا، اپنے کو سنبھالے رہنا بہت غنیمت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اِذَا رَأَیْتَ النَّاسَ قَدْ مَرَجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَخَفَّتْ اَمَانَاتُهُمْ، وَكَانُوْا هٰكَذَا وَشَبَّکَ بَیْنَ اَنَامِلِهٖ فَالْزَمْ بَیْتَکَ، وَاَمْلِکْ لِسَانَکَ، وَخُذْ مَاتَعْرِفُ، وَدَعْ مَاتُنْكِرُ، وَعَلَیْکَ بِخَاصَّةِ اَمْرِ نَفْسِکَ، وَدَعْ عَنْکَ اَمْرَ الْعَامَّةِ'' (رَوَاهُ الْحَاكِمُ عَنْ ابْنِ عُمَر، وَكَذَا فِی الْجَامِعِ وَقَالَ الْعَزِیْزِیُّ صَحِیْحٌ)

ترجمہ: جب تو دیکھے کہ آدمیوں کے عہد و پیمان گڑبڑ ہو گئے، اور امانتیں ہلکی پڑ گئیں، (یعنی ان کا اہتمام نہیں رہا) اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر (ارشاد فرمایا کہ جب تو دیکھے کہ) لوگ اس طرح آپس میں گڑبڑ ہو گئے (کنایہ ہے حق ناحق، بھلے برے کے آپس میں مخلوط اور غیر ممتاز ہو جانے سے) تو اپنے گھر میں بیٹھ جانا اور زبان کو روک لینا، جائز

ذکره السیوطی في الدر المنثور (۳/۵۹۹) معزوا الی عبد بن حمید، وابن جریر، وابن أبي حاتم وغیره.

أخرجه ابن أبي شیبة، وأحمد في الزهد، وأبونعیم وابن عساکر عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه، كذا في الدر المنثور (۳/۱۷۵) الأعراف/تفسیر قوله تعالیٰ لقد أرسلنا نوحا الی قومه الخ

جنگ احد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو گیا تھا اور چہرۂ انور بھی زخمی ہو گیا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو یہ چیز بہت شاق تھی اور ہونا بھی چاہئے تھی، اس لئے انہوں نے درخواست کی تھی کہ ان کفار پر بددعا فرما دیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے بددعا فرمانے کے یہ پاک الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ لوگ جانتے نہیں۔ (شفا)

أخرجه أبوداود (الحدود/الامر والنهی ۴۳۴۳) وأحمد (۲/۱۶۲) والحاکم (۴/۲۸۳) عن ابن عمر رضي الله عنهما وصححه الحاکم ووافقه الذهبي.

امور کو اختیار کرنا اور نا جائز سے پرہیز کرنا، اور اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا اور عوام کو چھوڑ دینا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی کا بہترین مال چند بکریاں ہوں جن کو لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر اور ایسے مواقع پر جا پڑے جہاں بارش ہوتی رہتی ہو، کہ اپنے دین کی وجہ سے فتنوں سے بھاگتا ہو۔ (بخاری)

علامہ عینیؒ "شرح بخاری" میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے فتنوں کے زمانہ میں یکسوئی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، البتہ جو شخص ایسا ہو کہ اس کو فتنہ کے روکنے پر قدرت ہو اس کے لئے اس کے روکنے میں سعی کرنا واجب ہے، جو حالات کے اختلاف کی وجہ سے فرض عین یا فرض کفایہ ہے (یعنی اگر کوئی دوسرا شخص اس کو روکنے والا نہیں ہے تو فرض عین ہے اور اگر اور لوگ بھی ایسے ہیں، جو اس کو روک سکتے ہیں تو فرض کفایہ ہے) اور بغیر فتنہ کے زمانہ کے علماء میں اختلاف ہے کہ یکسوئی افضل ہے، یا لوگوں کے ساتھ اختلاط افضل ہے، امام نووی کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور دیگر بہت سے علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایسی حالت میں اختلاط افضل ہے، اس لئے کہ اس سے بہت سے دینی فوائد حاصل ہوتے ہیں، اسلامی شعاروں میں شرکت کی نوبت آتی ہے، مسلمانوں کی جماعت کی کثرت ظاہر ہوتی ہے اور ان کو بہت سی بھلائی کے پہنچانے کا موقع ملتا ہے، مریضوں کی عیادت، جنازوں کی شرکت، سلام کا شائع کرنا، بھلی باتوں کا حکم کرنا، بری باتوں سے روکنا، نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنا، محتاج کی مدد کرنا، مسلمانوں کی جماعتوں میں شریک ہونا وغیرہ وغیرہ، جتنے امور بھی ہو سکتے ہوں سب کا امکان ہے اور جو شخص عالم ہو یا زاہد اس کے لئے اختلاف کا استحباب اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے لیکن ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ باوجود ان سب کے بھی تنہائی افضل ہے اس لئے کہ اس میں سلامتی یقینی ہے بشرطیکہ تنہائی کی عبادت اور ان چیزوں سے جو تنہائی کی حالت میں اس کے ذمہ ضروری ہیں واقف ہو امام نووی فرماتے ہیں مذہب راجح یہی ہے کہ جس شخص کو اس کا غلبہ ظن نہ ہو کہ وہ خود معاصی اور گناہوں میں مبتلا ہو جائے گا اس کے لئے اختلاط ہی افضل ہے۔ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں تو یکسوئی ہی افضل ہے اس لئے کہ مجالس گناہوں سے بہت ہی کم خالی ہوتی ہیں۔ علامہ عینی

أخرجه البخاری (الایمان/ باب من الدین الفرار من الفتن ۱۹) وابوداود (الفتن/ الرخصة في التبدی في الفتنة ۴۲۶۷) والنسائی (الایمان/ الفرار بالدین من الفتن ۵۰۳۹) عن ابی سعید الخدری رضي الله عنه.

فرماتے ہیں کہ میں بھی کرمانی کا موافق ہوں اس لئے کہ اس زمانہ میں اختلاط سے برائیوں کے سوااور کچھ حاصل نہیں فقط، امام نووی کی وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی ہے اور علامہ کرمانی کی ۷۸۶ھ میں تقریباً سو برس کے فرق میں زمانہ کا یہ تغیر ہے کہ امام نووی اختلاط کو افضل بتاتے ہیں اور امام کرمانی سو برس کے بعد فرماتے ہیں کہ آج کل مجالس اس قابل نہیں رہیں، علامہ عینی کی وفات ۸۵۵ھ میں ہے، وہ علامہ کرمانی کی تائید کرتے ہوئے شرور کا اضافہ ہی بتاتے ہیں، ایسی صورت میں اب چودہویں صدی کے نصف آخر میں جتنا بھی اضافہ ہو قرین قیاس ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر زمانہ اپنے ماسبق سے شر میں بڑھا ہوا ہوگا۔●

اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو، البتہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی فرماں برداری کی جاتی ہے، اور خواہشات نفس کی پیروی کی جاتی ہے اور دنیا کو (دین پر) ترجیح دی جاتی ہے اور ہر ذی رائے اپنی رائے کو بہتر سمجھتا ہے (یعنی خود رائی عام ہو جائے) اور ایسی حالت کو دیکھے کہ (سکوت بغیر) چارہ کار نہیں تو اپنے نفس کی خبر گیری کرنا، (مبادا کسی فساد میں مبتلا ہو جائے) اور عامۃ الناس کو چھوڑ دیجیو، عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ (اپنے دین پر) صبر کرنا ایسا ہوگا گویا آگ کی چنگاری ہاتھ میں لے لی۔ (مشکوۃ)☠

یعنی آگ کی چنگاری ہاتھ میں لے کر اس پر صبر کرنا اور اس کو ہاتھ میں روکے رکھنا جیسا مشکل ہوتا ہے ایسا ہی دین کا تھامنا مشکل ہو جائے گا، چناں چہ اس زمانہ میں دینی امور کا پھیلانا ان کی جانب متوجہ کرنا، بلکہ خود اپنے آپ دین پر عمل کرتے رہنا جس قدر مشکل بن گیا ہے، وہ ہر دین دار شخص جانتا ہے، اہم سے اہم دینی امر اور ایمان کے بعد سب سے اونچی چیز نماز ہی کو دیکھ لو کہ عوام کے طبقہ سے زیادہ شرفاء اور امراء اور وہ لوگ جو اپنے کو اسلام کا علم بردار سمجھتے ہیں، ان کو نماز کے لئے کہنا، ان کو مسجدوں میں جانے پر، جماعت کے اہتمام پر آمادہ کرنا کتنا مشکل بن گیا ہے گویا کہنے والے کی اپنی غرض اس سے وابستہ ہے، جس کو کہا جاتا ہے اس کا تو کوئی نفع اس میں ہے ہی نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے

● تقدم تخریجه ص: ۱۹۲ برقم الهامش ۱

☠ أخرجه أبوداود (الملاحم/الأمر والنهی ۴۳۴۱) والترمذی (التفسیر/۳۰۵۸) عن ثعلبة رضي الله عنه وقال الترمذي: حسن صحيح.

کوئی آگ (چراغ وغیرہ) روشن کی اور پروانے وغیرہ جانور اس پر آکر گرتے ہیں اور وہ ان کو ہٹاتا ہے کہ خواہ مخواہ جل جائیں گے، مگر وہ ہٹتے نہیں اور اس میں جلے جاتے ہیں، یہی بعینہ میری مثال ہے کہ تم لوگوں کو پکڑ پکڑ کر (جہنم کی) آگ سے ہٹاتا ہوں، مگر تم لوگ اس میں گھسے جاتے ہو۔ (مشکوۃ)

اسی طرح علماء کے لئے بھی افضل یہی ہے کہ حتی الوسع منکرات سے روکنے کی سعی کریں، لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ مغلوب ہو جائیں، یا کسی مضرت کا اندیشہ ہو تو پھر فتنہ سے علیحدہ رہنا بہتر ہے، حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حجاج (مشہور ظالم) کو خطبہ میں ناجائز امور کہتے ہوئے سنا، میرے دل میں آیا کہ اس کو ٹوکوں، مگر مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آگئی (اس لئے چپ ہو گیا) وہ حدیث یہ ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، مومن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرے گا؟ ارشاد فرمایا کہ ایسی مشقت میں داخل ہو جائے جس کا تحمل نہیں کر سکتا۔

حضرت علیؓ نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نقل کیا ہے کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے، صحابہ نے عرض کیا کہ اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرے گا؟ ارشاد ہوا کہ ایسی بلا میں داخل ہو جس کا تحمل نہیں کر سکتا۔ (مجمع الزوائد)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جلیل القدر صحابہ میں ہیں، جس زمانہ میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہ میں لڑائی ہو رہی تھی، یہ اپنے اونٹوں کو لے کر جنگل میں چلے گئے تھے، ان کے صاحبزادہ عمر ان کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے دور ہی سے "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ هٰذَا الرَّاکِبِ" (اے اللہ میں اس سوار کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں) پڑھنا شروع کر دیا، یہ

أخرجه البخاری (أحاديث الأنبياء رقم٣٤٢٦) ومسلم (الفضائل/شفقته صلى الله عليه وسلم، على الأمة ٢٢٨٤) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

أخرجه البزار كما في الكشف (٣٣٢٣) والطبراني في الأوسط (٥٣٥٧) مثله وفي الكبير (١٢/١٣٥٠٧) مختصراً، عن ابن عمر وقال الهيثمي في المجمع (٧/٢٧٤): "رجال الطبراني في الكبير جيد".

أخرجه الطبراني في الأوسط (٨٩٨٧) وقال الهيثمي في المجمع (٧/٢٧٥) "فيه الخضر، والجارود، ولم ينسبا، ولم أعرفهما، وبقية رجاله ثقات" اهـ

تشریف لے گئے سواری سے اترے اور عرض کیا آپ اپنے اونٹوں اور بکریوں کو لے کر یہاں تشریف لے آئے اور لوگوں کو چھوڑ دیا کہ وہ سلطنت پر لڑتے رہیں، حضرت سعدؓ نے ان کے سینے پر زور سے ہاتھ مارا اور فرمایا چپکے رہو، میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ جل شانہ اس بندہ کو محبوب رکھتے ہیں جو متقی ہو اور مخفی ہو۔ (ترغیب بروایۃ مسلم)

ایک مرتبہ حضور نے فرمایا کہ تم کو بہترین شخص بتاؤں کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، ضرور بتائیے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جو گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے اللہ کے راستہ میں رہے، یہاں تک کہ مرجائے، یا شہید ہوجائے، پھر ارشاد فرمایا بتاؤں اس کے بعد کون شخص بہترین ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیے، ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جو کسی گھاٹی میں الگ جا پڑا ہو، نماز کو قائم رکھتا ہو، زکوۃ ادا کرتا ہو، لوگوں کے شرور سے محفوظ ہو۔

ایک حدیث میں وارد ہے کیا ہی اچھا ہے وہ شخص کہ اپنی زبان پر قدرت رکھتا ہو، اپنے گھر میں پڑا رہتا ہو اور اپنی خطاؤں پر روتا رہتا ہو۔

حضرت عقبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور سے عرض کیا نجات کی کیا صورت ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو، گھر میں پڑے رہو، اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔

لیکن ان سب صورتوں میں ایک بات قابل اہتمام ہے کہ ناجائز اور بری بات کو دیکھ کر دل سے اس چیز کو برا سمجھنا، دل سے اس پر رنجیدہ ہونا، دل سے اس پر نفرت کرنا ازبس ضروری ہے، جس کو سب سے پہلی حدیث میں ایمان کا ضعیف درجہ کہا گیا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں شہر کو ہلاک کردو، انہوں نے عرض کیا کہ اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے تیری ذرا سی نافرمانی بھی نہیں کی، ارشاد ہوا کہ اس کے باوجود ہلاک کردو، میرے بارے میں اسکی پیشانی پر ذرا بھی بل نہیں پڑا۔ (مشکوۃ) بل نہ پڑنے

أخرجه مسلم (الزهد/الدنيا سجن المومن وجنة الكافر رقم۲۹۶۵)

أخرجه الترمذی (فضائل الجهاد/ماجاء أن الناس خير رقم ۱۶۵۲) والنسائی (الزكاة من يسأل بالله ولايعطى به رقم۲۵۷۰) والدارمی (۲۳۹۵) وقال الترمذی: حسن غريب اهـ

أخرجه الطبراني في الأوسط (۲۳۴۰) وفى الصغير (۷۸/۱) عن ثوبان رضي الله عنه وقال الهيثمى في المجمع (۲۹۹/۱۰) "حسن اسناده".

أخرجه الترمذي (الزهد/ما جاء في حفظ اللسان رقم ۲۴۰۶) والطبرانى في الكبير (۱۷/رقم ۷۴۱) عن عقبة بن عامر رضي الله عنه وقال الترمذي: حسن.

تقدم تخريجه ص:۷۳ برقم الهامش ۲

کا مطلب یہ ہے کہ میری نافرمانیاں دیکھتا رہا اور کسی وقت ذرا بھی اپنی ناگواری کا اظہار نہ کیا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی ناجائز امر میں شریک ہو، مگر اس کو برا سمجھتا ہو (دل سے اس پر نفرت کرتا ہو، گو کسی مجبوری سے اس میں شریک ہو) وہ ایسا ہے جیسا کہ اس میں شریک نہیں ہے، اور جو شخص اس میں شریک نہ ہو اور اس کو پسند کرتا ہو وہ ایسا ہے جیسا اس میں شریک ہے۔ (مجمع الزوائد) گناہ کی بات خواہ کسی میں بھی ہو، اس پر خوش ہونا، راضی ہونا، سم قاتل ہے اور پھر سب گناہوں کی جڑ کفر ہے، اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ نے اپنے ''مکاتیب'' میں ایک بڑا قابل عبرت قصہ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص کی عیادت کو گیا، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ انتقال کا وقت بالکل قریب ہے، میں نے اس پر توجہ ڈالی تو اس کے دل کو ظلمتوں سے بھرا ہوا پایا، ہر چند میں نے توجہ کی کہ اس کے دل پر سے یہ ظلمتیں دور ہو جائیں، مگر دور نہ ہوئیں، بڑی دیر توجہ کے بعد محسوس ہوا کہ یہ ظلمتیں اہل کفر سے دوستی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں توجہ سے زائل نہ ہوں گی جہنم کے عذاب ہی سے زائل ہوں گی (مکتوب دفتر اول حصہ چہارم)

کس قدر خوف وعبرت کا مقام ہے کہ بعض کدورتیں دل پر ایسی پیدا ہو جاتی ہیں کہ اللہ والوں کا تعلق جو اکسیر ہے وہ بھی ان کے مقابلہ میں بے کار ہو جاتا ہے۔

ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ اہل معاصی کے بغض کے ساتھ اللہ کے یہاں تقرب حاصل کرو، اور ان سے ترش روئی سے ملو، اور ان سے ناراضی میں اللہ کی رضا تلاش کرو اور ان سے دور رہنے میں اللہ کا تقرب حاصل کرو۔ (جامع الصغیر)

سنداً اگرچہ ضعیف ہے، مگر مضمون کی دوسری احادیث سے تائید حاصل ہوتی ہے، عزیزی نے لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اس معصیت سے بغض رکھو، نہ کہ اس شخص کی ذات سے اور یہی مطلب ہے ان سب احادیث کا جہاں اس قسم کے مضامین وارد ہوئے ہیں، کہ آپس کے تعلقات اور کسی سے محبت کی وجہ سے اس میں جو معصیت ہے وہ بھی ہلکی نہ بن جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس معصیت کی وجہ سے اس میں جو صفت اسلام ہے وہ نظر انداز نہ ہو جائے،

تقدم تخریجه ص: ٦٤ برقم الهامش ٣

أخرجه ابن شاهين في الأفراد عن ابن مسعود رضى الله عنه كذا في الجامع الصغير (رقم ٣٣٥١) ورقم له السيوطي بالضعف.

اس لئے ان دونوں افراط وتفریط کے درمیان میں اعتدال ہے، یہی اصل تعلیم ہے اور یہی ہر چیز کو اس کے درجہ پر رکھتا ہے جس کے ہم لوگ مامور ہیں۔

حق یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم ایسی ہی تھی کہ "یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا". (اللہ کے دین میں فوجیں کی فوجیں داخل ہوتی ہیں) کا مصداق تھی، مگر ہم نے اس سے منہ موڑا، اس پر عمل کرنا درکنار، اس کو معلوم کرنا بھی چھوڑ دیا، اسی کے یہ خمیازے ہیں جو بھگت رہے ہیں، ہماری مثال شتر مرغ کی سی ہے جس کے متعلق ایک ضرب المثل ہے، کہ جب اس سے اڑنے کو کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں شتر ہوں بھلا اونٹ بھی اڑ سکتا ہے اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ بار برداری کر، تو کہتا ہے کہ میں مرغ ہوں، بار برداری کیسے کروں۔

ہم لوگوں کا بھی یہی حال ہے کہ جب اعمال کے کرنے کا ذکر آتا ہے تو ہم لوگ چودہویں صدی کے رہنے والے ناکارہ اور ضعیف بن جاتے ہیں، بھلا صحابہ کرام جیسے اعمال ہم سے کہاں ہو سکتے ہیں، وہ قوی لوگ تھے، وہ حضور کے پاس بیٹھنے والے تھے وہ خیر القرون کے افراد تھے، بھلا ہم ان کی کیا حرص کر سکتے ہیں، دنیادار ہیں، دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں، مجبوریاں ساتھ ہیں، لیکن جب ان حضرات کی ترقیات کا ذکر آتا ہے، ان کے ملکوں پر فتح اور قبضہ کا ذکر آتا ہے، ان کی عزت ووجاہت کا سماں بندھتا ہے تو ہم بھی مسلمان ہیں، حضور کے نام لیوا ہیں، صحابہ کے جانشین ہیں، ان کے خلاف ہیں اور ترقیات میں ان کی ہمسری کے خواب دیکھنے لگتے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ ایسے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتے، اگر ہمیں ان ترقیات کی امنگ ہے تو ان کے سے اعمال کر کے ان ثمرات کا امیدوار بننا چاہئے، لوبیا بو کر سیب کا پھل آنے کی امید کرنا سراسر حماقت ہے، بس اب وقت ختم ہو چکا ہے رویت ہلال کا وقت قریب ہے، دعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہ مجھ ناکارہ کو بھی ان حضرات اکابر کے اسوہ سے کچھ حصہ نصیب فرمادیں، میری مثال اس ساری تحریر میں اس نابینا کی سی ہے جو چراغ ہاتھ میں لئے دوسروں کو کہتا ہے کہ روشنی کے فوائد حاصل کرو اور بے چارہ خود محروم ہے وَمَا اسۡتَقَمۡتُ فَمَا قَوۡلِیۡ لَکَ اسۡتَقِمۡ.

اس کے علاوہ میں نے جو کچھ لکھا ہے، میرا خیال ہے کہ سب اشکالات کے لئے مجملاً کافی ہے اور سب امور کا اس سے حل ہو گیا ہوگا؛ لیکن یہ میرے ناقص خیالات ہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ سب اس کو قبول کریں اور مانیں، اگر سمجھ میں آئے بہتر ہے، قبول کرلیں ورنہ کالائے بد بریش خاوند۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْراً وَلَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم، وَصَلَّی اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی اَفْضَلِ خَلْقِهٖ سَیِّدِ الْبَشَرِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَاَتْبَاعِهِمْ، حَمِلَةِ الدِّیْنِ الْمَتِیْنِ، بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

فقط والسلام
زکریا عفی عنہ کاندھلوی
۲۹؍شعبان ۱۳۵۷ھ